سوویت لوگوں کی داستانیں

دارالاشاعت ترقی ماسکو

سوویت لوگوں کی داستانیں

دارالاشاعت ترقی
ماسکو

مترجم: مرزا اشفاق بیگ

РАССКАЗЫ О СОВЕТСКИХ ЛЮДЯХ

на языке урду

© اردو میں ترجمہ — دارالاشاعت ترقی — ۱۹۷۳ء

فہرست

صفحہ

ترقی کی شاہراہ ۵
بیسویں صدی کا پیشہ ۱۹
سنگتراشی کا دیوھیکل ۴۵
یتیمی سے صدارت تک ۷۷
ایک سو ایجادوں کا مالک ۹۹
ساتویں آسمان میں ۱۲۳
انسان اور منطق ۱۴۱
هوائی جہازوں کے سوویت موجد ۱۶۱
دوسرا جنم ۲۰۷
سپاهی کا بیٹا ۲۲۹
بلندیوں پر ۲۴۱
خلانورد کی منزلیں ۲۶۱
کلاسیکی اور جدید موسیقی کا امتزاج . ۲۹۹
لوک کہانیاں اور مصوری ۳۱۳
گلوکار کی دنیا ۳۳۱
سکہ‌بازی اور انسان کا کردار ۳۴۹
جمناسٹک اور حسن ۳۶۹
پرانے معمے کا حل ۳۸۵
ایک نئی سائنس کا بانی ۳۹۵

ترقی کی
شاہراہ

عام طور پر حکومت کے سربراہ اپنے ملک کی راجدھانی ھی میں بودوباش اختیار کرتے ھیں۔ گالینا لوگونووا اس معاملے میں بالکل مختلف ھیں۔ وہ بیلوروس رپبلک کی پارلیمنٹ کی نائب صدر ھیں لیکن رپبلک کے دارالخلافے منسک کے بجائے دوردراز وی‌تبسک علاقے میں رھتی ھیں۔ یہیں انھوں نے اپنی ترقی کی شاھراہ پر پہلا قدم رکھا تھا۔

''میری سرگزشت میرے ہزاروں ھم‌عمروں ھی کی طرح ھے۔ جب آنکھیں کھولیں تو جنگ برپا تھی...،، پھر گالینا نے کہا:

''میرا آبائی گاؤں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر آباد ھے۔ اس کے چاروں طرف گھنا اور پراسرار جنگل ھے۔ جب بارش ھوتی ھے تو وہ آسمان کے پس منظر میں ایک ایسا اداس اداس سا جھکتا ھوا سیاہ سایہ دکھائی دیتا ھے جو تمام گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاھتا ھو۔ اور جب سورج چمکتا ھے تو جنگل میں جیسے جان آ جاتی ھے، وہ پھیلنے لگتا ھے اور جگمگانے لگتا ھے۔،،

...لیکن بھورے لباس والی اس بچی کو جنگل میں موت ھی موت نظر آتی تھی۔ جنگ کی ابتدا میں ھی اس کا باپ جنگل چلا گیا تھا۔ ھر رات تمام علاقہ گولیوں کی تڑاتڑ اور سرنگیں پھٹنے کے بھداکوں سے گونجتا رھتا۔ بعد میں لوگ دیکھتے کہ نازی اپنے فوجی افسروں کی لاشیں جنگل سے باھر لے جا رھے ھیں... اکثر رات کو چھاپےماروں کے ھرکارے چھپ چھپا کر گاؤں میں آتے اور خبریں سناتے تھے۔ کبھی کسی گاؤں والے کے بارے میں کہتے: ''وہ ایک بہادر کی موت مرا...،، ھر مرتبہ گالینا کی ماں کے کان اپنے خاوند کا نام سننے کےلئے تیار رھتے... لیکن الکسئی لوگونوف نے برلن تک کا فاصلہ طے کیا اور وہ جنگ کے خاتمے تک لڑتے رھے۔ گالینا کی ماں کا انتقال البتہ پہلے ھوگیا۔

تمام اناج جنگل میں چھپا دیا گیا تھا۔ جنگ کے زمانے میں بھوک فاقے کی حالت ایسی تھی کہ باجرے کا ایک ایک دانہ سونے میں تولا

جا سکتا تھا۔ گالینا کو یاد ہے کہ ''کھانے کے لئے کافی گھاس تک نہیں تھی۔ ،، جنگل خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہاں کوئی بھی جگہ جنگ کے دغاباز ''اچنبھوں،، سے محفوظ نہ تھی۔ ہر درخت کے پیچھے ایک فتیلہ پوشیدہ تھا۔ اسے بس چھوا ہی... اور آنکھوں کو چکاچوند کردینےوالا ایک شعلہ بھڑکا، زمین بھک سے اڑی اور سٹی فر کے درختوں کے اوپر تک بکھر گئی۔ یہ تھیں سرنگیں...

بچے جنگل کو سربھکوں کی طرح حسرت سے دیکھا کرتے تھے۔ وہاں سیاہ درختوں کے پیچھے سے زندگی انہیں اشاروں سے بلاتی تھی... اور موت بھی۔

جب بھی کوئی ماں جنگل کو جاتی تو اپنے بچوں کو اس طرح پیار کرتی تھی جیسے یہ آخری بار ہے۔ لڑکیاں سر پر پھٹے ہوئے رومال باندھے اور لڑکے فوجی ٹوپیاں پہنے اپنی ماؤں کو دیر تک تکتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ رتیلے ڈھال پر سے گزر کر جنگل میں غائب ہو جاتی تھیں۔ کیا وہ لوٹیں گی؟ اکثر ایسا ہوا کہ وہ کبھی نہیں لوٹیں۔

ایک روز گالینا کی ماں بھی گاؤں سے باہر گئی اور کبھی نہیں لوٹی۔ گالینا نے اس سرنگ کو پھٹتے ہوئے نہیں دیکھا جس نے اس کی ماں کی جان لی تھی۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ یکایک لوگوں نے اسے یتیم کہنا شروع کر دیا۔ ایک مدت کے بعد جب اسے زمین کا صاف کیا ہوا ایک حصہ دکھایا گیا تب ہی وہ اپنی ماں کے المیے کو پوری طرح سمجھ پائی۔

گالینا اپنی خالاؤں کے پاس رہنے لگی۔ موسم بہار میں وہ کھیتوں میں آلو جمع کرنے جایا کرتی تھیں — یہ پچھلی خزاں کے بچے ہوئے تھے۔ انہیں پالا مار گیا تھا۔ وہ پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ لیکن گرمی سے وہ پگھل جاتے اور مٹھی میں تو ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے۔ انہیں صاف کرنے اور پیسنے کے بعد بھورے رنگ کی چھوٹی

چھوٹی چپاتیاں بنائی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں وہ بےحد لذیز خیال کی جاتی تھیں اور ان سے پیٹ بھی خوب بھرتا تھا۔

غذائیت کی کمی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل آتی تھیں۔ چنانچہ لڑکیوں کے سر مونڈ دئے گئے تھے۔ نیک دل خالاؤں نے گالینا کے لئے نقلی فلالین کی جیکٹ سی دی۔ بچپن میں اس کےلئے یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔

''اب یہ یقین کرنا مشکل ھے کہ وہ زمانہ کتنا مشکل تھا۔ خاص کر بعد ازجنگ کے چند سال۔ ہر چیز تباہ و برباد کر دی گئی تھی۔ گاؤں کے گاؤں اور کنبے کے کنبے صفحہ ھستی سے مٹا دئے گئے تھے۔ ہر طرف سے دھرتی اور اس کے باسیوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں — بھوک! بھوک! نوجوان مائیں، جو قبل از وقت بوڑھی ھو گئی تھیں، چند آلو چننے کے لئے کھیتوں کی ریگھاریوں پر چاروں ھاتھ پیر سے رینگا کرتی تھیں، وہ ھلوں میں اپنے آپ کو جوتتی تھیں — اور یہ سب اس لئے کہ ھم بچے زندہ رہ سکیں... اس وقت میری عمر سات سال کی تھی۔ میں ان باتوں کو کبھی نہیں بھولوں گی — بھوری زمین، سیاہ جنگل اور میرے کٹے ھوئے بال جو آگ میں جلائے گئے تھے۔ ''

ایک مرتبہ گالینا سے سوال کیا گیا: ''تمھیں کن خوبیوں کی وجہ سے پارلیمنٹ میں چنا گیا؟'' ایسے موقع پر حسب معمول لوگوں کا جواب انکساری سے کندھے اچکا کر یہ ھوتا ھے: ''میرا خیال ھے کہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ھیں۔ ''

لیکن گالینا یہ کہتی ھیں:

''جی ھاں، مجھے معلوم ھے۔ میرے کام کی بدولت۔ جو لوگ کام کرنا جانتے ھیں عوام ان کی عزت اور قدر کرتے ھیں۔ مجھے امید ھے کہ میں اس عزت کے لائق تھی۔ ''

یہ ۲۰ جون ۱۹۵۵ء کا واقعہ ھے جب گالینا نے آٹھویں کلاس

پاس کرکے ایک فارم پر کام کرنا شروع کیا تھا ۔ اس تاریخ کو وہ کبھی نہیں بھولیں گی ۔

ان کی ملازمت کی کتاب میں پہلا اندراج یہ تھا : ''مددگار مزدور،، ۔ ابتدا میں انھیں مددگار کے طور پر ایک گروپ میں شامل کر دیا گیا جس میں چار عورتیں سوروں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر وقت انھیں ''طلب،، کیا جاتا تھا ۔ وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑتی رھتی تھیں ۔ گالینا ایسی کارکن نہیں تھیں جن سے کام کرایا جائے ۔ وہ گرمیوں کے کیمپ میں پھرکی کی طرح ادھر ادھر کے چکر لگاتی رھتیں، لمبے بوٹ ان کی پتلی پتلی ٹانگوں میں پھٹ پھٹ کرتے رھتے تھے ۔ مددگار مزدور ایک شاگرد سا ھوتا ھے ۔ ان کی استانی ایک مہربان‌دل خاتون زینا اگناتینکو تھیں جو آج بھی فارم میں کام کرتی ھیں ۔ وہ ایک اچھی استانی بھی تھیں اور اچھی سہیلی بھی ۔ انھوں نے اس لڑکی کی بڑی مدد کی اور ھمت بڑھائی جس نے ابھی ابھی کام کرنا شروع کیا تھا ۔

گالینا نے دوسری منزل میں قدم رکھا ۔ ایک موسم سرما میں ان کی شاگرد کی حیثیت ختم ھو گئی ۔ اب وہ خود سوروں کے ایک گلے کی نگراں تھیں ۔ ابتدا میں گلے کی تعداد تین سو تھی جو بعد میں بڑھ کر پانچ سو، پھر سات سو اور اس سے بھی زیادہ ھو گئی ۔

''رات کو جب میں گھر آتی اور کھانا کھانے بیٹھتی تو چمچہ میرے ھاتھ میں کانپنے لگتا تھا ۔ میں اتنی تھک جاتی تھی ۔

''اگر واقعی کوئی لفظ ''کام،، کا مطلب سمجھنا چاھتا ھے تو اسے پوپھٹنے سے پہلے اٹھنا چاھئے اور ستاروں کے ساتھ ساتھ گھر لوٹنا چاھئے ۔ یہ اسکولوں اور کتابوں سے نہیں بلکہ زندگی کے تجربے سے حاصل ھوتا ھے ۔ سو بات کی ایک بات یہ ھے کہ کام کی جانب تمھارا کیا رویہ ھے ۔ بعض لوگ جب لفظ ''فارم،، سنتے ھیں تو ان کے ذھن میں صرف کیچڑ اور گندگی کی تصویر ھی ابھرتی ھے ۔ دوسرے

لوگ اس روسی کہاوت کا حوالہ دیتے ہیں: 'سور کو تارے نظر نہیں آتے'۔ غالباً سور کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ تارے دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن ہم انسانوں کے لئے لازمی ہے کہ تارے دیکھیں، ان تک پہنچنے کی سعی کریں۔ اسی سوال پر ژینیا ژابروفسکایا سے میرا سخت جھگڑا ہوا، جو میری سب سے پیاری سہیلی تھی۔''

ژینیا بھی فارم پر کام کرتی تھی۔ تمام دن سخت محنت کرنے کے باوجود دونوں لڑکیاں کنسرٹ کی مشقوں میں حصہ لیتیں یا اپنی پوری آواز سے گیت گاتی ہوئی گاؤں میں گھومتی تھیں۔ انھیں ساتھ کام کرتے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ گالینا نے ایک نئی بات محسوس کی: فارم کے کام اور دیہاتی زندگی سے ژینیا کی شکائتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''یہاں رکھا کیا ہے؟'' ایک روز وہ گالیا سے کہہ ہی بیٹھی۔ ''کیا ہمیں زیادہ دلچسپ زندگی گزارنے کا حق نہیں ہے؟''

ژینیا کا باپ جو پنچائتی فارم میں بڑھئی تھا وہ بھی یہی کہا کرتا تھا: ''کیا اسے زندگی کہتے ہیں — ہمیشہ غلاظت میں بطخ کی طرح سپڑ سپڑ کرکے چلتے رہنا۔'' اس نے اپنی بیٹی کے شہر جانے اور بہتر زندگی تلاش کرنے کی حمایت کی۔ ژینیا نے شہر کراسنودار کی راہ لی۔ ایک سال گزر گیا، دو سال گزر گئے۔ پھر وہ چھٹیاں گزارنے گاؤں آئی۔ اس کی وضع قطع دیکھ کر اور جس شان سے اس نے اپنے خاوند کا تعارف کرایا گاؤں والوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کا لباس اس کے سروقد اور نازک بدن پر واقعی خوب پھب رہا تھا۔ پھر سب نے اس کے خاوند کو بھی پسند کیا: وہ نیک دل اور اچھا آدمی نظر آتا تھا۔ لیکن ژینیا کے لئے زیادہ دلچسپ چیز گالیا کا ردعمل معلوم کرنا تھا۔ کیا وہ دل ہی دل میں جل رہی ہے؟ ایسا بالکل نہیں تھا۔ گالینا نے اس سے صرف یہ کہا:

''ہوشیاری سے کام لو۔ اپنی زندگی کو یوں ضائع مت کرو۔''

’’کیا تم اب بھی فارم پر کام کرتی ہو؟،، ژینیا نے پوچھا۔
’’ہاں، سوروں کا پالن پوسن کرتی ہوں۔ اور تھوڑے ہی دن ہوئے نوجوان کمیونسٹ لیگ کی ضلعئی کمیٹی کی ممبر چنی گئی ہوں۔،،
’’واقعی؟،، بڑی بےنیازی کے انداز میں ژینیا نے کہا۔ پھر اسے ’’بےچاری،، گالینا پر رحم آ گیا اور بولی:
’’چلو، میں تمہیں یہاں سے شہر لے جانے میں مدد دوں گی۔ کیا اپنی تمام زندگی سوروں کے ساتھ گزار دوگی؟،،
لیکن دلچسپ زندگی ہے کیا؟ ہر چیز اضافی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو ایک چیز پسند ہے تو وہی دوسروں کےلئے سخت بور بھی ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ پہلے دنیا کے چاروں کونوں کی خاک چھانتے ہیں اور پھر مطلوب چیز حاصل کرتے ہیں، دوسروں کو اپنے سامنے ہی وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ اور گالینا کےلئے یہ تھی زمین۔ وہ سوچا کرتی:
’’یہ دھرتی ہماری ہے اور اس پر جو کچھ ہے وہ بھی ہمارا ہے۔ اگر ہم کہیں اور چلے جائیں تو دھرتی کی دیکھ بھال کون کرےگا؟ معلوم ہے ’’پولوتا،، ریاستی فارم کتنا بدل گیا ہے؟ نئی نئی عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں، نئی نئی مشینیں آئی ہیں۔ اور اب بھی آسمان کے پس منظر میں دیوھیکل نیلا جنگل ابھرتا ہے، ریتیلے ٹیلے دور دور تک پھیلتے جاتے ہیں، سبز فردرختوں کی پھننگیں ناچتی رہتی ہیں۔ یہ سب میری دھرتی ہے اور اسی سے میری قسمت وابستہ ہے۔،،
جب سورج ڈھل جاتا اور نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنا دن بھر کا کام ختم کرلیتے تو وہ فارم کے کلب کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ ’’پولوتا،، ریاستی فارم میں نوجوان کمیونسٹ لیگ کی ایک بڑی اور سرگرم تنظیم تھی۔ اس کے دو سو سے زیادہ رکن تھے۔ گالینا اس کی کمیٹی کی ممبر تھیں۔ دن میں کام سے گالینا خواہ کتنی ہی شل کیوں نہ ہو جاتیں وہ برابر کلب آتیں اور نوجوانوں کے ساتھ شامیں گزارتی تھیں۔

وہ زندہ دل گیت گاتیں اور ایک قسم کا بیلوروسی پولکا ناچ ''لیاوونیخا،، ناچتی تھیں جس کے متعلق مذاقاً کہا جاتا ہے کہ اس میں ''سو چکر بائیں جانب اور سو ہی دائیں جانب ہوتے ہیں۔،، انھیں ''کروژاچوک،، بھی رقص کرنا آتا تھا جو کام سے تھکے ہوئے ھاتھوں کی پرشور تالیوں کے تال پر ناچا جاتا تھا۔ ناچ گالینا کا محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ تیز اور حسین ''کروژاچوک،، انھوں نے اپنی شادی کے دن اس نوجوان کے ساتھ ناچا جس سے وہ محبت کرتی تھیں اور جس کے لئے انھوں نے بڑا انتظار کیا تھا۔ بوریس کھدائی کی مشین چلاتا تھا۔ اس نے اپنے ھاتھوں سے ایک دلدل زرخیز قطع میں بدل دی تھی۔ وہ ایک مضبوط اور کشادہ شانوں والا نوجوان تھا اور انتہائی پرسکون مزاج کا مالک۔

دونوں شاموں کو ملتے جب دھندلکے کے بعد تارے چھٹکنے لگتے اور فارم پر چاند کی مہتابیں چھوٹنے لگتی تھیں۔

بوریس لازمی فوجی ملازمت پر چلا گیا، بیلوروس سے بہت دور۔ اب مقامی ڈاکیہ پابندی سے ایسے لفافے لانے لگا جن پر تکونے فوجی ڈاک ٹکٹ لگے ہوتے تھے۔ ہر خط میں ایک ہی سوال کیا جاتا تھا: ''کیا تم انتظار کر رہی ہو؟،،۔ اور جواب بھی یہی ہوتا: ''ھاں، میں انتظار کر رہی ہوں۔،،

خطوں میں گالینا اپنی ذات سے زیادہ اپنے کام کے متعلق لکھا کرتی تھیں۔ ''مجھے ریپبلک نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی کا ممبر چن لیا گیا ہے۔،، ''میں پارلمنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار نامزد کی گئی ہوں۔،، ''اجلاس میں شرکت کے لئے منسک گئی تھی اور وھاں مجھے ریپبلک کی پارلیمنٹ کا نائب صدر چنا گیا۔،،

بوریس خط پڑھ کر کبھی متفکر ہو جاتا اور سوچتا: اس کی منگیتر کہیں بدل تو نہیں گئی؟ شہرت نے اس کا دماغ خراب تو نہیں کردیا؟

پر گالینا اس معاملے میں بالکل نہیں بدلی تھی۔

فوجی ملازمت ختم کرنے کے بعد بوریس گھر لوٹا۔ اب پھر وہ کھودنے کی مشین چلانے لگا اور دلدلیں سکھا کر انھیں زرخیز قطعوں میں بدلنے لگا۔ اور اب پھر یہ دونوں شام کی خاموشیوں میں ملا کرتے اور اس زمین پر سٹرگشت کرتے جہاں ان کی محنت صرف ہوئی تھی۔

گالینا اب بھی سوروں کا پالن پوسن کیا کرتی تھیں۔ ان کا مقولہ تھا: ''میں دکھاوے کے لئے کام نہیں کرتی بلکہ اس میں پوری طرح اپنا تن من لگا دیتی ہوں۔،، تخلیقی کام کا راز یہی ہے کہ اس میں آدمی دل و جان سے جٹ جاتا ہے۔

اس کا اندازہ عالمی ٹریڈیونین فیڈریشن کے خبرنامے ''لاپریس سنڈیکال،، کے پیش کئے ہوئے اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے:

سماجی زندگی میں عورتوں کا حصہ

سوویت یونین

۳ انجنیروں میں ایک انجنیر عورت ہے۔
۵ ڈاکٹروں میں ایک ڈاکٹر عورت ہے۔
۳ پارلیمنٹ کے ممبروں میں ایک ممبر عورت ہے۔

امریکہ

۱۰۰ انجنیروں میں ایک انجنیر عورت ہے۔
۱۴ ڈاکٹروں میں ایک ڈاکٹر عورت ہے۔
۳۷ پارلیمنٹ کے ممبروں میں ایک ممبر عورت ہے۔

فرانس

۲۰ انجنیروں میں ایک انجنیر عورت ہے۔
۱۰ ڈاکٹروں میں ایک ڈاکٹر عورت ہے۔

۶۰ پارلیمنٹ کے ممبروں میں ایک ممبر عورت ہے۔

گالینا سوروں کے ایک بڑے گلے کی نگراں تھیں۔ پارلیمنٹ کے اجلاس کے بعد وہ اپنے گاؤں واپس آتیں اور نازک اونچی ایڑی کے جوتے اتارکر ربر کے لمبے بوٹ پہن لیتی تھیں... جب گالینا پہلی بار چند روز کےلئے کسی کام پر باہر جانے لگیں تو ان کی قائم مقام نے گڑگڑا کر مزید امداد مانگی: ''مجھ اکیلی سے یہ کام بالکل نہیں سنبھلےگا۔ مجھے ایک اور آدمی دو۔ '' تب پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ گالینا دو آدمیوں کے برابر کام کرتی ہیں۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ مجھے رپبلک کی پارلیمنٹ کا امیدوار نامزد کیا جا رہا ہے۔ میں مویشیوں کے علاج کے اسکول کا امتحان دینے کےلئے بیگوسوف آئی ہوئی تھی۔ وہاں مجھے تار ملا۔ اس میں لکھا تھا کہ میرے ساتھ کام کرنےوالے درخواست کرتے ہیں کہ میں پولوتسک انتخابی حلقے سے امیدوار کھڑی ہوں۔ اس وقت میری عمر ۲۴ سال کی تھی۔ ''

گالینا کو ووٹروں سے اپنی پہلی ملاقات ابھی تک یاد ہے۔ وہ ایک ایسے گاؤں میں ہوئی تھی جہاں مشکل سے کوئی انہیں جانتا تھا۔ ان کا تعارف کرنے کےلئے ایک خاتون انستاسیا شوبیلووا مقرر کی گئیں جو ریاستی فارم میں مویشیوں کی ماہر تھیں۔ جب یہ دونوں ووٹروں کے پاس آئیں تو نہ جانے کیوں سب ہی نے سوچا کہ امیدوار یہ شرمیلی لڑکی نہیں جو اسکول کے ڈیسک پر زیادہ بےتکلف دکھائی دے سکتی ہے، بلکہ سنجیدہ اور قابل‌اعتماد نظر آنےوالی انستاسیا ہیں۔ جب گالینا اپنی تقریر ختم کر چکیں تو لوگ ان کے آس پاس جمع ہو گئے اور سوالوں کی بوچھار کر ڈالی۔ آخر میں انہیں متفقہ طور پر امیدوار نامزد کر لیا گیا۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ مستعد اور معاملہ فہم ہیں۔

ابھی کچھ دن ہوئے بیلوروس کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے گالینا نے لیگ کی کئی شاخوں سے خطاب کیا۔ ہر جگہ انھوں نے بتایا کہ بیلوروس کے نوجوانوں کی زندگی میں کیا کیا نئی تبدیلیاں ہوئی ہیں، وہ کن کن نئی تعمیرات میں حصہ لے رہے ہیں اور کس طرح وہ زمین سدھارنے میں مشغول ہیں۔ انھوں نے اپنے وطن کی عظمت کے ساتھ وفاداری کی بیلوروسی نوجوانوں کی روایتوں کا ذکر کیا۔ اور ظاہر ہے رپبلک کے ان اہم مسائل پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی جن کے حل میں وہ پارلیمنٹ کے ممبر کی حیثیت سے ذاتی طور سے حصہ لیتی ہیں۔

یوں کہنا چاہئے کہ گالینا نوجوان کمیونسٹ لیگ کی ''شاگرد،، ہیں۔ اور لیگ کے ممبر انھیں پارلیمنٹ میں اپنا ہی نمائندہ تصور کرتے ہیں۔ گالینا لوگونووا کے بارے میں اور بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ ابھی ابھی انھیں نیا کام ملا ہے — ''پولوتسکئی،، ریاستی فارم کی ڈائرکٹری۔ یہ کمیونسٹ تعمیرات میں ان کی ایک اور دین ہوگی۔

ان سے آخری سوال کیا گیا: ''گالینا، تمھاری سب سے عزیز تمنا کیا ہے؟،،

''انقلاب کے وقت اور خانہ‌جنگی کے زمانے میں عوام نے ان لوگوں کو اقتدار سونپا تھا جنھوں نے انتہائی بہادری اور ثابت قدمی دکھاکر کمیونزم کے نصب العین سے اپنی وفاداری ثابت کی تھی۔ چنانچہ برگیڈ کے کمانڈر عوامی کمیسار بنے، بودینی کے گھوڑ سواروں کو پنچائتی فارموں کی صدارت ملی اور سرخ سپہ سالار سفیروں کی کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ اور وہ سب کے سب بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو ''محنت کشوں کے فرزند،، کہا کرتے تھے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی ان جیسی بنوں۔،،

از: لیف کورنیشوف

بیسویں
صدی کا
پیشہ

یہ تھی کہ انھوں نے زندگی بھر کےلئے لاری ڈرائیوری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔

میخائیل نے اپنے کام کی ابتدا کروپوتکنسکایا بند سے کی جہاں ماسکو دریا کے کناروں کو ہموار کیا جا رہا تھا۔ یہاں ڈرائیوروں کا کام نہ صرف محنت طلب تھا بلکہ اس کےلئے مہارت اور صحت کی بھی ضرورت تھی۔ لاریاں اوپر تک ملبے سے بھری ہوئی ہوتیں اور انھیں عین دریا کے کنارے لےجاکر ملبے کو پانی میں گرانا پڑتا تھا۔ میخائیل بھی دوسرے ڈرائیوروں کی طرح پھرتی اور قابلیت سے کام کرنا چاہتے تھے لیکن یہ بھول گئے تھے کہ ان کا تجربہ صفر کے برابر ہے۔ چنانچہ دس دن کے بعد معلوم ہوا کہ نوجوان ڈرائیور اتنا پیٹرول پھونک چکا ہے جو دو لاریوں کےلئے کافی ہوتا۔

آج تک میخائیل کو ان تجربےکار ڈرائیور کا نام یاد ہے جو بغیر پوچھے خود ہی گھنٹوں تک ان کے انجن کو دیکھتے رہے، آگ پکڑنےوالے پرزے کو ٹھیک کیا اور نئے ڈرائیور کی غلطی بتائی۔ یہ تھے الکسئی سوروچکا۔

میخائیل بڑے فخر سے کہتے ہیں: ”میں خوش قسمت ہوں کہ اپنی زندگی میں مجھے ہمیشہ نیک دل لوگ ملے، حالات چاہے اچھے ہوں یا برے۔ خاص طور پر مشکلات کے وقت وہ بہت کام آئے۔“

لیکن یہ قسمت کی بات نہیں تھی کہ میخائیل کو ایسے لوگ ملتے رہے۔ اس کا انحصار بڑی حد تک خود اپنے اوپر ہوتا ہے۔ میخائیل پری‌ستاوکا ایک ایسے انسان ہیں جو اپنی پہل پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ مسلسل ردعمل کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو اپنے سے بہتر خیال کرتے ہیں اور ان جیسے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ جب دن بھر کا کام ختم کرکے وہ اپنی لاری ڈپو میں لا رہے تھے تو لاؤڈ اسپیکر پر اپنا نام سنا۔ اعلان کرنےوالا کہہ رہا

تھا کہ اس دن سب سے اچھا کام الکسئی وروخوپکا اور میخائیل پریستاوکا نے کیا ہے۔

جلد ھی دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔ اور وہ آپس میں مقابلہ کرنے لگے کہ کون دن میں سب سے کم پیٹرول صرف کرکے سب سے زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔ اس پر ان میں خوب بحثیں بھی ھوتی تھیں۔ لفظ ''مقابلے،، سے غلطفہمی نہیں ھونا چاھئیے، اس لئے کہ مقابلے نے ان کے درمیان فاصلہ نہیں بڑھایا بلکہ مشترکہ کوششوں کی بدولت وہ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ ان کے نزدیک مقابلے کا مطلب تھا دوستی اور باھمی امداد۔ اور یہ امداد نہ صرف قریبی دوستوں کو بلکہ سب ساتھ کام کرنےوالوں کو دی جاتی تھی۔ یہ بات قابل تعریف و ستائش ھے کہ ۲۰ برس پہلے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران میخائیل جن اصولوں پر کاربند تھے آج بھی وہ ان پر عمل پیرا ھیں۔

ماسکو کے بالکل ایک سرے پر رھائشی عمارتوں کے بلاک نمبر ۳۸ — ۳۷ تھے۔ اگر صحیح کہا جائے تو یہ عمارتیں تعمیر نہیں ھوئی تھیں بلکہ ابھی ان کے نقشے صرف ڈرائنگ بورڈ پر نظر آتے تھے۔ جہاں شاھراہ لینن ختم ھوتی ہے وھاں فقط آھستہ آھستہ چلتی ھوئی لاریوں اور ٹرکوں کی لمبی قطار ھی نظر آتی تھی۔

جائے تعمیر پر سب سے پہلے نہ عمارت کی بنیاد تعمیر کرنے کی ضرورت تھی اور نہ زمین کھودنے کی مشینوں اور کرین کی۔ کرین جو کئی ٹن وزنی کنکریٹ کی سلیں کھلونے کی طرح ھوا میں اٹھا لیتی ھیں خاص لاریوں کے ذریعے وھاں لائی جاتی تھیں۔

اب تو رھائشی عمارتوں کے بلاک نمبر ۳۸ — ۳۷ کافی مشہور ھو چکے ھیں۔ سوویت یونین میں اور بیرونی ٹکنیکی رسالوں میں بھی ان پر بےشمار مضمون شائع ھوئے ھیں۔ اور جدید تعمیری تجربے کی بہترین مثال کے طور پر انھیں نصابی کتابوں میں شامل کیا گیا ہے۔

تعمیر کے سارے کام کی ابتدا اندرونی سڑکوں سے ہوئی۔ اس وقت جب کوئی بھی عمارت کھڑی نہیں ہوئی تھی پہلے مختلف سمتوں میں سڑکیں اور روشیں بنائی گئیں۔ اسفالٹ کی ان پٹیوں سے پتہ چلتا تھا کہ مستقبل میں رہائشی مکان کس کس جگہ ہوں گے۔ نیو ڈالنے سے پہلے لاریاں لوہے کی سلاخوں اور کنکریٹ کے بنے ہوئے بڑے بڑے ستون لاتی رہیں۔ ان ھی سے عمارتوں کی بنیاد ڈالی گئی۔

پہلی عمارت کی بنیاد ڈالنے کے بعد لاریوں اور ٹرکوں کے آنے جانے کا سلسلہ بندھ گیا۔ غور سے مشاھدہ کرنے والا دیکھ سکتا تھا کہ ان کی آمدورفت میں ایک خاص موزونیت ھے۔ فلیٹوں کی ان پندرہ عمارتوں کی تعمیر میں چار مہینے صرف ہوئے۔ اس تمام عرصے میں تعمیر کے ٹائم ٹیبل میں ایک دفعہ بھی گڑبڑ نہیں ہوئی جو عام طور پر ھر ایسی جائے تعمیر پر ھوتی ھے، جہاں کام تنظیم کے تحت کیا جاتا ھے۔ یہاں لاریاں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچتی تھیں۔ ان کی رفتار نہ تیز ھوتی تھی اور نہ سست۔

انجنیروں نے تعمیری کام شروع کرنے سے بہت پہلے ھر لاری کے لئے تفصیلی نقشہ اوقات تیار کر لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمارت کے ھر حصے کو جائے تعمیر پر بالکل صحیح وقت پر پہنچنا چاھئے۔ مثلاً ٹھیک آٹھ بجے لاریاں فاصلی دیواریں لاتی تھیں، تین منٹ کے بعد تیار کھڑکیاں اور پھر ایک منٹ بعد فرش کے لئے کنکریٹ کی سلیں۔ ایک بڑے شہر میں اور خاص کر ایک وسیع وعریض ملک کے دارالخلافے میں منٹ اور سکنڈ کے حساب سے کام کرنا تقریباً ناممکن معلوم ھوتا ھے۔ یہ ڈرائیوروں اور انجنیروں دونوں کے لئے مشکل تھا۔ معماروں کے لئے پابندی اوقات کی بے حد اھمیت تھی۔ اس کے بغیر عمارت کھڑی کرنے کے لئے اس کے بے شمار حصوں کو بلاخلل اور باقاعدہ جوڑنا ان کے بس سے باھر تھا۔

کارخانے جو عمارتوں کے لئے آھن بستہ کنکریٹ کے حصے تیار

کرتے ہیں تمام ماسکو میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لاریاں تیرہ میل سے فرش کےلئے سلیں، چھ میل سے نیو کےلئے ستون اور دس میل سے بلاک لایا کرتی تھیں۔ انہیں گھماگھمی والے ماسکو شہر کی سڑکوں کے جال سے گزرنا پڑتا اور ٹریفک کی درجنوں روشنیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ عام ٹیلیفون عملاً استعمال کےلئے بے سود تھے۔ چنانچہ اپنا الگ ریڈیو اسٹیشن نصب کیا گیا، جس کا اشاریہ نام تھا ''کھڑی چٹان،،۔ جائے تعمیر سے ریڈیو آپریٹر عمارت کے حصے بنانےوالے مختلف کارخانوں سے مخاطب ہوتا تھا:

''۴۰ منٹ میں ہمیں بلاک چاہئے اور ایک گھنٹے میں زینہ۔،،

اور کارخانے سے جواب ملتا:

''بلاک روانہ کردئے گئے ہیں۔ زینہ پندرہ منٹ میں لاریوں پر لاد دیا جائےگا۔،،

یہ ایک ایسی غیرمعمولی اور انتہائی منظم جائے تعمیر تھی جہاں ہنگاموں اور شوروشغب کا نشان تک نہیں تھا، اور نہ آس پاس تعمیری سامان کے ڈپو تھے۔

اسے بہت زمانہ نہیں گزرا جب کوئی نگران تعمیر کا منصوبہ پورا کرنے میں دیر کرتا تھا تو اسے اس قسم کا لکچر پلایا جاتا تھا:

''کفایت شعار آدمی کیسے کام کرتا ہے؟ پہلے وہ لکڑی اور شیشے کے آخری تختوں سمیت تمام تعمیری سامان اکھٹا کرتا ہے۔ پھر فورمینوں اور مزدوروں کو بلاتا ہے۔ اس طرح دو برس سامان جمع کرنے میں اور ایک برس اصل تعمیر میں صرف ہوتے ہیں۔،،

اس جائےتعمیر پر نہ ہی سامان تھا اور نہ کسی قسم کے ڈپو اور گودام۔ اگر کوئی فورمین عمارت کے حصے جمع کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی خوب خبر لی جاتی تھی۔ سامان کے ڈپو بس ''پہیوں،، پر ہوتے تھے۔ اور یہ پہیے عین اس لمحے عمارت کے وہ حصے اس جگہ پہنچا دیتے تھے جہاں ان کی معماروں کو ضرورت ہوتی تھی۔

یہ جادو کا کھیل سا معلوم ہوتا تھا۔ جائے تعمیر صاف ستھری نظر آتی تھی۔ مزدوروں کو کام کرتے وقت راستوں میں رکاوٹیں نہیں ملتی تھیں۔ تعمیر کے اس طریقے سے پیسے کی بھی بہت بچت ہوتی تھی۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں تھی کہ پہلے کرین لاری سے سامان اٹھائیں اور پھر ایک گھنٹے اور بعض وقت ایک ہفتے کے بعد اسے ضروری جگہ پر منتقل کیا جائے۔ پختہ سڑکوں کو دعائیں دیجئے کہ ڈرائیور اپنی لاری کو ٹھیک اس مقام پر لے آتا جہاں سے کرین چلانے والا سہولت کے ساتھ سامان اٹھاکر منتظر معماروں کے حوالے کر دیا کرتا تھا۔ اس طرح لاری سے براہ راست عمارتوں کے حصے اٹھائے جاتے تھے۔

یہی وہ جائے تعمیر تھی جہاں لوگوں نے لاری ڈرائیوروں کے اہم رول کا پوری طرح اندازہ لگایا۔ اور اسی جگہ لاری ڈرائیوروں نے پہلی بار معماروں کو بڑے بڑے رہائشی مکان بنانے میں براہ‌راست مدد دی۔

عام طور پر سنیچر کو کام کا دن چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک سنیچر کو میخائیل کو اچھا موقع مل گیا۔ ان کے کام کا پلان ایسا تھا کہ وہ تین بجے کام سے فارغ ہو جائیں۔ پھر وہ خاندان سمیت جنگل کی سیر کر سکتے تھے۔

انھوں نے آخری بار کنکریٹ کے بلاک پہنچا دئے۔ معمار انھیں ٹھیک جگہ پیوست کرنے لگے۔ میخائیل نے شہر کا رخ کیا تاکہ لاری کو ڈپو میں کھڑی کریں اور منہ ہاتھ دھوکر گھر روانہ ہوں۔

لیکن آدھے گھنٹے کے بعد وہ پھر جائے تعمیر پر موجود تھے۔ اس بار ان کے ساتھ دوسرا سامان تھا۔

ہوا یہ کہ شاہراہ لینن اور شاہراہ لوسونوسوف کے چوراہے پر ان کی نظر ایک لاری پر پڑی جو بےبسی کے عالم میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ٹریلر پر بھاری ستون لدے ہوئے تھے اور ڈرائیور مایوسی سے انجن کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

میخائیل نے پہلے ھی موڑ پر اپنی لاری روک دی اور باھر نکل کر پوچھا:

''کیا گاڑی کے چلنے میں بہت دیر لگےگی؟،،

ڈرائیور نے چڑچڑاھٹ سے جواب دیا: ''خدا ھی بہتر جانتا ھے،،۔

میخائیل پری‌ستاوکا نے فوراً سوال کیا: ''کیا ۲۷ وین بلاک جا رھے ھو؟،، اور جواب سن کر کہا:

''اچھا تو اپنے ٹریلر کو الگ کر دو۔ اسے میں اپنی لاری سے باندھ کر لے جاؤں گا۔ ،،

میخائیل اس ڈرائیور کا نام تک نہیں جانتے تھے اور نہ ھی انھوں نے اس کی صورت اچھی طرح دیکھی تھی۔ لیکن وہ اس کی اور جائےتعمیر کی مدد کرنے کےلئے تیار ھو گئے۔

جب وہ جائے تعمیر پہنچے اور فورسین نے غیرمعمولی لاری دیکھی تو وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اور میخائیل کے پاس آکر مسکراتے ھوئے کہنے لگا:

''تم نے ھمیں بچا لیا! مزدوروں نے ابھی ابھی آخری ستون نصب کیا ھے۔ میں سوچ رھا تھا کہ اب سارا کام ٹھپ ھو گیا۔ فیکٹری کو فون کیا۔ پھر فیصلہ کیا کہ خود جاؤں اور دیکھوں کیا معاملہ ھے۔ لاری کہاں پھنس گئی ھے؟،،

میخائیل اس واقع کو بالکل بھول گئے۔ لیکن فورسین نے اسے یاد رکھا اور اچھے کام کا اچھا ھی صلہ دیا۔

تب گرمی کا موسم تھا اور اب سردیوں کا۔ فروری میں دو دن تک برف کا شدید طوفان جاری رھا۔ لاریوں کےلئے ایسا خراب موسم اور بھی مصیبت بن جاتا ھے جب ان پر لمبی اور بھاری چیزیں لدی ھوئی ھوں۔ میخائیل پری‌ستاوکا شاھراہ سچیلکوفسکی سے گزر رھے تھے کہ انھیں اپنی لاری کھڑی کرنی پڑی۔ ان کے سامنے تقریباً دو درجن

لاریاں برف میں پھنسی ہوئی تھیں ۔ آگے موڑ کے قریب برف اتنی زیادہ تھی کہ گاڑیاں ایک انچ بھی نہیں ہل سکتی تھیں۔ دس منٹ کے اندر اندر برف میں پھنسی ہوئی لاریوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی ۔ ڈرائیور تنگ آ کر سڑک پر جمع ہو گئے ۔ گرتی ہوئی برف سے بچنے کے لئے وہ آگے کو جھک کر کھڑے ہو گئے اور چلا چلا کر بحث کرنے لگے کہ اس مصیبت کا ذمےدار کون ہے ۔

میخائیل پری‌ستاوکا نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا اور قریب ھی ایک جائے تعمیر کی طرف لپکے جہاں روشنی کے مینار کی طرح ایک اونچے کرین کی چوٹی پر قمقمے چمک رہے تھے اور دور دور تک نظر آتے تھے ۔ گہری برف میں دقت سے قدم بڑھاتے ہوئے وہ جائے تعمیر پر پہنچے اور بلڈوزر چلانےوالے سے درخواست کی :

”بھائی، کیا تم ہماری مدد نہیں کروگے؟ بس تھوڑا ھی وقت لگےگا ۔ ھمیں دیر ھو گئی ھے اور جائے تعمیر پر ھمارا انتظار ھو رھا ھے ۔ ھمیں وھاں فوراً آھن‌بستہ سلیں پہنچانا ھے ۔ “

بلڈوزر ڈرائیور جو ایسی بات سننے کےلئے بھی تیار نہیں تھا بولا :

”میرے پاس خود اپنا کام بہت زیادہ ھے ۔ ذرا دیکھو یہاں کتنی برف اٹی پڑی ھے ۔ “

میخائیل نے دیکھا کہ ایک شخص ان کی جانب آ رھا ھے ۔ فورمین کے علاوہ یہ اور کون ھو سکتا ھے ۔ ان لوگوں کو آپ ایک ھی نظر میں بھانپ سکتے ھیں ۔ یہ ھر موسم میں کام کرتے ھیں ۔ جاڑوں کے جھکڑ انھیں منجمد کر دیتے ھیں، گرمیوں کی دھوپ انھیں جھلس ڈالتی ھے اور تند ھوائیں ان کا رنگ سانولا کر دیتی ھیں ۔ فوراً فیصلہ کرنے اور اپنے اوپر تمام ذمےداری لینے کے سبب ان میں خود اعتمادی اور عزم پیدا ھو جاتا ھے۔ یہ آپ فورمین کی چال سے دیکھ سکتے ھیں۔

”کامریڈ فورمین! “ میخائیل نے التجا کے انداز میں شروع کیا ۔

جب ایک لاری ڈرائیور برف کے سخت طوفان میں بلڈوزر کے قریب کھڑا ھوا ملتجی نگاھوں سے دیکھ رھا ھو تو یہ قیاس کرنا مشکل نہیں ھے کہ یہ کس قسم کا آدمی ھے اور کیا چاھتا ھے۔

فورمین نے میخائیل کو اچھی طرح دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی اور بات کاٹتے ھوئے کہا:

''یہ بالکل ناممکن ھے۔ ھمارے پاس اپنی ھی سڑک صاف رکھنے کے لئے کافی کام ھے۔ ،،

میخائیل نے ھمت نہیں ھاری اور وہ فورمین کے پیچھے پیچھے چلتے رھے۔ اور جب ان کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا تو بولے: ''تمہارا رویہ غیر رفیقانہ ھے!،،

فورمین ایک دم رک گیا اور مڑکر تہمت تراشنے والے کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر یکایک اس کے چہرے پر مسکراھٹ دوڑ گئی۔

اس نے بلڈوزر ڈرائیور کو سر سے اشارہ کیا: ''واسیلی چلاؤ اسے،،۔ پھر میخائیل سے مخاطب ھوا: ''واہ، تم مجھے بھول گئے؟ یاد ھے گرمیوں میں ھماری مڈ بھیڑ ھوئی تھی ۳۷ ویں بلاک پر۔ تم کسی دوسرے ڈرائیور کے آھن بستہ ستون لائے تھے۔ تم نے وقت پر ھمیں بچا لیا۔ اگر چند منٹ اور گزر جاتے تو ھمارے پورے پروگرام کا بیڑہ غرق ھو جاتا! ھم اپنا کام وقت پر ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن دیر ھوتی جا رھی تھی،،...

سڑک صاف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی بلڈوزر چلانےوالا واسیلی اپنے کام میں ماھر تھا۔ اس نے یہ کام جلد ھی ختم کر لیا۔ اب لاریوں کی قطار پھر سڑک پر چل رھی تھی۔ میخائیل پریستاوکا لاری چلانے کا پہیہ مضبوطی سے تھامے ھوئے سامنے دھندلی سڑک کو غور سے دیکھ رھے تھے اور اپنے خیال پر مسکراتے جاتے تھے: اگر لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں تو مشکل راستہ بھی آسان ھو

جاتا ہے۔ اس مرتبہ پھر اچھے کاموں کے ''مسلسل ردعمل،، نے اپنا مظاہرہ کیا۔

انسان میں اس کی اپنی خصوصیات کس وقت پیدا ہوتی ہیں؟ آدمی پیدائش سے نہیں بلکہ اپنی عمر کی کسی منزل میں پہنچ کر سخی بن جاتا ہے یا کنجوس، سست یا محنت پسند۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تین برس کی عمر میں کردار ڈھل جاتا ہے۔ اور ایک روسی کہاوت یہ ہے کہ کتنی ہی کھاد ڈالی جائے اور کتنا ہی پانی استعمال ہو، ناشپاتی کا درخت سیب کے درخت میں نہیں بدلتا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ زندگی ایک ایسی یونیورسٹی ہے جہاں تعلیم کبھی ختم نہیں ہوتی۔ وہ ایک سال کے بچے سے لے کر سو سال کے بوڑھے تک سب کو سکھاتی ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی بدنصیب ہے جو زندگی سے سیکھنا نہیں چاہتا — صرف الجبرا ہی نہیں بلکہ انسانی تعلقات کے بارے میں بھی، صرف ادب ہی نہیں بلکہ رفاقت کی شادمانیوں کے متعلق بھی۔

میخائیل پری‌ستاوکا نے جنگ سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ نوجوان جنھیں پچھلی جنگ کا علم بس عام کتابوں اور فلموں کے ذریعے سے ہوا ہے شاید یہ سن کر مایوس ہوں کہ جنگ کے پورے چار برسوں میں میخائیل پری‌ستاوکا نے ایک بار بھی گولی نہیں چلائی۔ لیکن اگر وہ ایسی کتابیں پڑھیں جو پچھلی جنگ میں موٹر ڈویژن کا رول بتاتی ہیں اور جنگ کے سخت‌ترین زمانے میں ان کی بہادری کو سراہتی ہیں تو یہی نوجوان پھر اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جائیں‌گے۔

جنگ کے وقت ڈرائیور پہلے لام‌بند کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ میخائیل پری‌ستاوکا بھی محاذ پر چلے گئے۔ انھیں بندوق ضرور ملی لیکن اس سے پہلے ایک ٹرک ان کے حوالے کردی گئی۔ جنگ کے دوران یہ بندوق ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ وہ اسے وقتاً فوقتاً صاف بھی کرلیا کرتے تھے لیکن اس کے استعمال کا کبھی موقع نہیں ملا۔

میخائیل فاشستوں کے خلاف دوسرے ہتیار سے لڑے۔ یہ تھی ان کی ٹرک۔ اسے وہ چوڑی شاہراہیں ہوں یا ناقابل گزر جنگل، دن ہو یا رات، جھلسنے والی گرمی ہو یا سخت پالا، عقب کی خاموشی ہو یا محاذ کے نزدیک گولیوں کی تڑتڑاہٹ برابر چلاتے رہے۔

پوری جنگ کے دوران میں انھوں نے کتنے میل گاڑی چلائی، اس کا حساب لگانا مشکل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جنگ کے شروع میں وہ ماسکو سے روانہ ہوئے اور خاتمے پر برلن پہنچے تو اس سے پتہ نہیں چلتا کہ اس درمیان میں وہ کہاں کہاں گھومے۔

ڈرائیوری کے تمام اسکولوں میں یہ اصول ضرور سکھایا جاتا ہے: ہمیشہ اپنی نظر سڑک پر رکھو۔ لیکن جنگ کے زمانے میں گاڑی چلاتے وقت ڈرائیور کو نہ صرف زمین بلکہ آسمان پر بھی نظر رکھنا پڑتی تھی اس لئے کہ خطرہ زیادہ تر سر کے اوپر منڈلاتا تھا۔

سوویت ڈرائیوروں نے جلد ہی فاشست ہوائی جہازوں کو جل دینا سیکھ لیا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، ان کی رفتار معلوم کی جا رہی ہے اور بمباری کا نشانہ بنانے کےلئے لاریوں کی شست لی جا رہی ہے۔ لیکن بظاہر وہ بےتعلقی سے اسی رفتار پر گاڑی چلاتے رہتے تھے۔ لیکن جوں ہی انھیں جہاز سے سیاہ نقطہ نیچے اترتا ہوا دکھائی دیتا وہ فوراً بریک لگا دیتے تھے۔ چنانچہ بم ان سے آگے سڑک پر گرکر پھٹتا اور وہ بچ جاتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بم زمین پر گرنے سے عین پہلے ڈرائیور بڑی تیزی سے موڑ کر ٹرک سے خندق کے اوپر چھلانگ لگاتے تھے۔ ایسے داؤں پیچ کھیلنے کےلئے آدمی کو انتہائی ماہر اور پرسکون ہونے کی ضرورت تھی۔

فوجی ڈرائیوروں کو کبھی آرام نصیب نہیں ہوا۔ لڑائیوں کے وقت وہ محاذ پر گولہ بارود پہنچانے میں مصروف رہتے۔ اور جب

2—328

لڑائی رک جاتی تو فوج کو کھانے پینے کی چیزیں فراہم کرتے تھے۔ اور سڑکیں کبھی بھی محفوظ نہیں ہوتی تھیں۔

جب میخائیل پری‌ستاوکا عام لاری کے بجائے پیٹرول‌بردار ٹرک چلانے لگے تو یہ ان کےلئے بڑی تبدیلی تھی۔ جنگ کے زمانے میں روزبروز پیٹرول کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ تمام محاذوں پر زیادہ سے زیادہ ٹینک اور ہوائی جہاز بھیجے جا رہے تھے۔ ان سب کو ایندھن کی ضرورت تھی۔ میخائیل کی ٹرک مسلسل پیٹرول کے ذخیروں سے ہوائی اڈوں تک چکر لگایا کرتی تھی۔ اسے ان راستوں پر سے گزرنا پڑتا تھا جہاں دشمن کے ہوائی جہاز برابر بم برساتے رہتے تھے۔ ایک اور دشواری یہ تھی کہ لڑائیوں میں فتوحات کے ساتھ ساتھ محاذ آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پیٹرول کی ٹرکیں اور زیادہ فاصلے طے کریں۔

میخائیل پری‌ستاوکا نے برلن تک سفر کیا۔ لیکن وہاں وہ پیٹرول نہیں لائے۔ یکم مئی ۱۹۴۵ء کو جب ہارے ہوئے فاشست جرمنی کی راجدھانی میں ان کی لاری داخل ہوئی تو وہ کھانے پینے کی چیزوں سے لدی ہوئی تھی۔ اور یہ سب برلن کی بھوکی آبادی کےلئے تھا۔

ان کی گاڑی انجانی سڑکوں پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی جہاں ہر چوراہے پر سوویت سپاہی ٹرافک کی نگرانی کر رہے تھے۔ چاروں طرف بمبارشدہ عمارتوں کے کھنڈرات سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ لوگ سڑکوں کو ملبے اور ٹوٹی پھوٹی اشیا سے صاف کرنے میں مصروف تھے۔

ڈرائیور میخائیل ہمیشہ اپنے آپ کو ایک معمار تصور کرتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ ایک عمارت کھڑی کرنے میں سیکڑوں لوگوں کی محنت اور پسینہ صرف ہوتا ہے۔ انھوں نے پوری جنگ گولہ بارود اور پیٹرول منتقل کرنے میں گزاری تھی تا کہ کرۂارض کو امن ملے اور اس پر پرامن تعمیر شروع ہو۔ جنگ نے انھیں امن

کی بھرپور قیمت بتائی تھی۔ جنگ ھی نے انھیں خطروں سے آزاد سڑک کے صحیح معنی سمجھائے تھے جس پر وہ گامزن ھوکر پھر پرامن کام کی خوشی سے سرشار ھوں گے۔ یہ سوچ سوچ کر ان کا دل جذبات سے لبریز ھو رھا تھا اور وہ چلانا چاھتے تھے: اب ھر طرف دنیا میں تعمیر ھی تعمیر کا شور سنائی دے!

اب ان کے سامنے جو راستہ تھا وہ انھیں گھر کی جانب لے جاتا تھا۔ برلن سے وہ اودیسہ پہنچے۔ یہاں آس پاس کے ضلعوں میں فصل کی کٹائی ھو رھی تھی۔ کچھ دنوں تک وہ اپنی فوجی ٹرک میں گاھنے کے فرش سے اناج بھربھر کر ایلی‌ویٹر پہنچاتے رھے۔

۱۹۴۵ء کی آخری رات کو میخائیل پری‌ستاوکا ماسکو پہنچے اور کیئف ریلوے اسٹیشن سے سیدھے اپنے گھر آئے۔ خاندان کے سب لوگ جاگ گئے۔ ان کی بیوی خوشی کے مارے رونے لگیں۔ سات سالہ بیٹا ولودیا جو اب بڑا ھو گیا تھا اور کافی بدل چکا تھا گھور گھور کر نووارد کو دیکھنے لگا گویا باور کرنا چاھتا ھے کہ وہ واقعی اس کا باپ ھے۔ پھر ناراضگی سے بولا:

"آپنے گھر لوٹنے میں اتنے دن کیوں لگائے؟"

چند دن آرام کرنے کے بعد میخائیل پھر اپنے موٹر ڈپو میں موجود تھے۔ ساتھیوں نے گرمجوشی سے ان کا خیرمقدم کیا:

"خاندان میں ایک اور اضافہ ھو گیا۔"

...اگر آپ فن‌تعمیر کی تاریخ سے واقف ھونا چاھتے ھیں تو کتابیں پڑھنے سے بہتر ھے کہ عمارتوں پر نظر ڈالیں۔ انھیں دیکھتے ھوئے سڑک پر چلنا ایسا ھی ھے جیسا کتاب کے ورق الٹنا۔ ایک سڑک سے دوسری سڑک تک آپ کو دس مختلف تاریخی دور مل سکتے ھیں۔ ایک عمارت کے سامنے کبھی پوشکن چہل‌قدمی کیا کرتے تھے، دوسرا مکان پچھلی صدی کے آخر میں ایک دولت‌مند تاجر نے بنایا تھا، تیسرے کی تعمیر پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران ھوئی تھی اور یہ چوتھی

عمارت راهگیروں کی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو رہی ہے۔ پہلی تین عمارتیں بنانے میں دو یا دو سے زیادہ سال لگے تھے اور یہ چوتھی عمارت تین هفتوں میں تیار ہو جائےگی اور ایک مہینے کے اندر گھر کی مالکنیں نئے فلیٹوں میں پردے لٹکاتی ہوئی دکھائی دیں‌گی۔

صدیاں گزر گئیں لیکن فن تعمیر کی ٹکنیک میں زیادہ تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ صرف بیسویں صدی سے، اور اگر ٹھیک کہا جائے تو دوسری عالمی جنگ کے بعد سے عمارتیں تعمیر کرنے کے تصور میں ایک انقلاب برپا ہوا جو آج بھی جاری ہے۔

جدید تعمیر میں انقلابی ٹکنیکی تبدیلیوں کے متعلق نصابی کتابوں سے بہتر ایک ٹرک ڈرائیور بتا سکتا ہے جو جائےتعمیر پر مکانوں کے حصے لاتا ہے۔

میخائیل پری‌ستاوکا نے اپنی لاری پر جتنی اینٹیں ڈھوئی ہیں ان کا شمار کروڑوں ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ پھر وہ پلاسٹر کی سلیں لے جانے لگے جو پہلی بار ۱۹۴۷ء میں سوکولینی کی پہاڑیوں پر ایک عمارت کھڑی کرنے میں استعمال ہوئی تھیں۔ اس کے بعد کنکریٹ کے بڑے بڑے بلاکوں — دیوقامت ”اینٹوں،، کی باری آئی۔ ایسی چار اینٹوں سے کمرے کی ایک دیوار بنائی جا سکتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے شیشےدار دوہری کھڑکیوں‌والی پوری کی پوری دیوار لے جانا شروع کردی۔ اور اب وہ کارخانے سے دو کھڑکیوں‌والی دیوار براہ‌راست جائے تعمیر پر پہنچاتے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے نصب کی جا سکتی ہے۔ ان کی طاقتور لاری ”ماز،، (M A Z) بہ‌آسانی آھن بستہ کنکریٹ کی چار سلیں ماسکو کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لے جا سکتی ہے۔ واقعی یہ کرتب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ان کا وزن ساڑھے ۱۲ ٹن سے کم نہیں ہوتا! ان کی لاری پر ایک پورا کمرہ لادا جا سکتا ہے جس میں کاغذ سے آراستہ دیواریں، چھت اور لکڑی کا فرش سب شامل ہوتے ہیں۔ لوگوں کے رہنے

کےلئے وہ فوراً تیار کیا جا سکتا ہے ۔ آج کل ایسے ہی تیارشدہ کمروں سے رہائشی مکان تعمیر کئے جاتے ہیں ۔ نوویئے چیریوسوشکی محلے میں ایک مکان اسی طرح بنایا گیا ہے ۔

ان نئے تعمیری طریقوں کی بدولت بیس برس سے کم عرصے میں شہر ماسکو تین گنا بڑھ گیا ہے ۔

میخائیل پری‌ستاوکا ''نئے،، ماسکو کے متعلق بہت کچھ بتا سکتے ہیں ۔ یہاں مشکل ہی سے ایسی کوئی عمارت ہوگی جس کی تعمیر میں ان کا ہاتھ نہ ہو ۔

جنگ کے بعد سب سے پہلا بڑا تعمیری منصوبہ میٹرو اسٹیشن ''سوکل،، کے قریب پورا کیا گیا تھا۔ میخائیل یہاں اینٹیں، گارا چونا اور ریڈیئیٹر لاتے تھے اور مٹی لاد کر لے جاتے تھے ۔ پھر تعمیری سامان سے لدی ہوئی ان کی لاری کو گورکی سڑک پر دیکھا گیا جہاں مرکزی ڈاک‌خانے اور ماسکو سوویت کے درمیان رہائشی مکان تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ شاہراہ لینن گراد، شاہراہ کوتوزوف غرض کہ ماسکو میں ہر جگہ ہی نظر آئے جہاں نئی نئی عمارتیں بنائی جا رہی تھیں ۔

ایک دفعہ میخائیل سے اتوار کے دن کام کرنے کو کہا گیا۔ اس روز انھوں نے معمولی کپڑوں کے بجائے اپنا بہترین سوٹ زیب تن کیا۔ وہ کنکریٹ کی فیکٹری گئے، وہاں لاری میں کنکریٹ بھرا اور ماسکو سے باہر لینن پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے ۔ یہاں سیکڑوں لوگ ان کے منتظر تھے ۔ مجمع نے لاری کو گزرنے کےلئے راستہ دیا ۔ ایک مقررہ جگہ میخائیل نے لاری روک دی، باہر آئے اور لاری کا پچھلا حصہ نیچے کر دیا ۔ کنکریٹ زمین پر گرنے لگی۔ اس بار یہ اینٹیں چننے کےلئے نہیں بلکہ خارا کے ایک بڑے سنگ بنیاد کےلئے تھی۔ اس پر یہ الفاظ کندہ تھے : ''یہاں ماسکو یونیورسٹی تعمیر ہوگی ۔ ،،

ایک مدت ہوئی یہ یونیورسٹی تعمیر ہو چکی ہے۔ میخائیل نے اس نئی یونیورسٹی کا، جو یورپ میں سب سے بڑی ہے، محض سنگ بنیاد ہی نہیں رکھا بلکہ انہوں نے لینن پہاڑیوں پر اس دیوھیکل عمارت کی تعمیر میں بھی حصہ لیا۔ وہ یہاں کئی سال تک تعمیری سامان لاتے رہے۔

اگر آپ چہل قدمی کرتے ہوئے لینن پہاڑیوں کے ایک سرے پر جائیں، جہاں ماسکو دریا پر اسکی‌انگ کی جست لگانے کا بورڈ کھڑا ہے، تو وہاں سے آپ کو اس عظیم‌الشان ماسکو یونیورسٹی کا بہترین منظر دکھائی دے‌گا۔ اس کا وزن کروڑوں ٹن ہی ہوگا۔ اس کا تمام تعمیری سامان میخائیل پری‌ستاوکا اور ان کے بے‌شمار ساتھی ڈرائیوروں نے منتقل کیا ہے۔

پھر یہاں سے ماسکو دریا پر نظر ڈالیں۔ سامنے اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ مرکزی لینن اسٹیڈیم پھیلا ہوا ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ صرف اس کی بڑی فیلڈ میں ایک لاکھ لوگ فٹ‌بال کا میچ دیکھ سکتے ہیں۔ اسپورٹ محل میں پندرہ ہزار تماشائیوں کے‌لئے جگہ ہے۔ اس کے علاوہ یہاں دوسری عمارتیں بھی ہیں۔

اس اسٹیڈیم کے بنانے میں بھی میخائیل پری‌ستاوکا کا حصہ ہے۔ ''تندرستی کے اس چھوٹے سے شہر،، کی تعمیر کی وسعت اور اس پر جتنی محنت صرف ہوئی ہے اس کا سرسری طور سے قیاس کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں اس جگہ پر پہلے خستہ حال جھونپڑیاں، آڑھی ترچھی گلیاں، کوڑے کرکٹ اور گند کے ڈھیر اور گڑھوں سے پٹی ہوئی زمین تھی۔ لاکھوں من ملبہ مٹی ڈھوئی گئی۔ کروڑوں من سیمنٹ، اینٹیں اور اسفالٹ استعمال کیا گیا۔ بے‌شمار فولاد کے ڈھانچے کھڑے کئے گئے۔ یہ سب کام لاریوں کے‌ذریعے ہوا۔

میخائیل پری‌ستاوکا بڑے خوش نصیب انسان ھیں ۔ انھوں نے ماسکو کی سب سے زیادہ دلچسپ اور اھم‌ترین عمارتوں کی تعمیر میں حصہ لیا ھے ۔ مثلاً کانگرس محل کو لیجئے یا بھاری بھر کم ھوٹل ''روسیا،، کو جو آسمان سے باتیں کرتا ھے ۔ایسی عمارتیں کھڑی کرنے میں ان کی محنت بھی شامل ھے ۔

عام طور پر لاری ڈرائیور چہل‌قدمی پسند کرتے ھیں ۔ دن بھر بیٹھ کر کام کرنے کے بعد یہ ان کےلئے اچھی تبدیلی ھوتی ھے ۔ میخائیل پری‌ستاوکا کی بھی پسندیدہ تفریح شام کے وقت شہر میں گھومنا ھے ۔ جب ان کے دونوں بیٹے ولودیا اور یورا ذرا بڑے ھو گئے تو پورا کا پورا کنبہ شاھراہ لینن، شاھراہ لینن گراد یا نئے محلے نوویئے چیریوموشکی کی سیر کرنے لگا ۔ چلتے چلتے میخائیل کسی عمارت کی طرف اشارہ کرکے کہتے :

''اس کے بنانے میں میں نے بھی حصہ لیا ھے ۔ ،،

پھر فوراً لڑکے پوچھنے لگتے :

''ابا، اور یہ مکان؟،،

''اس میں بھی ۔ ،،

''اور یہ جو ھے؟،،

''ھاں ۔ ،،

ماسکو کے نئے محلوں میں بہت سے رھنےوالے میخائیل پری‌ستاوکا کے مشکور ھیں جن کی محنت کی بدولت انھیں نئے فلیٹ ملے ۔ انھوں نے صرف ماسکو میں ھی لاری پر ۲۰ لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ھے ۔ اس کا آدھا حصہ تمام شہر میں جائے تعمیرات کو ضروری سامان پہنچانے پر شامل ھے ۔ اسی سامان سے نئے، جدید فلیٹ تعمیر ھوئے اور ھزاروں ھی لوگوں کو خوشی بخشی ۔

۱۹۶۳ء کی گرمیاں تھیں ۔ ایک دن میخائیل پری‌ستاوکا کے موٹر

ڈپو میں ٹیلی‌فون آنے کا سلسلہ بندھ گیا۔ فون کرنے‌والے مختلف لوگ تھے لیکن سوال ایک ھی کیا گیا:

''میں میخائیل پری‌ستاوکا سے فوراً کہاں مل سکتا ھوں؟''

ڈپو سے جواب ملا: ''یہ کوئی مشکل نہیں ھے۔ وہ بالکل ٹائم‌ٹیبل کے مطابق کام کرتے ھیں۔ آپ ان سے کب ملنا چاھتے ھیں۔''

''یہی دو بجے۔''

''ٹھیک دو بجکر تین منٹ پر وہ میدوید کووا جائے‌تعمیر کے چھٹے بلاک پہنچیں‌گے۔''

دو بجے میدوید کووا جائے‌تعمیر کے چھٹے بلاک کے باھر سات موٹرکاریں اور بہت سے لوگ کیمرے لئے ھوئے میخائیل کی آمد کا انتظار کر رھے تھے۔ بڑی ''ماز'' لاری کو دیکھ کر جو آھستہ آھستہ تنگ سڑکوں سے گزر کر جائے‌تعمیر آ رھی تھی، یہ لوگ اس کی طرف دوڑے۔ ڈرائیور نے گڑی کا دروازہ کھول کر خوش‌مزاجی سے فورمین سے کہا:

''لو یہ رھیں تمھاری سلیں — تندور سے براہ‌راست گرم گرم!''

ایک فوٹوگرافر خوشی سے چلایا: ''بہترین شاٹ!''

پھر فوٹو رپورٹر وھاں سے غائب ھو گئے۔

میخائیل نے حیران ھوکر فورمین سے پوچھا:

''بھئی، کیا معاملہ ھے؟''

فورمین نے کندھے اچکاکر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

اس روز میخائیل پری‌ستاوکا شام کو دیر سے گھر پہنچے۔ دن بھر سخت کام کے بعد وہ تھکے ھوئے تھے۔ آج کچھ پہلے ھی سونا چاھتے تھے۔

رات کو ساڑھے دس بجے دروازہ کی گھنٹی بجی۔ اندر داخل ھوتے ھی پڑوسی نے کہا:

"مبارک هو ! "

میخائیل پوچھنے هی والے تھے که یه کس لئے که پھر کسی نے گھنٹی بجائی۔ اس بار پڑوسیوں کا بڑا مجمع تھا اور ان میں دوسری منزلوں پر اور نزدیک مکان میں رهنےوالے سب هی تھے۔ پڑوسیوں نے بتایا که ابھی ابھی ریڈیو نے اعلان کیا ھے که سوویت یونین کی اعلی سوویت کے فرمان کے مطابق میخائیل پری‌ستاوکا کو آرڈر آف لینن اور اشتراکی محنت کے هیرو کا اعزاز عطا کیا گیا ھے۔

میخائیل محله تیکستیلشیکی میں رهتے هیں اور محله کمیٹی کے صدر هیں۔ یہاں کے بوڑھے، نوجوان سب انھیں جانتے هیں۔

موسم‌بہار آنے سے بہت پہلے میخائیل پریشان هونے لگتے هیں که اتوار کے دن رضاکارانه کام کرنے کے لئے محلےوالوں کو کیسے منظم کیا جائےگا۔ پبلک بغیچوں میں کب کھدائی هوگی اور پودے لگائے جائیں‌گے۔ ان کے احاطے میں کافی درخت هیں۔ گرمیوں میں لوگ شاموں کو دیر تک ان کے نیچے آرام کرتے هیں۔

اگر کم سے کم لفظوں میں میخائیل پری‌ستاوکا کا کردار بیان کیا جائے تو یه کہا جا سکتا ھے : وہ ایسے انسان هیں جو دوسروں کی جانب اپنی ذمےداری محسوس کرتے هیں اور جو اپنی سماجی ذمےداریوں سے کبھی غافل نہیں رہ سکتے۔

منسک سے ٹیلی‌فون : ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کی رات کو بارہ بجے منسک کا موٹرساز کارخانه اپنی "جوبلی لاری" تیار کرےگا۔ یه فیصله کیا گیا ھے که اسے ماسکو کے سب سے اچھے ڈرائیور کو پیش کیا جائے۔ ظاهر ھے که یه فون میخائیل پری‌ستاوکا کےلئے کیا گیا تھا۔ چنانچه وہ نئی چمکتی هوئی "ماز" لاری کو لینے کےلئے منسک گئے۔

کارخانے میں انھوں نے تحسین کی نظروں سے دیکھا کہ مختلف پرزے اور حصے کنویئر بیلٹ پر آھستہ آھستہ سرکتے ھیں ، وہ جڑتے جاتے ھیں اور لاری کی شکل بنتی جاتی ھے ۔ وہ سوچنے لگے کہ رھائشی مکانات بھی اسی طرح مختلف حصوں سے جڑجڑ کر ھی تعمیر ھوتے ھیں ۔ اس کا مطلب ھے کہ جدید معماروں کے کام میں بھی اتنی ھی صحت کی ضرورت بڑھتی جا رھی ھے جتنی ٹکنیکی مشینیں بنانے کےلئے ضروری ھے ۔ عمارت کی تعمیر بھی ایک طرح کا کنویئر ھے ۔ اور سڑکیں اس کی بیلٹ ھیں جو کارخانوں کو جائے تعمیر سے ملاتی ھیں ۔ ان پر لاری چلا کر میخائیل پری‌ستاوکا ھزاروں لوگوں کو خوشی دیتے ھیں ۔ ان کی چشم تصور نے دیکھا کہ ان کے شانہ بشانہ موٹرساز، ڈرائیور، معمار، فولاد ڈھالنےوالے، فن‌کار، ڈاکٹر اور بال سنوارنےوالے سب کے سب ایک عظیم الشان کنویئر کے سامنے کھڑے ھوئے ھیں اور لوگوں کےلئے خوشی کے محل تعمیر کر رھے ھیں...

میخائیل سوچ میں اتنے محو ھو گئے کہ وہ تقریباً نئی چمکتی ھوئی ''ماز،، لاری کی ''پیدائش،، دیکھنے سے رہ گئے ۔ اس کی منادی پرشور تالیوں نے کی ۔ تقریب کے اعزاز میں فیکٹری کے سب ھی لوگ جمع تھے ۔ بہت سے کارکن اپنے خاندان والوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے ۔ جب ایک چھوٹے سے قد کا آدمی، سونے کا ستارہ اپنے سینے پر آویزاں کئے ھوئے، اس لاری کی جانب بڑھنے لگا تو تالیوں کا شور اور بھی زیادہ ھو گیا ۔ اس کے مشاق ھاتھوں نے لاری کا دروازہ کھولا اور وہ آرام سے سیٹ پر بیٹھ گیا ۔ لاری خراماں خراماں فیکٹری کے دروازے سے باھر نکلنے لگی ۔

ایک دن بعد یہ چمکیلا نیا جوبلی ''ماز،، ماڈل ماسکو کی سڑکوں پر تھا جہاں ھزاروں موٹریں اور لاریاں ادھر سے ادھر زن زن کرتی

رھتی ھیں۔ اس کا نمبر عام لاریوں کی طرح (MOP 60—05) تھا لیکن اس کا چلانےوالا تھا میخائیل پری‌ستاوکا۔ وہ اس پر ساڑھے بارہ ٹن کا وزن لادے ھوئے اس جگہ جارھا تھا جہاں پرانی عمارتیں ختم ھوتی تھیں اور نئے راستے شروع ھوتے تھے۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسری لاریاں آرھی تھیں۔ انھیں بھی وھی لوگ چلا رھے تھے جن کے پیشے نے ھماری صدی میں جنم لیا ھے — یہ بیسویں صدی کا پیشہ ھے۔

از : اناتولی روبینوف

سنگتراشی
کا
دیوھیکل

روسی فن کی مشہور بزرگ شخصیت، سیرگئی کونین کوف کا اسٹوڈیو پشکن چوراہے پر واقع ہے۔ دو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اس کا دروازہ کھولئے تو سامنے ایک غیر معمولی کمرہ نظر آتا ہے۔ اسے نہ ہال کہہ سکتے ہیں اور نہ ڈرائنگ روم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کا کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ آپ جہاں بھی نظر ڈالیں مبہوت ہوکر رہ جائیں گے۔ ایک آرام کرسی پر راج ہنس کی گردن کی حسین کمان ہے تو دوسری پر سانپ کی کنڈلی۔ قریب ہی عقاب پنکھ پھیلائے کھڑا ہے۔ وہیں داستانی آتشی پرندے کی شکل میں، جس کا سر ایک حسین عورت کا ہے، انوکھے طرز کی بنی ہوئی میز اور کرسی رکھی ہے۔ دوسری میز پر چہچہاتی ہوئی چڑیاں اور اچھلتی ہوئی گلہریاں لوگوں کی توجہ مبذول کرتی ہیں۔ ایک کرسی سے مضحکہ خیز بونا جھانک رہا ہے۔ پریوں کی کہانیوں جیسی لکڑی سے تراشی ہوئی یہ تمام چیزیں محض نظر کی دلفریبی کےلئے نہیں بلکہ استعمالی فرنیچر کی حیثیت سے بنائی گئی ہیں۔ اس چھوٹی بینچ کو ہی لیجئے جو طلسمی جانور ''چوڈو — یوڈو'' کی شکل کے مطابق تیار کی گئی ہے۔ اس پر آپ آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ ان تمام پراسرار میزوں اور کرسیوں کی مشترکہ خصوصیت، جو درختوں کے تنوں اور جڑوں سے تراشی گئی ہیں، بلندترین ہنر اور مہارت ہے۔

استاد کی آمد کے انتظار سے ہمارے دل دھڑک رہے ہیں۔ وہ آهسته آهسته، پروقار انداز سے جسم کو تانے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی لمبی سفید ڈاڑھی پیغمبرانہ شان رکھتی ہے اور چمکتی ہوئی آنکھیں عمر رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔ وہ ہمارا خیرمقدم کرتے ہیں اور مصافحے کےلئے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ ہم اس نازک لیکن مضبوط ہاتھ کو عزت اور قدردانی کے جذبات سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اسی ہاتھ اور ان ہی نازک انگلیوں نے سنگ خارا اور مرمر کی چٹانوں سے کتنی خوبصورت چیزیں تراشی

هیں اور لکڑی کے لٹھوں میں جان ڈالی ہے اور انھیں حسن بخشا ہے۔ ایسی ہی چیزوں سے یہ اسٹوڈیو، عمارت کی نچلی منزل اور کھلے احاطے میں ان کا موسم گرما کا اسٹوڈیو بھرا پڑا ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ایک فرد اتنی بےشمار تخلیقات کا مالک ہو سکتا ہے۔ یہ ہے ان کی بےپناہ محنت کا ثبوت۔

کونین کوف کے فن کی جڑیں لوک روایات میں پیوست ھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر روسی ان کے مجسموں اور دوسری تخلیقات کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور انھیں پسند کرتا ہے۔ ان کا اسٹوڈیو لوگوں سے بھرا رہتا ہے اور ان کی نمائشوں میں ھمیشہ بھیڑ لگی رہتی ہے۔

۱۹۶۴ء میں سوویت لوگوں نے سیرگئی کونین کوف — سوویت یونین کے عوامی فنکار، لینن انعام یافتہ، اشتراکی محنت کے ہیرو اور اکادمیشن کی جوبلی سالگرہ منائی۔ اس سال وہ نوے برس کے ہوئے تھے اور اسی سال انھوں نے اپنی فنی زندگی کے ستر برس پورے کئے تھے۔ اس موقع پر فن‌کار کی تخلیقات کی ایک دلچسپ نمائش منظم کی گئی جس میں ان کی پوری تخلیقی زندگی کی جھلکیاں موجود تھیں۔

کونین کوف کی فنی صلاحیت ہمہ‌پہلو ہے لیکن بعض موضوع ان کی تخلیقات میں ہمیں باربار ملتے ہیں۔ دراصل ان کا سرچشمہ سنگتراش کا سماجی احساس ذمےداری، انسانی ضمیر اور یہ عقیدہ ہے کہ فن‌کار سماج میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ اور یہ موضوع ہیں انسان کی محنت، اس کی قوت ارادی، اس کی بھرپور دانش اور گہری تخلیقی صلاحیتیں، فن، سائنس اور انقلابی جدوجہد میں اس کی جرأت۔ کونین کوف جب انسان کی اندرونی ہم آہنگی اور سالمیت کو فطرت کی ہم‌آہنگی اور اس کے حسن کے عکس کی طرح پیش کرنا چاہتے ہیں تو وہ بڑی چابکدستی سے اپنے فن میں قومی لوک روایات، حکایتوں، لوک گیتوں اور داستانوں کے عناصر کو تحلیل کرلیتے ہیں۔

کونین کوف کی ابتدائی زندگی اور خاص کر ابتدائی فنی زندگی آسان نہیں تھی۔ سطحی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ھے کہ اس سے ان کی غیرمعمولی صلاحیتوں کی تشکیل اور ترقی میں رکاوٹیں حائل ھوئیں۔ لیکن دراصل ان ھی ابتدائی مشکلات کی چٹیل زمین سے وہ چشمہ پھوٹا جس نے ان کے فن کی آبیاری کی اور اسے پروان چڑھایا اور ان کے فن کو عوام کی امیدوں اور ان کے خوابوں سے گہرے طور پر وابستہ کیا۔

مستقبل کے عظیم سنگتراش سرگئی کونین کوف ۱۰ جولائی (پرانے کلنڈر کے مطابق ۲۸ جون) ۱۸۷۴ء کو کراکووچی نامی گاؤں میں ایک پرانی، دھوئیں سے اٹی ھوئی سیاہ جھونپڑی میں پیدا ھوئے جو اسمولنسک کے گھنے جنگلوں سے گھرا ھوا تھا۔ یہ جھونپڑی دیسنا دریا کے پہاڑی کنارے پر واقع تھی جہاں سے اس کا پرسکون اور شفاف پانی نظر آتا تھا۔ ان کا بڑا کنبہ تھا جس کے افراد آپس میں گھل مل کر رھا کرتے تھے۔ وہ سب کے سب بہت محنتی تھے۔

سیرگئی اپنے بچپن سے ھی کدال، ھنسیے اور کلہاڑی سے کام کیا کرتے تھے۔ ان کا استعمال کرنے میں ان کے ھاتھوں کو اچھی سہارت حاصل ھو گئی تھی۔ اور جب وہ فن‌کار بن گئے تو یہ بات بہت مفید ثابت ھوئی۔ وہ ھل چلانےوالوں، فصل کاٹنےوالوں، جنگل کی دیکھ بھال کرنےوالوں اور پتھر کاٹنےوالوں کے بیچ میں بڑھے پلے۔ خود انھوں نے کم عمری ھی میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جلد ھی ان لوگوں کی قدر کرنے لگے جو زمین پر محنت کرتے ھیں اور اس کی دولتوں سے سب کو مالامال کرتے ھیں۔ لڑکپن میں انھوں نے چراگاھوں میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتے وقت کئی راتیں گزاریں اور الاؤ کے قریب پیر پھیلائے ھوئے درختوں کی سرسراھٹ اور ان کی سرگوشیاں سنیں اور روس کی فطرت سے اپنی روح کو بالیدہ کیا۔ جاڑوں کی طویل راتوں میں جب سارا کنبہ تیل کے دیے کی روشنی میں

چھوٹے موٹے کاموں میں لگ جاتا تو کونین کوف روسی لوک گیت اور کہانیاں سنا کرتے تھے جو اسمولنسک علاقے میں نسلوں سے چلی آرھی تھیں۔

یہ چیزیں لڑکے کے ذھن پر نقش ھو گئیں۔ اور اوائل عمر میں ھی موسیقی ان کے شعور میں داخل ھو گئی۔ کرا کووچی گاؤں میں کئی چیزیں دلچسپ تھیں، جن میں موسیقار بھی تھے۔ ان میں قابل ذکر فومین کوف نامی دو بھائی تھے جو بہت ھی عمدہ وائلن بناتے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ وائلن بنانے کے لئے انہوں نے جنگل سے لکڑی کاٹی اور مقامی زمیندار نے انھیں کئی بار سزا دی۔ کونین کوف بچپن میں ھی وائلن، اکورڈین اور بانسری بجانا سیکھ گئے تھے۔ وہ اکثر دیسنا کے کنارے چکر لگایا کرتے تھے جہاں مقامی کمہار مٹی سے بڑے ھنر کے ساتھ کوزے، سیٹیاں اور بعض وقت چھوٹی چھوٹی مورتیاں بھی بنایا کرتا تھا۔ کونین کوف اسے بڑی دلچسپی سے تکتے رھتے اور خود ایسی چیزیں بنانے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے مٹی کی مینائیں بنا ڈالیں اور انھیں جنگلے پر سجا دیا۔ پھر وہ باڑے کی دیواروں پر کوئلے سے گھوڑوں، گائیوں اور مرغوں کی تصویریں بنانے لگے۔ اپنے اردگرد کے ماحول میں جو چیزیں انھیں دلچسپ نظر آتیں ان کی وہ تصویریں بنا لیتے۔ پھر انھیں کاٹ کاٹ کر جھونپڑی کی کھڑکیوں پر چپکا دیتے تھے۔ جب راھگیر گزرتے تو انھیں دیکھ کر حیرت کرتے تھے۔ یہ ان کی پہلی ''نمائشیں،، تھیں۔ اس کے متعلق کونین کوف لکھتے ھیں: ''بڑی حد تک بچپن کے تاثرات سے آدمی کا مستقبل معین ھوتا ہے۔ یہ وہ جام ہے جس سے ھم سیرحاصل اور حیات‌بخش شراب پیتے ھیں۔،،

لڑکے کی ذھانت دیکھ کر باپ اور چچا نے اسے ابتدائی تعلیم دینے کا فیصلہ کیا (ماں کا انتقال کم عمری میں ھو چکا تھا) — دقت یہ تھی کہ کرا کووچی اور آس پاس کے دیہات میں ایک بھی اسکول

نہیں تھا۔ کئی خاندانوں نے تھوڑا بہت پیسہ جمع کرکے قلیل معاوضے پر ایک مدرس کو رکھ لیا۔ ان کا اصول یہ تھا کہ شاگرد کو تعلیم دینے کے بجائے اس کے دماغ میں علم پیٹ پیٹ کر بھرنا چاہئے۔ بہرحال سیرگئی نے پڑھنا سیکھ لیا۔ اب اس کے سامنے کتابوں کی ایک نئی دنیا کھل گئی تھی۔ جب علاقے میں میلہ لگتا تو کتابیں وہاں سے خرید لی جاتیں یا کبھی کبھار کوئی بھولا بسرا پھیری والا کراکووچی سے گزرتا ہوا بیچ جایا کرتا تھا۔

باپ اسے پنسلیں اور کاغذ خرید کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ ڈرائنگ کی مشق کر سکے۔ کچھ دنوں کے بعد اطلاع ملی کہ روسلاول کے پرائمری اسکول میں سیرگئی داخل ہو سکتا ہے۔ یہاں اسے فن کے اچھے ٹیچر ملے۔ یہیں اس نے بعض دوستوں کے گھروں میں آرٹ کے پرانے رسالے دیکھے اور پہلی بار فن اور مصوری پر سنجیدہ گفتگو سنی۔ پرائمری اسکول ختم کرنے کے بعد کونین کوف قطعی فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ فن کار بنیں گے۔ یہ مشکل فیصلہ پورا کرنے میں ان کی امداد کے لئے خاندان والے تیار تھے۔

اس سال فصل اچھی ہوئی۔ کونین کوف کے گھروالوں نے جتنا ممکن ہو سکا پیسہ جمع کیا اور لڑکے کو ماسکو روانہ کردیا تاکہ وہ مصوری، سنگتراشی اور فن تعمیر کے اعلی اسکول میں داخلے کا امتحان دے۔ یہ اپنے وقت میں ایک جمہوری ادارہ شمار کیا جاتا تھا اور یہاں پڑھانے والے بھی مشہور تھے۔

۱۸۹۲ء واقعی ایک یادگار سال تھا۔ اسی سال کسان کے بیٹے سیرگئی کونین کوف جنھوں نے کبھی روسلاول سے بھی آگے قدم نہیں رکھا تھا ماسکو آئے اور آرٹ کے اعلی اسکول کا سخت امتحان پاس کیا۔ یہاں وہ مشہور روسی سنگتراش ایوانوف اور ولنوخن کے زیرهدایت سنگتراشی کے شعبے میں پڑھنے لگے۔ شہر میں ان کے سامنے روسی فن کے خزانے کھلے ہوئے تھے — مثلاً تریتیاکوف آرٹ گیلری اور

بے شمار کتب خانے۔ ماسکو کے ثقافتی ماحول نے ان کی صلاحیتیں چمکانے میں بڑا رول ادا کیا۔

یہاں سے کونین کوف کی تخلیقی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ابتدا میں زندگی مشکل تھی۔ گھر سے جو پیسہ آیا کرتا تھا وہ بند ہو گیا۔ نوجوان سنگتراش نے کتنے ہی دن خالی چائے اور کالی روٹی پر بسر کئے۔ لیکن مادی مشکلات نے ان کی علم حاصل کرنے کی پیاس نہیں بجھائی، بلکہ وہ بڑھتی ہی گئی۔ آہستہ آہستہ استادوں پر ان کی صلاحیتیں آشکار ہونے لگیں۔ وہ انھیں معاوضے پر سنگتراشی کے چھوٹے موٹے کام دینے لگے۔ بعد میں اسکول کے خرچے پر انھیں عظیم استادوں کے فن کا مطالعہ کرنے کےلئے تعلیمی سفر پر فرانس، اٹلی اور جرمنی بھیجا گیا۔ اسی سفر کے دوران وہ مائکل اینجلو کے شاہکاروں سے روشناس ہوئے اور زندگی کے آخری دنوں تک ان سے متاثر رہے۔

کونین کوف کےلئے نئے تاثرات دلچسپ ضرور تھے لیکن وہ ان موضوعات سے قریب رہے جن کا تعلق مادر وطن سے تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں اسکول کی ڈگری کےلئے انھوں نے اپنے مجسمے کےلئے ”پتھر کوٹنے والا،، کا موضوع منتخب کیا۔

اس کا پس منظر کیا تھا؟ کونین کوف اکثر اپنی چھٹیاں کراکووچی میں گزارتے تھے۔ ایک دفعہ گاؤں کے قریب ان کی ملاقات ایوان کوپرن سے ہوئی جو سڑک پر پتھر کوٹ رہے تھے۔ کوپرن نے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی۔ کونین کوف نے فوراً انھیں سنگتراشی کا ماڈل چن لیا۔ جب مجسمہ تیار ہو گیا تو واقعی وہ عوامی فن کا نمونہ تھا اور اس سے محنت کش انسان کے ساتھ محبت اور احترام کے گہرے جذبات ظاہر ہوتے تھے۔ اس مجسمے میں نوجوان سنگتراش نے شرافت، سوزوگداز، دانش اور روحانی قوت کے تمام عناصر سمو دئے تھے۔ اور ان ہی خوبیوں کی بدولت مجسمہ غیر معمولی کہا جا

سکتا تھا۔ بعد میں جب کونین کوف نے اپنی معرکتہ‌الارا فنی تخلیق ''مفکر،، تراشنی شروع کی تو اسی گاؤں کے پرانے دوست کے چہرے کو اپنے تصور کی نظر میں رکھا۔ انسان — محنت کش اور انقلابی، یہی موضوع ان کےلئے ہمیشہ تخلیقی محرک رہا ہے۔

ماسکو کے آرٹ اسکول سے ڈگری لینے کے بعد بھی کونین کوف کی علم کی پیاس نہیں بجھی۔ انھوں نے پیٹرسبرگ کی فنون کی اکادمی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کردی۔ یہاں ماسکو کے مقابلے میں تعلیم کے طریقے جمہوری نہیں تھے۔ اگرچہ یہاں انھیں بیکلےسیشیف جیسے جغادری سنگتراش کے اسٹوڈیو میں کام کرنے کا موقع حاصل تھا لیکن انھیں اپنے نئے استاد کی قربت نصیب نہیں ھوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ جب انھوں نے ڈگری کےلئے ''سیمسن اپنی زنجیریں توڑ رہا ھے،، کا موضوع منتخب کیا تو اس پر اکادمی کے سربراہ خوش نہیں ھوئے۔ کونین کوف نے یہ موضوع اپنی فنی زندگی میں کئی بار اختیار کیا ھے۔ اس کا سبب وہ گورکی کے ان الفاظ میں بتاتے ھیں: ''روسی عوام ایک بےلگام حکومت کی سخت‌گیر اور بھاری مشین کے تلے اسی طرح کچلے ھوئے ھیں جیسے زنجیروں میں جکڑا ھوا اندھا سیمسن — صحیح معنوں میں ایک طاقتور مظلوم!،، کونین کوف اپنے سیمسن کے متعلق کہتے ھیں: ''وقت آئےگا جب یہ ستم‌رسیدہ دیوپیکر انسان گہری سانس لےگا... وہ اپنی تمام قوت کو جمع کرکے ایک بار پھر کوشش کرےگا اور اس کی زنجیریں ٹکڑے ٹکڑے ھو جائیں‌گی۔،،

بیکلےسیشیف نے اپنے نوجوان شاگرد کی کوئی خاص مدد نہیں کی۔ وہ کبھی کبھار اسٹوڈیو کا چکر لگا لیا کرتے تھے لیکن نوجوان سنگتراش کے کام پر کبھی کوئی رائے نہیں دیتے تھے۔ کونین کوف نے پیٹرسبرگ کی بندرگاہ پر کام کرنےوالے جسیم گودی مزدوروں میں سے ایک مزدور کو اپنے ماڈل کےلئے چنا۔ وہ اس کے گٹھیلے جسم کو مٹی میں اس طرح ڈھالنے لگے کہ اسے دیکھ کر دیوپیکر انسان کی

بے پناہ قوت کا احساس پیدا ہو۔ آخری مہینوں میں انہوں نے اس مجسمے پر روزانہ بارہ بارہ گھنٹے کام کیا۔ رات کو اسٹوڈیو میں بجلی نہیں ہوتی تھی اور وہ تمام رات موم‌بتی کی روشنی میں کام کیا کرتے تھے۔ ایک اور مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اپنے دس فٹ بلند مجسمے کو ڈگری کےلئے پیش کرنے سے عین پہلے وہ مچان سے گر پڑے اور اپنا بازو توڑ ڈالا۔ لیکن اکادمی کے حکام تھوڑی سی بھی مہلت دینے پر رضامند نہیں ہوئے۔

ان حالات میں انہوں نے مجسمہ پیش کیا۔ اکادمی کی طرف سے امتحان لینےوالوں نے کونین‌کوف کے جرأت‌آمیز تصورات اور مجسمہ‌سازی میں ان کے نئے اسلوب کو نہیں سراہا۔ صرف ان کے ساتھی طالب‌علموں اور ریپن نے مجسمے کی تعریف کی۔ کونین‌کوف کو مشکل سے ڈگری تو مل گئی لیکن بیرونی ممالک جانے کےلئے وظیفہ نہیں ملا جو اکادمی سے پاس ہونےوالے ہونہار طالب‌علموں کو دیا جاتا تھا۔

اپنے اس تخلیقی کام پر انہوں نے خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔ یہ ان کے تصورات کا پیکر تھا۔ جب اس کی داد نہیں ملی تو ان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ اکادمی سے الگ ہو گئے۔ وهیں پیٹرسبرگ میں اپنے فیل‌قامت مجسمے کو چھوڑکر وہ ماسکو چلے آئے۔ تین سال کے بعد اکادمی نے انهیں یہ اطلاع بھیجی — چونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ مجسمے کو کس پتے پر بھیجا جائے اس لئے اسے تلف کر دیا گیا! اگرچہ اصل باقی نہیں رہا تھا لیکن اس کی تصویر کونین‌کوف کے ذہن میں محفوظ رہی اور ان کی دوسری تخلیقات میں مزید واضح شکلوں میں نمودار ہوئی۔

وہ وقت جلد ھی آگیا جب کونین‌کوف کو مجسمے کے تلف ہونے پر افسوس ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں روس کے انقلابی عوام آزادی کی لڑائی کےلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس جدوجہد میں کونین‌کوف نے بھی بذات

خود حصہ لیا۔ اس کے بارے میں انھوں نے اپنی کتاب ''نوجوانوں سے چند باتیں،، میں لکھا ہے:

''ہر طرف ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔ دسمبر کا مہینہ آیا، مزدور سڑکوں پر نکل آئے۔ انھوں نے پولیس‌والوں سے ہتیار چھین لئے اور انھیں پسپا کر دیا۔

''اربات ماسکو کا ایک مرکزی محلہ ہے۔ یہاں ہم نے آریوں سے ٹیلی‌فون کے کھمبے کاٹے، دروازوں کے تختے اکھاڑے، انھیں تار سے باندھا اور سڑکوں پر مورچے کھڑے کر دئے۔

''مجھے اربات کے مسلح مزدوروں کے دستے کا لیڈر چنایا گیا تھا۔

''ھمارا فریضہ یہ تھا کہ پراگ ریسٹورانٹ سے لے‌کر اسمولنسکی بازار تک مورچوں کی حفاظت کریں۔ رات بھر ھمارے لوگ سڑکوں پر گشت لگاتے تھے اور کراسنایا پریسنیا کے باغی انقلابی مزدوروں سے ربط قائم رکھتے تھے۔

''مجھے مورچوں کی یہ راتیں یاد ھیں۔ چھتوں اور بالا خانوں سے گولیاں چلتی رھتی تھیں۔ ھر طرف بغاوت کی آگ بھڑک رھی تھی۔ اس موقع پر میرے ھم وطن مزدور ایوان چورکن نے بڑی ھمت دکھائی۔

''ھم دس دن تک مورچوں پر ڈٹے رہے۔ پھر ایک روز سیمیونوفسکی رجمنٹ نے پہلے پریسنیا اور پھر اربات کے مورچوں پر گولہ‌باری کرنا شروع کردی... توپ‌خانے کےلئے ھماری سادہ دفاع کو تباہ کر دینا کوئی مشکل نہیں تھا۔ پھر فوج کے ساتھ فائر برگیڈ کے لوگ آئے اور انھوں نے ھمارے تباہ‌شدہ مورچے جلا ڈالے۔،،

ان واقعات کے بعد سخت رجعت پرستی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ لیکن جن مجاھدوں نے بہتر زندگی کی خاطر جدوجہد کی تھی ان کی یاد کونین‌کوف کے دل میں باقی رھی۔ سنگتراش نے انھیں سنگ مرمر، کانسے اور پتھر میں تراشا، ڈھالا اور اس شکل میں تاریخ محفوظ

رکھی۔ اس سلسلے کے مجسمے ہیں — ''شہری محافظ ایوان چور کن ۱۹۰۵ء میں''، ''دھریه''، ''سلاف''، ''کسان''... یه مجسمے سوویت یونین کے مختلف عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ ایسے ہی بےباک، جری اور ثابت‌قدم لوگوں میں کونین‌کوف نے ملک کا مستقبل دیکھا۔ رجعت پرستی کے بدترین دنوں میں بھی انھیں پرولیتاریه کی فتح پر یقین رہا۔ ایک عام روسی لڑکی کے خوبصورت مجسمے ''نیکے — فتح'' میں فن‌کار نے اپنی اسی امید اور نئے اور بہتر مستقبل کی سعی دکھائی ہے۔ کونین‌کوف نے عورتوں کے جتنے مجسمے بنائے ہیں ان میں یه حسین‌ترین شمار کیا جاتا ہے۔ ملک کی روزمرہ زندگی میں جو افسردگی پھیل گئی تھی اس نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ اگر ہم ان کی تخلیقات ''خوابیدہ سر'' یا ''گڈرنی ناستیا'' کو لیں تو ان میں ہمیں ایک خاص متانت ملتی ہے۔ لیکن ''زانو پر جھکی ہوئی عورت'' سے بالکل مختلف تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں ایک نڈھال خمیدہ عورت نظر آتی ہے جو بازوؤں سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے ہے۔ بایں‌همه، اس کی پشت کا لوچدار خم اور سبک خطوط اس عریاں مجسمے کو غیرمعمولی حسین بنا دیتے ہیں۔ یه مجسمه مایوسی کا تاثر پیدا کرتا ہے۔ کونین‌کوف نے جتنے عریاں مجسمے تراشے ہیں ان سب کی خصوصیت یه ہے که ان میں پلاسٹک آرٹ کے ساتھ ساتھ گرافک آرٹ بھی موجود ہے۔

یه زمانه مشکل تھا۔ لیکن کونین‌کوف کا فن برابر ترقی کرتا رہا۔ اب ان کا شمار چوٹی کے فن‌کاروں میں کیا جانے لگا۔ ان کی باغی روح ماضی کے کسی ہمدم کی تلاش میں تھی۔ اور یه انھیں اٹلی کے کمپوزر اور وائلن نواز پگانینی (۱۷۸۲ء — ۱۸۴۰ء) کی شبیه میں مل گیا۔ وہ خود موسیقی کے شوقین تھے اور خاص طور پر پگانینی اور باخ کی موسیقی کو خوب سمجھتے تھے اور پسند کرتے تھے۔ پگانینی کی شبیه پچاس سال تک (۱۹۰۶ء — ۱۹۵۶ء) ان کے

ذھن پر چھائی رھی۔ انھوں نے وائلن نواز کے سنگ‌مرمر اور لکڑی سے کئی مختلف مجسمے بنائے۔ ان تمام مجسموں میں موسیقار کا ولولہ، فن سے محبت، مصائب، وجدانی کیفیت، حساس چہرے کا تناؤ اور نازک انگلیوں‌والا ھاتھ — یہ تمام خصوصیات بڑی خوبی سے سموئی گئی ھیں۔ لوگوں کا خیال ھے کہ اندرونی گہرائی اور نقوش کے تناسب کے لحاظ سے کونین‌کوف نے پگانینی کا بہترین مجسمہ ۱۹۰۸ء میں سنگ‌مرمر سے تراشا تھا۔ بدقسمتی سے اب اس کا صرف پلاسٹر کا قالب ھی باقی رہ گیا ھے۔ ۱۹۵۶ء میں انھوں نے پھر لکڑی سے پگانینی کا مجسمہ بنایا۔ یہ اپنے اظہار اسلوب، آرائش اور خیال آرائی کا اچھا نمونہ ھے اور اس میں ان تمام امکانات سے پوری طرح فائدہ اٹھایا گیا ھے جو لکڑی فراھم کرتی ھے۔

جب ھم کونین‌کوف کے سلسلے میں لکڑی کا ذکر کرتے ھیں تو ھمارے تصور میں ان کی تمام تخلیقات کی اکثریت آ جاتی ھے۔ وہ روسی جنگل میں پیدا ھوئے اور وھیں پرورش پائی۔ ان کا میلان ھمیشہ چوب‌تراشی کی طرف رھا۔ لکڑی کو وہ روسی مجسمے‌سازی کا پرانا، قومی کچا سامان سمجھتے تھے۔ انھوں نے اس کچے سامان کو استعمال کرکے چوب‌تراشی کو بحال کیا جسے انیسویں صدی کے روسی فن‌کار تقریباً بھول چکے تھے۔ انھوں نے ثابت کر دیا کہ ایک استاد کےلئے لکڑی میں غیرمحدود امکانات ھیں۔ اپنی قدرتی شکل میں درختوں کی جڑیں اور تنے غیرمعمولی تاثر پیدا کر سکتے ھیں۔ انسانی جسم کے خطوط اور اس کی ھم‌آھنگی کے حسن کا اظہار کرنے کےلئے لکڑی کی اپنی ساخت انتہائی موزوں ھے۔

دو انقلابوں کے درمیان (۱۹۰۵ء — ۱۹۱۷ء) کونین‌کوف نے زیادہ تر چوب تراشی سے کام لیا، اس لئے کہ سنگ‌مرمر، کانسہ یا پتھر ان کے مخصوص تخلیقی تصورات کا اظہار اچھی طرح نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں اپنے بچپن کے دن یاد کرتے ھوئے انھوں نے

پریوں کی کہانی کا ایک کردار ''شہد کی مکھیاں پالنےوالا بوڑھا،،
لکڑی سے تراشا۔ انھیں یہ کردار بہت پسند تھا جو نیک دل جنگل
کا رکھوالا تھا اور سادہ کسان۔

کونین کوف نے قدیم دیوسالاؤں کے بھی بہت سے موضوع اختیار
کئے ھیں۔ لیکن ان سب کا لہجہ روسی ھے۔ مثال کے طور پر
''باکوس،، کو لیجئے۔ وہ ھاتھ میں انگور کا خوشہ لئے ھوئے ضرور
دکھایا گیا ھے لیکن اس کا چہرہ یونانی نہیں بلکہ روسی ھے۔ یہ
مجسمہ اپنی تراش خراش، آرائش اور تناسب کی وجہ سے خاص طور
پر جاذب نظر ھے۔ ان کی نقوش‌دار تصویر ''رنگ‌رلیاں،، بھی اسی
صف میں شامل ھے۔ اس میں موزوں تناسب کی وجہ سے روشنی اور سائے
کا تقابل بڑھ جاتا ھے۔ یہاں بھی کونین‌کوف نے شمالی روسی حسینائیں
پیش کی ھیں۔ ھاروں میں انگور کے خوشے اور غیرمعمولی پھل گندھے
ھوئے ھیں لیکن روسی کدو بھی موجود ھے۔ ''استریبوگ،، دیوتا کا
مجسمہ سلاف بت پرستوں کی مورتی کا مکمل نمونہ ھے۔

کونین‌کوف حسن کے روسی تصور کے قائل ھیں۔ ''لادا،، مجسمے
کو لیجئے۔ اسے لوگ ''روسی مونا لیزا،، کہتے ھیں۔ اس کے ھاتھوں
اور بازوؤں میں گداز اور نسائیت کوٹ کوٹ‌کر بھری ھوئی ھے
اور پورا مجسمہ پاکیزگی کا اعلی نمونہ ھے۔

کونین‌کوف کی زندگی کا یہ وہ دور ھے جب ان کا لوھا مانا
جانے لگا تھا اور ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ان کی
تخلیقات بڑی بڑی نمائشوں میں دکھائی جاتی تھیں، ان پر اخباروں
اور رسالوں میں تبصرے شائع ھوتے تھے اور ھاتھوں ھاتھ ان کے
مجسمے خرید لئے جاتے تھے۔ یہی وہ دور ھے جب کونین‌کوف نفسیاتی
مرقع‌نگاری کے ماھر کی حیثیت سے منظرعام پر آئے۔

ان کے مجسموں کی خصوصیت یہ بھی ھے کہ وہ تناسب و توازن
کے اعتبار سے گوناگوں ھیں اور ان میں انسان کی روحانی دنیا کی

گہرائیاں ملتی ھیں ۔ کونین کوف مجسمے تراشتے وقت ھمیشه ان میں انسان کا جوھر سمونے کی کوشش کرتے ھیں ۔ چنانچه جب مجسمه تیار ھو جاتا ھے تو اس میں انسان کی اندرونی خوبیاں نظر آتی ھیں ۔ اسی نفسیاتی گہرائی کے سبب دو نوجوان عورتوں (کارپووا اور سویشنیکووا) کے ان کے بنائے ھوئے مجسمے بڑے جاندار معلوم ھوتے ھیں ۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۷ء تک کونین کوف نے مردوں کے جو مجسمے تراشے ان سے بھی ان کی نفسیاتی رسائی کا اندازہ ھو سکتا ھے ، خاص کر ان کی اپنی شبیهه سے جسے انھوں نے ۱۹۱۶ء میں پتھر سے تراشا تھا ۔ قدرے سخت چہرہ، ابھری ھوئی پیشانی اور مستحکم نظریں بتاتی ھیں که یه انسان تخلیقی مقصد اور لامحدود توانائی کا مالک ھے ۔ فن کار نے کھردرا پتھر استعمال کرکے اور مجسمے کی سطح کو بھی کھردری بنا کر اس کیفیت کو اور بھی بڑھا دیا ھے ۔ وائلن نواز روماشکوف کے کانسے کے بسٹ میں خطوط نمایاں ھیں اور چہرے پر روحانیت ھے ۔ ''جہاز گروموبوئی کا ملاح''، سنگ مرمر کا مجسمه ھے ۔ شکل جو بےباک اور واضح ھے اس سے کردار کی دیانت اور قوت کا پته چلتا ھے ۔

کونین کوف کے موضوع بےشمار اور گوناگوں ھیں ۔ لیکن ان کا عزیز موضوع وھی عام محنت کش انسان ھے جسے سرمایه‌دارانه سماج کچلتا ھے لیکن وہ کبھی اپنی روحانی قوت، خودداری اور احتجاج سے منه نہیں موڑتا ۔ ان کے ھاں اکتوبر انقلاب سے عین پہلے یه موضوع خاص شدت سے ابھرنے لگا تھا ۔ اس دور کے بہترین نمونوں میں سے یہاں دو کا ذکر کیا جا سکتا ھے — ''چچا گریگوری''، (چوبی) اور ''بھیک منگے''، (چوبی) ۔ ''چچا گریگوری''، کا چہرہ، کام سے گھسے ھوئے بھدے ھاتھ اور ننگے پیر آس پاس کی دنیا اور عمررفته کی سفاکیوں کی نشان‌دھی کرتے ھیں ۔ اپنی اس تخلیق میں فنکار نے عمل نہیں بلکه خیال پیش کرنے کی کوشش کی ھے ۔ دوسرے مجسمے میں

دو بوڑھے بھکاریوں کے سراپے اس طرح بنائے گئے ہیں گویا زندگی کی تلخیوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہوں۔ خاص کر لمبے فقیر کا سنجیدہ چہرہ ایسے آدمی کا چہرہ نہیں جو خیرات کےلئے ہاتھ پھیلاتا ہے - کونین کوف کی تخلیقات کا سرچشمہ زندگی اور لوگ ہیں - لیکن یہ ان کے جادو کے ہاتھ ہیں جنھوں نے ان کے فن پاروں کو قوت اور اہمیت بخشی اور انھیں شاہکاروں کا درجہ دیا۔

یہاں ''جنگل کا بوڑھا رکھوالا،، مجسمے کا ذکر کیا جا سکتا ہے - یہ تریتیاکوف آرٹ گیلری کی زینت ہے اور کافی لوگ اسے پسند کرتے ہیں - لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ کون ہے — روسی جنگلوں اور کھیتوں کا نیک فرشتہ یا روسی لوک کہانیوں کا کوئی کردار؟ وہ تجسس کے ساتھ اپنی بھنچی ہوئی آنکھوں سے دنیا کو دیکھ رہا ہے اور اس کی پراسرار مسکراہٹ کو گھنی ڈاڑھی چھپائے ہوئے ہے - ہو سکتا ہے کہ یہ وہی بوڑھا گڈریا ہو جس کے ساتھ کونین کوف بچپن میں کھیتوں میں بیٹھا کرتے تھے - وہ جو کوئی بھی ہو، مجسمے میں وہ ڈنڈا پکڑے کھڑا ہے، پیروں میں چھال کے جوتے ہیں اور پیٹی سے تمباکو کی تھیلی لٹک رہی ہے -

کونین کوف کے فنی ارتقا کو سمجھنے میں ان کے یونان کے سفر سے بہت مدد ملتی ہے جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں کیا تھا - کلاسیکی یونانی سنگتراشی نے جو تاثرات ان کے ذہن پر چھوڑے وہ جلد ہی ان کی تخلیقات میں ظاہر ہونے لگے - اب وہ سمجھنے لگے کہ انسانی جسم کی ہم آہنگی اور اس کا حسن، جس کی پرانی دنیا کے سنگتراش بہت زیادہ قدر کیا کرتے تھے، انسان کی اندرونی تکمیل، اس کی ہم آہنگی اور سالمیت کا ہی اظہار ہے - اس خیال نے جن فن پاروں کو جنم دیا ان میں قابل ذکر یہ ہیں — ''خواب،،، ''دوشیزہ،،، ''زخمی عورت،،، ''جل پری،،، ''عورت کا دھڑ،،، ''رقاصہ ائیساڈورا ڈنکن،، -

۱۹۱۷ء کا عظیم اکتوبر انقلاب آیا۔ اس نے روس کے عوام کو سرمائےداری کی غلامی سے نجات دلا دی۔ سیرگئی کونین کوف نے کھلے دل سے اس کا خیرمقدم کیا اور جوش و خروش کے ساتھ نئی، عوامی، اشتراکی ثقافت کی داغ بیل ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کی لینن سے بھی ملاقات ہوئی جسے انھوں نے ہمیشہ یاد رکھا۔ انھوں نے عظیم قائد کے کئی مجسمے بنائے۔ لینن کا آخری مجسمہ انھوں نے ۱۹۶۴ء میں تیار کیا تھا۔ اسی سال ان کی ۹۰ ویں جوبلی سالگرہ منائی گئی۔

۱۹۱۸ء میں حکومت کی فرمائش پر کونین کوف نے رنگین سمنٹ کی ایک بڑی یادگار تختی (۵۱۰ سنٹی‌میٹر لمبی اور ۳۴۰ سنٹی‌میٹر چوڑی) بنانا شروع کی۔ یہ کریملن کے ایک مینار کےلئے تھی۔ اس پر کندہ تھا: ''ان لوگوں کی یاد میں جو امن اور قوموں کے درمیان بھائی چارے کی جدوجہد میں کام آئے۔'' یہ کام انھوں نے انقلاب کی پہلی سالگرہ کےلئے ختم کرلیا۔ کچھ عرصہ ہوا یہی تختی بحال کرنے کے بعد سنگتراش کی جوبلی نمائش میں دکھائی گئی۔ اس نقشی تختی میں جوش ابھارنےوالا ایک عورت کا چہرہ ہے جو آزادی کی روح اور انقلابی عوام کی کامرانی کا نشان ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں امن اور قوموں کے درمیان دوستی کا نشان — زیتون کی شاخ ہے اور دوسرے ہاتھ میں سرخ پرچم۔ عورت کو لہراتے ہوئے لال جھنڈے کے پس منظر میں دکھایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اڑ رہی ہے۔ اس سے مجموعی تاثر بہت گہرا ہو جاتا ہے۔ ۸ نومبر ۱۹۱۸ء کو اکتوبر انقلاب کی پہلی سالگرہ کے موقع پر اس یادگار نقشی تختی کی نقاب‌کشائی کی گئی تھی۔

سیرگئی کونین‌کوف کی بنائی ہوئی ایک اور یادگار کا افتتاح یکم مئی ۱۹۱۹ء کو لال چوک میں ہوا۔ اس کا افتتاح خود لینن نے کیا تھا۔ یادگار مشہور روسی باغی کسان لیڈر استیپان رازن اور ان

کے ساتھیوں کے بارے میں ہے - یہ یادگار لکڑی سے بنائی گئی تھی، اس لئے اسے مستقل کھلی ہوئی لال چوک میں نہیں رکھا گیا - وہ لینن گراد کے روسی عجائب گھر کو بھیجدی گئی - یہ بھی جوبلی نمائش میں پیش کی گئی تھی - اس میں شکلیں اور جسم بہت باریکی سے نہیں تراشے گئے ہیں اور پورا یادگار مجسمہ ایک عام سرقع پیش کرتا ہے - لیکن ہم اسے روسی کردار کا ایک زبردست نمونہ کہہ سکتے ہیں -

آخرکار عظیم سنگتراش کا خواب پورا ہو گیا اور وہ اہم سماجی موضوعات کو اپنی تخلیقات میں پیش کرنے لگے - اب ان کے شاہکاروں کے ہیرو آزاد لوگ تھے - وہ نئے جوش سے لکڑی کے آرائشی مجسمے بنانے لگے - ان کا موضوع کسان اور مزدور تھا - بدقسمتی سے یہ سب مجسمے آگ کی نذر ہو گئے - ان میں سے صرف ایک ''ٹیکسٹائل مزدور عورت،، باقی ہے جس کا مضبوط جسم مجسمے کو واقعی یادگار بناتا ہے -

انقلاب کے بعد کونین کوف ماسکو کے سنگتراشوں اور فن کاروں کی یونین کے صدر چنے گئے - اس کے علاوہ وہ ان نوجوان مزدوروں کو سنگتراشی بھی سکھانے لگے جو اعلے فن اور ڈیزائن کے انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہونا چاہتے تھے - اس وقت یہ اپنی قسم کا واحد آرٹ اسکول تھا -

۱۹۲۳ء میں کونین کوف دوسرے فن کاروں کے ہمراہ سوویت فن کی نمائش کے سلسلے میں امریکہ گئے - وہاں وہ کئی سال رہے اور بہت سی امریکی شخصیتوں اور روسی ثقافت کے مشہور نمائندوں کے مجسمے بنائے - اس زمانے میں انھوں نے امریکی سائنس دانوں، فن کاروں اور ادیبوں کے جو بسٹ تراشے وہ حقیقت پسندی کے حامل ہیں - ان میں کونین کوف کے قریبی دوست البرٹ آئنش ٹیئن بھی شامل ہیں - وہ اپنی قومی ثقافت سے بھی قریب رہے - گورکی، پاولوف، شالیاپن، رخمانینوف،

دستوئیفسکی اور پوشکن کے ان کے بنائے ہوئے مجسمے ان ہی برسوں کی یادگار ہیں۔

۱۹۲۸ء میں کونین کوف نے اپنی بیوی مارگریتا کے ساتھ اٹلی کا سفر کیا۔ وہ روم سے سورینتو پہنچے جہاں اس زمانے میں گورکی آرام کر رہے تھے۔ یہاں کام ختم کرنے کے بعد ساتھ چہل‌قدمی کرتے ہوئے یا کھانے کی میز پر گفتگو کے دوران وہ گورکی کو اپنی امیدوں، منصوبوں اور فن کے ساتھ اپنے مخصوص تعلق کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ ایسی ہی بحثوں کے بعد وہ فن میں حقیقت‌پسندی کے اصول برتنے کے اور بھی قائل ہو گئے۔

یہاں کونین کوف نے گورکی کا جو مجسمہ تیار کیا اس میں ان کے روسی خدوخال، چوڑی ذہین پیشانی، گھنی بھنووں کے نیچے فہم‌رسا آنکھیں اور ان کا مصمم دھانہ نمایاں ہیں۔ فن‌کار نے اسے کانسے میں ڈھال کر خطوط کو اور بھی ابھار دیا ہے۔

اپنے نیویارک کے اسٹوڈیو میں انہوں نے پاولوف، شالیاپن اور مغنیہ پلیویتسکایا کے صرف مٹی کے چربے ہی تیار کئے۔ روس لوٹ کر ۱۹۵۲ء میں انھیں سنگ‌سرمر میں تراشا۔

کونین کوف اس کے قائل ہیں کہ ہر مجسمہ سنگتراش کے ذاتی تصور اور ماڈل کے ساتھ اس کے تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

یہاں مشہور روسی مغنی شالیاپن کا مجسمہ اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں وہ نوجوان نہیں دکھائے گئے ہیں۔ وطن سے جدائی کے کئی سال چہرے پر عیاں ہیں۔ غم اور آرزو نے چہرے پر جھریاں ڈالدی ہیں، تنی ہوئی ابروؤں کے درمیان شکن پڑ گئی ہے اور بھرے ہوئے گال ایک تھکے ہوئے بوڑھے آدمی کے گال ہیں۔ لیکن مجسمے کی عظمت صرف اس حقیقت‌نگاری میں نہیں ہے۔ شالیاپن کونین کوف کی نظر میں ایک دیوھیکل تھے، ہر میدان میں خواہ اسٹیج ہو یا زندگی۔ وہ ایک غیرمعمولی ذہین فن‌کار تھے۔ مجسمے

میں ان کا ذرا اوپر اٹھا ھوا سر کلاسیکی حسن کا نمونہ ھے اور چہرے سے وجدانیت کی شعائیں پھوٹ رھی ھیں ۔ ان کی ستواں ناک، پروقار اور خوش امید سراپا، ھونٹوں پر ھلکی سی مسکراھٹ، لوچدار ڈھلی ھوئی ٹھوڑی اور مضبوط گردن ــ یہ تمام عناصر اتنی خوبصورتی کے ساتھ ھمآھنگ ھیں کہ ھم مجسمے میں شالیاپن کی روح اور ان کی نفسیاتی گہرائیوں کو جھانک سکتے ھیں ۔ شالیاپن خود بھی شوقیہ مصور اور سنگتراش تھے ۔ جب انھوں نے اپنا مجسمہ دیکھا تو تسلیم کیا کہ کونین کوف نے واقعی ان کی روح کی گہرائیاں پا لی ھیں ۔

پلیویتسکایا کا مجسمہ عام طور پر ''روسی سرافان میں ملبوس ایک عورت،، کے نام سے مشہور ھے ۔ اسے محض ایک فرد کا بسٹ کہنا زیادتی ھوگی ۔ دراصل یہ کلاسیکی روسی حسن کا قصیدہ ھے ۔

عظیم روسی صاحب بصیرت کا انسانی روح میں قدرتی تضاد کا تلخ علم، اس کی غیرمعمولی ذھانت اور اس کا اندرونی کرب ــ دستوئیفسکی کے مجسمے نے ان خصوصیات کو سمیٹ لیا ھے ۔ دستوئیفسکی ناقابلحل شکوک کے شکار تھے اور انھیں پرانے سماج نے مقید کر رکھا تھا ۔ اس کا احساس نہ صرف ان کے چہرے سے بلکہ تنے ھوئے بازووں سے بھی ھوتا ھے ۔

ایسا ماھرانہ نفسیاتی مرقع صرف وہ سنگتراش ھی کھینچ سکتا ھے جو برسوں ریاض کر چکا ھو ۔

کونین کوف کی زندگی میں تناؤ بھی تھے ۔ انھیں اپنے ملک لوٹنے کا خیال باربار ستاتا تھا ۔ وہ اپنے نت نئے خیالات کو عمل میں لانا چاھتے تھے ۔ لیکن پردیس میں یہ ممکن نہیں تھا ۔ مدافعت وطن کی جنگ ان کی توجہ کا مرکز بنی رھی ۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ اب وہ اپنی سرزمین سے الگ نہیں رہ سکتے ۔ چنانچہ جیسے ھی سوویت یونین نے جنگ میں فتح حاصل کی اور دنیا کو فاشزم سے نجات دلائی وہ بلاتوقف سامان جمع کرکے اپنی بیوی کے ساتھ ایک چھوٹے سے جہاز

''اسمولنی،، میں وطن روانہ ہو گئے۔ جہاز بحرالکاھل میں طوفانوں کے تھپیڑے کھاتا ہوا ولادی‌وستوک پہنچا۔ ۱۹۴۵ء میں کونین کوف ماسکو میں تھے۔

روسی سرزمین نے کونین کوف کو نئے منصوبے بخشے۔ یہاں سے ان کی فنی زندگی میں ایک نیا ثمرخیز دور شروع ہوا۔ ایک عرصے کے بعد انھوں نے نئی نئی چیزیں دیکھیں، لوگوں سے ملے اور سوشلزم کے کارناموں سے واقفیت حاصل کی۔ ان سے وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کے دل میں انھیں مجسموں کی شکل دینے کی بےپناہ خواھش پیدا ہوئی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ وقت کے تقاضوں سے فن‌کار کا تعلق اور عوام کے مفاد سے اس کا گھرا جذباتی رشتہ ھی فن کا فریضہ ھے۔ کونین کوف نے لکھا: ''اشتراکی حقیقت‌نگاری بہت ھی بلند اسٹائل، دل کی تپش اور اس کی گھرائیوں کا نتیجہ ھے۔،، ایک اور جگہ کہا: ''امن اور انسانیت کے درخشاں مستقبل کی جد و جہد میں فن ایک باعزت مقام رکھتا ھے۔ فن ھمارے خوابوں کو حیرت‌انگیز طریقے سے ظاھر کرتا ھے... فن انسانی کردار کے بہترین پہلوؤں کو عظمت عطا کرتا ھے، وہ ھمیں رجعت‌پرستی اور بدی سے نفرت کرنا سکھاتا ھے۔ فن وطن سے، حسن سے، سورج اور روشنی سے محبت کے گن گاتا ھے... تخلیق کرنےوالوں کےلئے ھم‌عصریت کا احساس سب سے زیادہ اھم ھے۔ یہ فن کی رگ جاں ھے۔،،

ماسکو آنے کے بعد کونین کوف نے اپنی ثمرخیز اور بھرپور تخلیقی زندگی کے لگ بھگ بیس برس کے دوران تین قسم کے فن‌پاروں کی تخلیق پر گزارے — ھم‌عصر لوگوں کے مجسمے، فن کی یادگاری آرائشی تخلیقات اور بےشمار چوب تراشیاں جن کا سیر حاصل سرچشمہ روسی داستانیں ھیں۔

کونین کوف کے اس نئے تخلیقی دور کا پہلا شاھکار ایک زبردست مجسمہ ''آزاد انسان،، ھے جسے انھوں نے ۱۹۴۷ء میں مکمل کیا۔

اس عظیم تخلیق میں ''سیمسن اپنی زنجیریں توڑ رہا ہے،، کا موضوع نہایت فاتحانہ انداز میں اور بڑے زور شور سے پھر جنم لیتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی زنجیریں اس کے قدموں میں پڑی ہوئی ہیں، اس کے بازو جن پر ٹوٹی ہوئی کڑیوں کے نشان ہیں فخر سے اوپر اٹھے ہوئے ہیں اور آزاد انسان مقصد کے ساتھ مستقبل میں قدم رکھ رہا ہے۔ جب ۱۹۶۵ء میں کونین کوف کی جوبلی سالگرہ کے سلسلے میں ان کے فن پاروں کی نمائش ہوئی تو اپنے قدوقامت کے سبب اسے لینن گراد کے روسی عجائب گھر سے ماسکو منتقل کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ یہاں یہ مجسمہ تمام نمائش پر چھا گیا۔ واقعی یہ انقلاب کی فتح کا نشان ہے۔

چھٹے عشرے میں کونین کوف نے سنگتراشی کے دو بڑے آرائشی مجموعے مکمل کئے۔ ایک ماسکو میں ارضی کیمیا کے ویرنادسکی نامی انسٹی ٹیوٹ کے لئے اور دوسرا خودمختار ریپبلک کریلیا کے دارالخلافے پیتروزاوودسک کے موسیقی اوپیرا تھیٹر کے واسطے۔ ایک لحاظ سے یہ ایک دوسرے کے متضاد کہے جا سکتے ہیں۔ پہلے مجموعے کی شبیہیں سائنس کی مثالی شکلیں ہیں جو کلاسیکی طرز میں بنائی گئی ہیں۔ دوسرا مجموعہ براہ‌راست ان چیزوں کی عکاسی کرتا ہے جو سنگتراش کو کریلیا کے ماحول میں ملیں۔ یہ ہیں ریپبلک کے قدرتی مناظر، لوگوں کی روزمرہ کی اور ساتھ ہی روحانی زندگی، ان کے فنون، رواج اور خواب۔ کونین کوف کریلیا کے دیہات اور قصبوں میں گھومے، انھوں نے اونیژ کے فیکٹری مزدوروں، مچھیروں اور جنگل کاٹنے والوں سے ملاقاتیں کیں، نئے اور پرانے قومی گیت سنے اور قومی تہواروں میں حصہ لیا۔ تھیٹر کے اس آرائشی شاھکار کو دیکھ کر یہی سب چیزیں ذہن میں گھومنے لگتی ہیں۔ ان کی تخلیقات میں سوویت لوگوں کے درمیان دوستی اور بھائی چارے اور سوویت سرزمین پر رہنے کی مسرت کا اظہار ملتا ہے۔ خود ان کے الفاظ میں: ''فن کی عظیم یادگاری

تخلیقات ہمیشہ لوگوں میں بلند جذبات اور خیالات پیدا کرتی ہیں، وہ صاف نظر آتی ہیں، اور لوگوں کو اپنی جانب کھینچتی ہیں اور کئی نسلوں کو تربیت دیتی ہیں۔،، ان کی رائے میں عظیم فن کے بغیر، اور حسن کے احساس کے بغیر انسان کےلئے زندگی ممکن نہیں۔ فن کار کا خاص فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی روحانی دولت بڑھائے، فن کے ایسے شاہکار تخلیق کرے جو انہیں اپنے وطن کی خاطر بڑے بڑے کام کرنے کےلئے ابھاریں اور ان میں جمالیاتی ذوق پیدا کریں۔

کونین کوف نے یادگاری تخلیقات کے علاوہ بسٹ بھی بنائے ہیں۔ ان میں ہماری صدی کے سورماؤں — سیاست دانوں، عالموں، پنچایتی فارم کے کسانوں، ادیبوں اور فن کاروں سب ہی کے بسٹ شامل ہیں۔ ان کا دائرہ بےحد وسیع ہے۔ ان کے علاوہ غنائی فن پارے بھی ہیں جو معصوم بچپن اور جوانی کی تصویریں ہیں اور پچھلے زمانے کے مشہور فن کاروں اور سائنس‌دانوں کی شبیہیں بھی۔ ان میں یونانی محب‌وطن نکوس بیلویانس جنھیں سزائے موت دی گئی تھی، اور مانولیس گلیزوس کی شبیہیں ہیں جو برسوں جیلوں میں بند رہے۔ بسٹ میں وسیوولد ویشنیفسکی کا چہرہ جاندار دکھائی دیتا ہے تو پیانونواز گولڈن‌ویسر پرسکون اور ہمہ‌تن مستغرق نظر آتے ہیں۔ مایاکوفسکی کا بسٹ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے جن سے کونین کوف جوانی میں مل چکے تھے۔ دبلے چہرے پر گال کی ابھری ہوئی ہڈیاں، روشنی اور سائے کا تیز تقابل، چبھتی ہوئی آنکھیں اور جسم کا تناؤ — انہیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ سنگتراش نے شاعر کے سرکش اور پیچیدہ کردار کی گہرائیوں میں اتر کر اسے پتھر میں تراش دیا ہے۔ اس چھوٹے سے بسٹ میں مجاہد شاعر کی بےباک توانائی اور باعزم دلیری سموئی ہوئی ہے۔ جن تاریخی ہستیوں کے بسٹ کونین کوف نے تراشے ہیں، ان میں قابل ذکر سقراط، ڈارون، موسورگسکی، سوریکوف،

دستوئیفسکی اور ہرتسن ہیں۔ یہ بسٹ گہرائی، ندرت اور فنکار کے مخصوص اسٹائل کی وجہ سے ممتاز تسلیم کئے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں انھوں نے لکھا کہ ہر مجسمہ تراشتے وقت تصور میں وہ بھی اسی زمانے میں پہنچ گئے جس زمانے کا موضوع تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے ہیں: ''مجسمہ بناتے وقت ہمیشہ یہ سوچنا چاہئے کہ ہیرو محنت کش ہے۔''

کونین کوف کو لوگوں کی جو خوبی سب سے زیادہ پسند ہے وہ کام سے ان کی لگن ہے۔ خود وہ عمر کے آخر تک مشقت سے کام کرتے رہے۔ اکثر وہ اسمولنسک علاقے میں اپنے پیدائشی گاؤں جایا کرتے ہیں۔ اس پسماندہ علاقے میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں انھیں دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک سفر کے بعد انھوں نے ''پنچائتی کسان عورت'' اور ''کاراکووچی گاؤں کا سب سے بوڑھا پنچائتی کسان، زوئف'' کے مجسمے بنائے۔ کسان عورت کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے اور اس کا لباس ہوا میں اڑ رہا ہے۔ درخت کی جڑیں تراش کر لباس کی شکنیں دکھائی گئی ہیں۔ اس سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ پرمسرت زندگی اور کسان عورت کا یہ احساس ہے کہ وہ زمین کی مالک ہے۔ انسان کا عروج — سنگتراش کو اسی خیال نے اپنے ہم‌عمر کسان زوئف کا مجسمہ بنانے پر اکسایا جو امارت اور وقار کا نمونہ ہے۔

گورکی کی پوتی مارفنکا کا بسٹ لبھانےوالی نوجوانی کا بھرپور عکس ہے اور پڑپوتی نینوچکا کی شبیہہ میں بچی کے چہرے کی بےساختگی اور اس کے اظہار کیفیت کو بڑی کامیابی سے دکھایا گیا ہے۔

اپنے فن کی بےشمار تخلیقات میں کونین کوف کا خود کا اپنا بنایا ہوا مجسمہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ پہلے فن‌کار تھے جنھیں اس مجسمے کے صلے میں ۱۹۵۷ء میں لینن انعام ملا۔ سنگتراش کا

وجدانی چہرہ جس کے دونوں طرف بالوں کی لمبی لٹیں بکھری ہوئی ہیں، ترشی ہوئی بلند پیشانی، ستواں ناک اور ان کی پرسکون اور پرشکوہ جمی ہوئی نظریں مجسمے کو انسان کی دانش کی طاقت اور اس کی تخلیقی قوت کا نشان بناتی ہیں۔ مجسمے میں ہاتھوں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ یہ محنت کش کے دبلے پتلے لیکن مضبوط ہاتھ ہیں جو تمام عمر سخت اور سرکش خارا اور مرمر کی چٹانوں کو تراشتے رہے اور نرم اور فرمانبردار لکڑی کے لٹھوں کو چابکدستی سے نئی نئی شکلیں دیتے رہے۔ ان ہی ہاتھوں نے تقریباً ۸۰ سال سے زیادہ کام کیا اور کبھی تھکنے کا نام نہیں لیا۔

اس کا اندازہ یوں لگائیے کہ ۱۹۶۰ء میں ۸۶ برس کی عمر میں انھوں نے گوگول کا مجسمہ بنایا۔ اس میں ان کی بلند تخلیقی صلاحیتیں بدستور موجود ہیں۔ زندگی کے آخری دنوں میں کونین کوف نے لینن کا ایک اور مجسمہ تیار کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے فن کار یاروشینکو، سنگتراش ایرزی، فلم ڈائریکٹر الکساندر دوژینکو اور رقاصہ گالینا اولانووا کے دلچسپ بسٹ تراشے۔ کونین کوف نے لینن کے ایک اور یادگاری مجسمے اور تولستائی کے مجسمے کا خاکہ تیار کیا۔

جب بھی میں کونین کوف کے اسٹوڈیو میں داخل ہوتا ہوں میری نظر ان درجنوں مجسموں پر پڑتی ہے جو تیاری کی کسی نہ کسی منزل میں ہیں۔ اور ان سب ہی میں وہ تمام خوبیاں نظر آتی ہیں جو ان کی نوجوانی کی تخلیقات میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں لوناچارسکی کا ادھورا مجسمہ ہے تو وہاں سوریکوف کا نصف پیکر۔ ان سب کو کونین کوف کے زرخیز اور بارآور ذہن نے جنم دیا ہے۔ انھوں نے ہمیشہ نوجوانوں کو نصیحت کی: ''اپنے بازو پوری طرح پھیلا کر اڑو''۔ وہ خود بھی اسی اصول پر عمل پیرا رہے ہیں اور اپنے تخلیقی

تصور کے طاقتور بازوؤں کے بل پر ھی فن کی زندگی میں انھوں نے بلند مقام حاصل کیا ھے۔

اس عظیم سنگتراش کو ۹۰ویں سالگرہ کے موقع پر اشتراکی محنت کے ھیرو کا اعزاز دیا گیا۔ اس طرح ملک نے فن کی ترقی میں ان کی زبردست دین پر اپنے تشکر کا اظہار کیا۔ ان کے ساتھی اور مداح بجا طور پر انھیں سوویت سنگتراشی کا دیوھیکل کہتے ھیں۔

(۸ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو سیرگئی کونین کوف کا انتقال ھوگیا۔)

از: کسینیا کراوچینکو۔

یتیمی سے
صدارت تک

یادگار صادقوونا نصرالدینووا ۱۹۷۰ء میں سوویت یونین کی اعلی سوویت کے قومیتوں کے ایوان کی صدر منتخب ہوئیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کی زندگی میں بےشمار واقعات پیش آئے جو غمگین بھی تھے اور خوشگوار بھی۔ جہاں تک ممکن ہے انھیں میں تاریخ‌وار بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

واقعات کا تسلسل ہمیں اس زمانے میں لے جاتا ہے جب قومیتوں کے ایوان کی صدر تین برس کی تھیں، بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے۔

لوگ اس بچی کو یادگار کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور یہ لڑکے کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ والدین کی یاد میں دیا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی ایسے ازبک لڑکے یا لڑکی سے ملیں جس کا نام یادگار ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ یتیم ہے۔ تو یہ بچی اپنے باپ کی موت کے تین مہینے بعد پیدا ہوئی تھی۔ وہ صرف بیس سال کا نوجوان تھا، خوبرو اور طاقتور۔ صادق ایک زمیندار کے کھیتوں پر کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کپاس کی اکٹھی دو بھاری گانٹھیں اٹھالیں۔ اس کا پیر پھسل گیا اور وہ گھٹنے کے بل گر پڑا۔ تب اپنا پورا زور لگاکر بڑی دقت سے وہ کھڑا ہو پایا اور گانٹھیں اپنی جگہ پہنچا دیں۔ جب گھر لوٹا تو پسینے سے شرابور اپنا کرتا تک نہ اتار سکا۔ وہ وہیں ٹھنڈے فرش پر گر پڑا اور پھر کبھی نہیں اٹھا۔

اس وقت اس کی بیوہ قمرا سولہ سال کی تھی۔ اب وہ کہاں جائے؟ اپنے باپ کے پاس؟ لیکن اس کی تو چار بیویاں تھیں جن میں سے کوئی بھی سگی ماں نہ تھی۔ جب سوتیلی ماں سوتیلی بیٹی کو نہیں چاہتی تو یہ ایک مصیبت ہے اور وہاں تو اکٹھی چار مصیبتیں تھیں! قمرا کو ایک ایسا مرد مل گیا جو اسے اپنی بیوی بنانے پر راضی ہو گیا لیکن اس کی بیٹی یادگار کو ساتھ رکھنے پر تیار نہیں ہوا۔ پڑوس ھی میں ایک بےاولاد خاندان رہتا تھا۔ روایت کے مطابق اپنے

بچے کی پیدائش کے واسطے خدا کو خوش کرنے کے لئے ایک یتیم کو گھر میں رکھنا چاھئے۔ چنانچہ ماں نے یادگار ان کے حوالے کر دی۔ پھر اس سے بے اولاد خاندان کی تمنا پوری ھو گئی، ان کے ھاں بچہ پیدا ھوا۔ جب انھیں یادگار کی ضرورت نہیں رھی تو انھوں نے اسے دوسرے لاولد خاندان کے سپرد کر دیا۔ اس بچی کے ساتھ یہاں بھی خوشی آئی۔ اس طرح یادگار ھر سال ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ھوتی رھی۔ اور سات سال تک یہ بچی دوسروں کے ھاں خوشی لاتی رھی۔

لیکن خود یادگار لفظ ”خوشی،، سے آشنا نہ تھی، بہت سے دوسرے الفاظ کی طرح۔ اسے کون بتاتا کہ ”کتاب،، کیا شے ھے؟ وہ گیارہ برس کی تھی جب اس نے پہلی بار اپنی زندگی میں سفید صفحوں پر سیاہ نشان دیکھے۔ اور یہ بورڈنگ اسکول میں ھوا جو قوقند کے قریب ایک گاؤں کوداش میں کھلا تھا۔ یہاں تقریباً ھر چیز اس کے لئے نئی تھی۔ پہلی سالم ناند نہ کہ روٹی کا ٹکڑا۔ پیوند بغیر اس کا پہلا لباس۔ اس کے پہلے جوتے جو کسی کے اتارن نہیں تھے، جنھیں وہ سوزوں کے ساتھ پہنتی تھی۔ اور اب ان جوتوں کو کوئی آگ میں نہیں پھینک سکے گا جیسا کہ ایک بار اس کے سوتیلے باپ نے کیا تھا۔ خزاں کی ایک شام جب بارش ھو رھی تھی وہ اپنی بیمار ماں کو دیکھنے آئی تھی۔ اور اس نے اپنے بھیگے ھوئے جوتے سکھانے کے لئے چولھے پر رکھ دئے تھے جہاں ھانڈی میں شوربا پک رھا تھا۔ سوتیلے باپ نے اسے اپنے کھانے کی توھین سمجھی، جوتوں کو آگ میں جھونک دیا اور ننگے پیر لڑکی کو سڑک پر گھر سے باھر نکال دیا۔

بعد میں اس نے یہی حرکت اس کی ماں کے ساتھ بھی کی۔ قمرا اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر سب سے بڑی بیٹی کے پاس بورڈنگ اسکول چلی آئی۔ پھر یہ چاروں قوقند روانہ ھو گئے۔ وھاں عرصے تک انھیں جائے رھائش نہیں ملی اور بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن مزید مصائب اور ذلتوں کو گنانے سے کیا حاصل جن کی

5—328

ہماری یادگار شکار ہوئی۔ میں نے قلم اسلئے نہیں اٹھایا کہ قارئین کے دلوں میں رحم کا جذبہ پیدا کروں۔ تو جلد میں آپ کو مزدوروں کی فیکلٹی کے ایک کشادہ ہال میں لے جانا چاہتا ہوں جہاں سن رسیدہ لوگوں کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ لمبا ازبک لباس پہنے ہے اور اس کی رنگیلی ٹوپی کے نیچے گوندھی ہوئی چالیس سیاہ باریک چوٹیاں آویزاں ہیں۔ اس کے سر کی ہلکی سی جنبش سے یہ چالیس چوٹیاں لرزاں ہو جاتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ننھی ننھی چالیس گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

جب یادگار کا داخلہ مزدوروں کی فیکلٹی میں ہوا تو وہ صرف تیرہ برس کی تھی۔ یہاں ایک بزرگ استاد قراشارلی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ وہ اس مکان کے قریب ہی رہتے تھے جہاں آخرکار قمرا اور اس کے بچوں کو سر چھپانے کی جگہ مل گئی تھی۔ ایک دن سڑک پر قراشارلی کو ایک لڑکی دکھائی دی جس کی آنکھیں ان کے خیال میں بےحد غمگین تھیں۔ جلد ہی انہیں اس کی بپتا معلوم ہو گئی۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے۔ لیکن جب اپنے کنبے کے پیٹ بھرنے کا سوال ہو تو کیسے کوئی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ قراشارلی مزدوروں کی فیکلٹی میں ریاضیات اور طبیعیات کے ٹیچر تھے۔ وہاں طلبا کو وظیفہ ملتا تھا۔ ٹھیک ہے وہ کم تھا پھر بھی سہارا ہو سکتا تھا۔ کاش اس لڑکی کو فیکلٹی میں داخلہ مل جائے! لیکن اس نے تو صرف چار سالہ اسکول ختم کیا ہے۔ فیکلٹی میں داخلے کےلئے سات سال کی شرط ہے۔ اور اگر ... لیکن قراشارلی کا خیال پورا کرنے کےلئے آدمی کو ایک خاص کردار کا مالک ہونا چاہئے۔ بوڑھے نے سوچا کہ اس لڑکی کا کردار بالکل ایسا ہی ہے ... وہ مزدوروں کی فیکلٹی کے ڈائرکٹر سے یوں ہمکلام ہوئے: ''یہاں میں دس برس سے پڑھا رہا ہوں۔ ابھی تک میں نے نہ عرضی لکھی ہے اور نہ کوئی درخواست کی ہے۔ یہ میری پہلی التجا ہے۔ آپ اس لڑکی کو اپنے تمام ضوابط کے مستثنی کے طور پر قبول کر

لیجئے ۔ بے شک ، وہ صرف تیرہ سال کی ہے اور اس نے صرف چار برس پڑھا ہے ۔ لیکن اسے آپ میری بیٹی سمجھیں اور اس کی سرپرستی فرمائیں ۔ ماشا اور میں اس کی ہر ممکن مدد کریں گے ۔ ،،

ماشا قراشارلی کی اہلیہ تھیں — ماریا کنستانتی‌نوونا ۔ وہ پیٹرسبرگ میں پیدا ہوئیں اورانھوں نے لڑکیوں کے مشہور بیستوژیف کالج کے شعبہ لسانیات اور تاریخ سے ڈگری حاصل کی ۔ اگرچہ مشرق میں رہتے ہوئے انھیں کئی سال گزر چکے تھے لیکن دل میں وہ پیٹرسبرگ ہی کی باسی رہیں — بیستوژیف کی چیلی ، اپنی نوجوانی کے زمانے کی ریت اور روایات سے وفادار ۔ سخت‌ترین گرمی کے دنوں میں بھی وہ تنگ کالر کا سیاہ اونی لباس زیب تن کیا کرتی تھیں ۔ وہ بےحد پابند انسان تھیں اور اپنے شوہر کے برعکس بہت کم گو ۔ ان کے شوہر مذاق سے کہا کرتے تھے کہ اگرچہ وہ خود خشک‌ترین سائنسوں کے پرستار ہیں ، وہ اپنی ماہر لسانیات بیوی کی خاموشی کا خلا پر کرتے ہیں ۔ ماریا کنستانتی‌نوونا کو دل کی سخت بیماری تھی ۔ اس لئے وہ عرصے سے کام نہیں کررہی‌تھیں ۔ وہ شاذ و نادر گھر سے باہر نکلتیں اور اکثر بستر پر لیٹے لیٹے ہی یادگار کو سبق پڑھایا کرتی تھیں ۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی ۔ انھیں اس لڑکی سے انس ہو گیا تھا جس کا کردار قراشارلی نے بالکل صحیح بھانپا تھا ۔

ہر کوئی انسان اتنا بھاری بوجھ برداشت نہیں کر سکتا — دن کے وقت مزدوروں کی فیکلٹی میں آٹھویں ، نویں اور دسویں جماعتوں کا نصاب پڑھنا اور شام کو ،، گھر کی فیکلٹی ،، میں پانچویں ، چھٹی اور ساتویں جماعتوں کی تعلیم پوری کرنے کے لئے دو بزرگوں کا تلمذ ۔ ماریا کنستانتی‌نوونا یادگار کو روسی زبان ، ادب ، تاریخ اور جغرافیہ پڑھاتی تھیں اور قراشارلی ریاضیات، طبیعیات ، کیمیا اور خاکہ‌کشی میں اس کے استاد تھے ۔ میاں بیوی میں ایک دلچسپ اور پوشیدہ مقابلہ سا رہتا تھا ، یہاں تک کہ دونوں میں یادگار پر تھوڑی بہت رقابت بھی چلتی تھی ۔ فطرتاً

لڑکی احساسات کی دنیا میں ماریا کنستانتی‌نوونا کے زیادہ قریب تھی۔ اس سے بڑے میاں کڑھتے تھے۔ لیکن جب یادگار نے فنون کے بجائے سائنس کی جانب اپنا رجحان ظاہر کرنا شروع کیا تو وہ بڑے ھی فاتح نظر آنے لگے۔ یہ ٹھیک ھے کہ ایک وقت یادگار ان‌پڑھ بالغوں کے ایک گروپ کو ازبک زبان پڑھایا کرتی تھی۔ برسبیل تذکرہ شاگردوں میں اس کی ماں قمرا بھی شامل تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ھے جب وہ مزدوروں کی فیکلٹی کے آخری سال میں پڑھتی تھی ...

ھم نے صدر کی سوانح‌عمری کے تین اور ورق الٹے، ان کی زندگی کی تین اور بہاریں گنائیں۔

اب ھم ان کے ساتھ انسٹی‌ٹیوٹ میں داخل ھوتے ھیں۔

مزدوروں کی فیکلٹی طالب علموں کو تاشقند کے ریلوے انجنیرنگ انسٹی‌ٹیوٹ کے لئے تیار کرتی تھی۔ لیکن بہت سی لڑکیاں یہاں سے ٹیچرس ٹریننگ اور میڈیکل کالج میں بھی جاتی تھیں۔ یادگار کا ان دونوں پیشوں کی طرف کوئی میلان نہیں تھا۔ وہ تو صرف انجنیر بننا چاھتی تھی۔ شروع میں وہ نقل و حمل استعمال کرنے کی فیکلٹی میں شامل ھوئی جہاں ریلوے لائن کے نگرانوں اور اسٹیشن ماسٹروں کی ٹریننگ ھوتی تھی۔ ریلوے تعمیر کرنے‌والے طلبا ان لوگوں پر ”لال ٹوپی“ کی پھبتی کسا کرتے تھے۔ لیکن لال ٹوپی کی پھبتی سے وہ پریشان نہیں ھوتی تھی۔ اسے تو بس یہ فکر تھی کہ وہ انجنیرنگ کا گہرائی سے مطالعہ کرے۔ دوسری فیکلٹی سے فارغ ھوکر آدمی سول انجنیر بن سکتا تھا، ڈیزائن‌ساز یا ریلوے لائن تعمیر کرنے‌والا۔ وھاں تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل تھا اس لئے کہ مادوں کی مزاحمت، سکونیات عمارت، میکینکس، ارض پیمائی — یہ تمام پیچیدہ مضامین وھاں پڑھائے جاتے تھے۔ اور نقشہ‌نویسی بے‌حد زیادہ ... یہ بات کسی اور کے دل میں خوف بٹھا سکتی تھی۔ لیکن ان سب چیزوں کا تعلق بہر حال علم ریاضیات اور حساب کتاب سے ھی تھا اور یہی دونوں مضامین یادگار کو دل سے

پسند تھے۔ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ وہ سول انجنیر بنے گی۔ وھاں لڑکیاں کم تھیں۔ اور یادگار ان میں پہلی ازبک لڑکی تھی۔

پیشے کا انتخاب بہت موزوں رھا ! ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان کی بات ھے جب ھر طرف تعمیری کاموں کی دھوم دھام تھی۔ جدھر دیکھو کچھ نہ کچھ بن رھا تھا۔ خود انسٹی ٹیوٹ بھی ابھی زیرتعمیر تھا — پڑھائی کا نیا بلاک اور ھوسٹل بننا باقی تھے۔ اس کے پتھر چننے والے، پلاسٹر چڑھانے والے، رنگساز سب کے سب طلبا تھے۔ اس کی روح رواں یہی سول انجنیرنگ والی فیکلٹی تھی جس میں یادگار ابھی تعلیم پا رھی تھی۔ کورس کے تمام طالب علم ھوسٹل کی نیو کھودنے میں، بنیاد ڈالنے میں، دیواریں اٹھانے میں جٹے ھوئے تھے۔ کیا لطف کی بات ھے کہ آدمی ایسے کمرے میں رھے جس کی دیواریں خود اس کے ھاتھوں نے چنی ھوں۔

اس کے کمرے میں چار لڑکیاں رھتی تھیں — یادگار، ولیدہ عین الدینووا، انیوتا کریونچوک اور نتاشا ژوراولیوا۔ ماریا کنستانتی نوونا نے جو کچھ پڑھایا تھا وہ رائگاں نہیں گیا۔ یادگار اچھی خاصی روسی جانتی تھی۔ لیکن اس کی ساتھ والیاں روسی بول چال میں اس سے بہت تیز تھیں۔ وہ بہت سی باتیں نہیں سمجھ سکتی تھی۔ ولیدہ تاتاری باپ اور روسی ماں کی بیٹی جو ازبکستان میں پیدا ھوئی تھی اس کے لئے ترجمان کا کام کرتی تھی۔ جب کوئی بات یادگار کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اکثر پوچھ لیا کرتی تھی: ”ولیدہ نیما دیدی!“، یعنی ولیدہ تم بتاؤ، انھوں نے کیا کہا۔ یہ تینوں لفظ وہ اتنی تیزی سے بولتی تھی کہ ”ولیدہ‌نیمادیدی“، ایک لفظ معلوم ھوتا تھا۔ اسی لئے سکھی سہیلیوں نے اس کا نام ھی ”ولیدہ‌نیمادیدی“، رکھ دیا تھا۔ اور یہ نام اتنا مشہور ھوا کہ پورے انسٹی ٹیوٹ میں پھیل گیا۔

ایک دن ٹیلی فون پر ادھر سے کسی کی ھنستی کھیلتی آواز آئی: ”ولیدہ‌نیمادیدی، سلام۔“، یادگار فوراً پہچان گئی کہ یہ آواز اس

کی ہے اور چلائی '' انیوتا ! ،، انیوتا کریونچوک اپنے اسٹیشن کے کسی سرکاری کام سے تاشقند کے ریلوے دفتر آئی ہوئی تھی۔ دونوں سہیلیوں نے شام پرانی یادوں میں ڈوب کر گزاری۔ یادگار نے میز کی نچلی دراز کھولی۔ پھر دونوں نے مل کر طالب‌علمی کے زمانے کے نوٹس، نقشے، مزاحمتی مادوں کا حساب کتاب، ٹریڈ یونین کے کاغذات، لکچروں کے وقت لکھے ہوئے ذاتی نوٹ، کھیل کود کے سرٹیفکٹ اور بیج وغیرہ غرض کہ یہ انگڑ کھنگڑ پھر سے آنکھوں کے سامنے سجایا۔ اس میں انھوں نے ایک چھوٹا سا نیلا بیج بھی دیکھا جس پر تین حروف کھدے ہوئے تھے : ب۔ ف۔ ک۔ انیوتا دیکھتے ہی پکاری '' میرے پاس بھی ایسا ہی ہے۔ ،،

ب۔ ف۔ ک ... یعنی بڑی فرغنہ کنال ! یہ بیج ان سب لوگوں کو دیا جاتا تھا جو ۴۵ دنوں کے '' حشر ،، میں شریک ہوتے تھے۔ لفظ حشر کا مترادف روسی زبان میں نہیں ہے۔ ایک طرح اس کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ مل کر کسی محنت کے کام میں جٹ جائیں۔ پرانے زمانے میں جب کبھی اس قسم کی مہم آن پڑتی تھی، جیسے نہر کھودنا ہے، سڑک بنانا ہے تو سب ازبک لوگ اس کے لئے نکل پڑتے تھے۔ لیکن وادی فرغنہ میں ابھی تک ایسا کوئی حشر نہیں ہوا تھا۔ دو لاکھ آدمیوں نے ایک ساتھ کدال اٹھائے اور پھر زمین میں گاڑ دئیے۔ ڈیڑھ مہینے کے اندر وادی میں ۲۷۰ کلومیٹر تک نہر کا پاٹ بن گیا۔ اور اس پر دریا رواں ہو گیا تاکہ دشت و بیابان کی پیاس بجھائی جائے ... ان دو لاکھ لوگوں میں مزدور بھی تھے اور طالب علم بھی۔ ان میں تھے سطح پیما، فورمین، کام کے نگران۔ زمین کا وہ چپہ جہاں یادگار نے سطح پیمائی کا کام کیا تھا قوقند کے بالکل نزدیک تھا، یعنی اس کے آبائی وطن کے نزدیک۔ ایک بار یہاں ایک بوڑھا ازبک لباس پہنے، بھاری بھر کم، اونچے قد کا شخص آیا۔ سر پر فرغنہ کی سیاہ و سفید کارچوبی ٹوپی مڑھی ہوئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کام کرنے والوں

پر نظر گاڑے ہوئے ایک طرف کھڑا دیکھتا رہا۔ یادگار نے جو نظر اٹھائی تو کیا دیکھتی ھے کہ بڑے میاں نے خود بھی کدال اٹھا لیا اور دوسروں کے ساتھ کام میں لگ گئے۔ انداز صاف بتا رہے تھے کہ اس کے ھاتھ کدال کے عادی ھیں۔ یہ تھے یولداش اخونبابائیف، رپبلک کے صدر۔ یادگار کو ان کی زندگی جو کتابوں میں لکھی جا چکی تھی معلوم تھی۔ یہ شخص کبھی کھیت مزدور تھا، خانہ جنگی کا سورما، بسماچیوں کےلئے قہر۔ بھلا کبھی یادگار یہ خیال بھی کر سکتی تھی کہ ایک دن وہ خود ان کی جگہ لےگی اور ۲۰ برس بعد رپبلک کی صدر کی حیثیت سے تاشقند میں اخونبابائیف کے مجسمے کی نقاب کشائی کرےگی جنھیں لوگ محبت اور احترام سے "اشرف الاشراف" کہتے تھے۔

مگر ابھی صدارت کی کرسی دور تھی۔ ابھی تو وہ قطعہ کورغان کے مصنوعی تالاب کی تعمیر کے ایک شعبہ کی افسر اعلے تھی۔ دوسری بار پھر وہ وقت آیا جب طالبعلموں کو اپنا اپنا تعلیمی سلسلہ چھوڑ کر جائےتعمیر پر آنا پڑا۔ اور اس بار ڈیڑھ مہینے کےلئے نہیں بلکہ چھہ مہینے کے لئے۔ کیا اس سے تعلیمی نتائج پر اثر نہیں پڑےگا؟ یقینی پڑےگا، لیکن بہتر معنوں میں۔ کلاس روم میں بیٹھ کر سکونیات عمارت پر لکچر سننا ایک بات ھے اور تعمیری ٹھکانوں پر ان سکونیات سے جدوجہد کرنا دوسری بات۔

قطعہ کورغان روانہ ھونے سے پہلے ان طالب علموں کو کمیونسٹ پارٹی کے شہری کمیٹی کے دفتر بلایا گیا۔ وھاں کسی ذمےدار رفیق کو ان سے گفتگو کرنی تھی۔ یادگار اس سے ڈری ھوئی تھی۔ عین ممکن ھے کہ اس کی شخصیت دیکھ کر وھاں یہ خیال کیا جائے کہ ابھی وہ کچی ھے اور سر فہرست سے اس کا نام کاٹ دیا جائے۔ جب پارٹی کمیٹی کے ذمےدار کامریڈ سفر پر روانہ ھونےوالوں کو ھدایات دے رہے تھے تو سارے وقت وہ کنکھیوں سے اس لڑکی کو دیکھتے رہے۔ انھوں نے انسٹیٹیوٹ کی پارٹی کمیٹی کے سکریٹری سے کچھ کاناپھوسی کی۔

اور سکریٹری نے بھی سرگوشی ھی میں جواب دیا ۔ لیکن یادگار کے کانوں میں بھنک پڑ گئی : '' ھاں ، ھے تو چھوٹی سی ھاتھ بھر کی ... مگر کام چلا لے گی ۔ ،، ظاھر ھے کہ یہ جملہ خود اسی کے بارے میں کہا گیا تھا ۔ حاضرین میں سب سے چھوٹی وھی تھی، ھاتھ بھر کی ۔ پھر شہری کمیٹی کے رفیق نے اس کے ذاتی کاغذات اٹھائے، اس کی سوانح دیر تک پڑھتے رھے ۔

چند برس بعد قسمت ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملائے گی ۔ وہ ملیں گے اور محبت کرنے لگیں گے — یادگار اور سراج ۔

یہاں سے ھم پھر واقعات کی رفتار کے ساتھ چلتے ھیں اور قطعہ کورغان کی طرف واپس آتے ھیں ۔ یہاں تعمیر کا کام چل رھا تھا ۔ لیکن ایک گرہ پڑ گئی — تعمیر کے ایک شعبہ کی انچارج اور چیف انجنیر میں اختلاف کی صورت پیدا ھو گئی ۔ بظاھر سب ٹھیک ٹھاک تھا ۔ چیف انجنیر بڑے مزے سے اپنی ڈگر پر چلا جا رھا تھا ، یعنی وہ انچارج یادگار کو برابر نظر انداز کر رھا تھا — اسے اس چھوٹی سی لڑکی سے کوئی کد نہیں تھی مگر وہ اسے انجنیر کیسے مان لے ؟ وہ خود ھزاروں کلومیٹر کی سڑکیں اب تک بنوا چکا تھا ۔ لیکن اس کل کی چھوکری کے پاس کیا ھے ؟ چالیس چوٹیاں ۔ ان لوگوں کو مصنوعی تالاب کے چاروں طرف ایک راستہ بنانا تھا ۔ ریلوے لائن دو ڈھلانوں کے درمیان گذرتی تھی ۔ ڈھلان کا ڈیزائن کس قسم کا ھونا چاھئے ؟ انچارج نے تیز ڈھلان کا ڈیزائن تجویز کیا ۔ زمین اس کے لئے موزوں تھی ، وہ کافی سخت تھی ۔ چیف انجنیر بےخیالی سے اس کی دلیلیں سنتا رھا اور پھر فوراً ہی کو اپنا نمونہ پیش کیا جو ھلکی ڈھلان والا تھا ۔ اس کے لئے بلا سے اگر زمین زیادہ کھودنا پڑے ، زیادہ محنت اور پیسہ صرف ھو مگر اس کی رائے میں ، کام زیادہ قابل بھروسہ ھوگا ۔ یادگار نے مٹی کے کئی نمونے آزمائے ، کئی بار حساب کتاب جوڑا اور بہت سے لوگوں سے مشورہ لیا جن میں ماھرین ریلوے لائن ، ارض پیما ، عالم ارضیات سب ھی شامل تھے ۔ آخرکار اس ٹکنیکی بحث میں وہ اس بزرگ لیکن ضدی انجنیر سے

بازی جیت گئی۔ لیکن اس بات پر وہ یادگار سے ناراض نہیں ہوا بلکہ اس ہاتھ بھر کی چھوکری کا کردار اسے اور بھی اچھا معلوم ہونے لگا۔

ابھی تک اس نے انجنیرنگ کا ڈپلومہ حاصل نہیں کیا تھا لیکن اس کام میں اس کا تجربہ بڑھ رہا تھا۔ قطعہ کورغان کے بعد انگرین کی باری آئی۔ یہاں شروع ھی سے پورا تعمیری علاقہ اس کی نگرانی میں تھا۔ چرچکس کی دلدل میں سے ایک بہت کٹھن راستہ پاٹنا تھا ... یہ لیجئے ڈپلوما بھی مل گیا اور کام بھی — تاشقند ریلوے پر لائن کی مرمت کرنے والے انجنیر کا کام۔

اس کے فوراً ھی بعد ان کی زندگی میں تیز موڑ آیا۔ پہلے انھیں محلے کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی کانفرنس کے لئے چنا گیا۔ محلے نے شہری کانفرنس کے لئے منتخب کیا۔ اور شہر نے پورے علاقے کے لئے۔ پھر علاقے سے رپبلک کی کانگرس کے لئے ڈیلی گیٹ مقرر ہوئیں۔ رپبلک کی کانگرس نے انھیں مرکزی کمیٹی میں بھیج دیا۔ اور مرکزی کمیٹی کے اجلاس نے انھیں اسکولوں کا سکریٹری بنا دیا۔

جنگ چھڑے ابھی پہلی بہار تھی۔ یوکرین سے، وسط روس سے، بالٹک کے ساحلی علاقوں سے دھڑا دھڑ لڑکوں لڑکیوں کے جتھے تاشقند آنے لگے۔ شہر میں نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبروں کے چندے سے یتیم خانہ کھولا گیا تھا اور اسے ازبک نوجوان کمیونسٹ لیگ کا نام دیا گیا تھا۔ جو کمیشن بچوں کو اپنے ذمے لے کر اس یتیم‌خانے میں بھیجتا تھا، یادگار اس کی صدر تھیں۔ آج بھی وہ اس کی نگراں کمیٹی کی چیرمین ھیں ... کچھ عرصہ ھوا جب ماسکو میں ازبک فنون کا دس روزہ جشن منایا گیا تھا تو یادگار نے رپبلک کی صدر کی حیثیت سے نمایاں فن‌کاروں کو اعزازی تمغے تقسیم کئے۔ ان میں ایک نوجوان خاتون تمارا یونسووا بھی تھیں جنھیں لوک ناچ پیش کرنے میں خاص شہرت حاصل ھے۔ بھرے ھوئے ہال میں حاضرین نے دیکھا کہ یادگار نصرالدینووا نے اس عوامی رقاصہ کو گلے لگا لیا۔ لیکن کسی کے کانوں

تک ان کے یه الفاظ نه پہنچے : '' پیاری تمارا ، تجھے مبارک ھو ...،،
جب یه تار ملا که علاقے کی پارٹی کمیٹی کے سابق سکریٹری یونسوف محاذجنگ پر کام آئے تو اس وقت یتیم‌خانے میں تمام جگہیں ٦٥ بچوں سے بھری ھوئی تھیں - تار ملتے ھی ان کی بیٹی تمارا کے لئے جگه نکال لی گئی - اس کا ٦٦ واں نمبر تھا -

ایک روز یتیم‌خانے کی ڈائرکٹر انتونینا پاولوونا خلیبشکینا نے فون کیا - یه وھی خاتون تھیں جو کبھی نوجوان کمیونسٹ لیگ میں ساتھ کام کر چکی تھیں - وہ فون پر بولیں : '' یادگار ، یاد ھے تمہیں ویتالی لیونوف — گلیبسکی ؟ ،، جنگ کے دنوں میں اس لڑکے کو مرکزی کمیٹی میں ایک کرنل گلیبسکی لے کر آئے تھے - لڑکے کا نام تھا لیونوف - کرنل نے اس لاوارث بچے کو ضلع لینن گراد کے ایک ایسے گاؤں میں پایا تھا جسے جرمنوں سے آزاد کرایا جا چکا تھا - اس کے باپ کو جو دیہی پنچایت کا صدر تھا ، نازیوں نے پھانسی پر چڑھا دیا تھا اور ماں لاپته تھی - کرنل نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا اور بہت سی لڑائیوں میں اپنے ساتھ لئے پھرا - اب یه کرنل گلیبسکی مزید ٹریننگ کے لئے تاشقند آئے ھوئے تھے اور ھوسٹل میں ٹھہرے تھے - ان کا کوئی کنبه نہیں تھا - انھوں نے درخواست کی که گود لئے ھوئے اس لڑکے کو وقتی طور پر یتیم‌خانے میں جگه دی جائے - لڑکے کو سپرد کرکے کرنل پھر محاذ جنگ پر چلے گئے اور وارسا کے نزدیک کام آئے ... خلیبشکینا نے کہا : ''ویتالی نے خط لکھا ھے اور حسب معمول اس بار بھی خط منظوم ھے ، اگرچه وہ میجر ھو گیا ھے - لڑکپن سے ھی اس کی فطرت میں شاعری تھی - ،،

یادگار کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی زندگی بڑی ھی شاندار تھی - وہ دن بھر مدرسوں میں ، پائنیر دستوں میں ، پیشہ‌ورانه اسکولوں میں ، بچوں کے ٹکنیکل مرکزوں میں اور بچوں کے آرٹ گھروں میں گھومتی پھرتی تھیں - ایک بار انھیں نوجوان کمیونسٹ لیگ کے بیورو میں پہنچنے کی جلدی تھی ، دیر ھو گئی تھی اور ان کے خیال میں ٹرام بالکل رینگ

رھی تھی۔ گرمی کے دن تھے ، ھوا بند تھی۔ انھوں نے کھڑکی کھولی اور اپنا سر باھر نکال لیا۔ اتنے میں برابر سے گزرتے ھوئے ایک لڑکے نے ان کی ٹوپی جھپٹ لی۔ وہ فوراً ھی چلتی ٹرام سے اس کے پیچھے کود گئیں۔ لڑکا جھپٹ کر چلا۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ جس شخص سے وہ بھڑ رھا ھے وہ ۱۰۰۰ میٹر کی دوڑ میں ریپبلک کا انعام جیت چکی ھے۔ لڑکا بھی دوڑ میں بہت تیز تھا۔ شائد وہ بھی چمپین رہ چکا تھا۔ پہلے تو دونوں سڑک پر تیز تیز چلے ، پھر لڑکا گلی میں مڑا اور سبزیوں کے باغیچے کی طرف دوڑ لیا۔ لڑکی بھی تیزی سے آ رھی تھی۔ دونوں کے درمیان فاصلہ کم رہ گیا۔ اب ظاھر تھا کہ لڑکی اسے جا پکڑنے والی ھے۔ لونڈے نے ایک چال چلی۔ اس نے ٹوپی ایک طرف دور کو پھینکی مگر یادگار جو پیچھے لپکی چلی آ رھی تھیں انھوں نے ٹوپی کی جانب توجہ ھی نہیں کی۔ وہ تو ھر قیمت پر اس نالائق کو پکڑنے کی فکر میں تھیں۔ آخرکار جھپٹ کر انھوں نے اس کا گریبان تھام لیا اور ایک تھپڑ جما دیا۔ اب ان کا سارا غصہ کافور ھو چکا تھا۔ پھر دونوں ٹرام اسٹاپ کی طرف صلح و آشتی سے باتیں کرتے ھوئے چلنے لگے۔ یادگار نے اس سے معلوم کیا کہ وہ کس اسکول میں پڑھتا ھے۔ اور ٹرام اسٹاپ آتے آتے اتنی ساری باتیں اس کے بارے میں معلوم کرلیں جو شائد کسی تفتیش سے بھی نہ کھلتیں۔ ویسے عقل کی روشنی میں دیکھئے تو نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی کی سکریٹری کو اس طرح سڑک پر لڑکوں کا تعاقب کرنا زیب نہیں دیتا۔ خود یادگار کو بھی اس کا احساس تھا کہ وہ بے تکی سی سکریٹری ھیں۔

بعد میں جب انھیں وزارت میں شامل کیا گیا تب بھی وہ پہلے کے وزیروں سے کچھ مختلف ھی نکلیں۔ پہلے کے وزیر دفتر آتے اور آرام سے اپنی کرسیوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ مگر جب یادگار کو کمیونسٹ پارٹی کی علاقائی کمیٹی کے اول سکریٹری کے عہدے کے فوراً بعد تعمیری سامان کی صنعت کا وزیر مقرر کیا گیا تو وہ کہیں تیسرے مہینے اپنے

دفتر میں آئیں۔ دو مہینے انھوں نے سیمنٹ، اینٹ اور شیشے کے کارخانوں کے چکر لگا کر گزار دئے...

ریپبلک کی مجلس وزارت کی نائب وزیراعظم کی حیثیت سے تعمیر کی نگران، ٹرانسپورٹ کے سارے شعبوں اور رسل و رسائل کی انچارج کے فرائض پورے کرنے میں یادگار نے اپنی زندگی کے سات سال گزار دئے۔ اگر ان برسوں کی تفصیل لکھی جائے تو ان تمام تعمیری اداروں کا ذکر کرنا ہوگا جو اس عرصے میں ریپبلک میں انجام پائے — بڑے طاقتور بجلی گھر، مثلاً کیراک قوم یا انگرین کے بجلی گھر، نئے کارخانے جیسے کہ چرچک میں دھاتوں کے سخت مرکبوں کا کارخانہ، سمرقند میں سپرفاسفیٹ کا کارخانہ، نئی سڑکیں، فضائی اڈے، گیس پائپ لائنیں، سوویت مشرق میں پہلا ایٹمی ری ایکٹر، تاشقند میں پہلا زبردست ٹیلی ویژن سنٹر اور عالیشان اسٹیڈیم "پختہ کور"۔ انھیں کے زمانے میں رہائشی مکانوں کی تعمیر بڑے پیمانے پر ہوئی۔

ان سب مرحلوں سے گزر کر یادگار صادقوونا نصرالدینووا ازبک ریپبلک کی کرسی صدارت پر بیٹھیں۔

وسط اکتوبر کے اس زمانے میں جب ریپبلک اپنا کپاس چننے کا سالانہ منصوبہ پورا کر رہی تھی اور صرف ایک فیصلہ کن قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ سال میں تیس لاکھ ٹن کپاس کا ریکارڈ ٹوٹے، ایسے وقت کام کے ھجوم میں میں نے ریپبلک کی صدر کو دیکھا ہے۔ ایک نظر ھی میں محسوس کیا جا سکتا تھا کہ ساری ریپبلک اور اس کی ساری آبادی اس زبردست کارنامے کو انجام دینے کے لئے کتنا زور لگائے ہوئے تھی۔ یادگار ان دنوں ایک ایک کھیت کا چکر لگاتی تھیں۔ خوارزم کی قدیم ترین سرزمین کو بھی ان کے پیروں نے چھوا جو اس بار لوگوں کو ایسی بھرپور فصل دے رہی تھی جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔

میں نے ریپبلک کی صدر کو اس کنبے کے بیچ میں بھی دیکھا جہاں مجھے زلفیہ کا انٹرویو لینے کا موقع ملا تھا۔ امریکی اخباروں نے اس نو

6*

ساله زلفیه کو '' نجات‌یافته ،، کا لقب دیا۔ اسریکی نامہ‌نگاروں نے جبر دی کہ ماں چاہتی تھی بیٹی اسکول ٹیچر بنے لیکن اس کے برعکس بیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بیلے رقاصہ بنےگی۔ سیں شہادت دیتا ہوں کہ زلفیہ بڑے پکے ارادے کی لڑکی نکلی ، چھٹی کلاس کے طالب‌علم اپنے بڑے بھائی بختیار کے برخلاف وہ اپنے منصوبے پر قائم رہی۔ بختیار نے مختلف پیشوں سیں جانے کے ارادے بار بار بدلے اور اپنے مستقبل کےلئے کوئی ٹھوس فیصلہ نہ کر پایا۔

سیں نے رپبلک کی صدر کو ایک پنچائتی فارم کے چیرسین اسماعیل سرسانوف کے ساتھ بات‌چیت کرتے دیکھا۔ یہ صاحب فارم '' یانگی حیات ،، (حیات نو) کے چیرسین ھیں۔ وہ وسط فرغانہ سے آئے ہوئے تھے جہاں زمینیں کچھ عرصہ پہلے بےکاشت پڑی ہوئی تھیں اور جنھیں آج‌کل زیرکاشت لایا جا رہا تھا۔ نئی زمینوں کو توڑنے کےلئے عام طور سے حکومت رقم لگاتی ھے۔ لیکن سرکزی فرغنہ سیں اس خرچ کا آدھا حصہ پنچائتی فارموں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ دو لاکھ ھیکٹر زمین کاشت کےلئے تیار کرنی تھی۔ کئی پنچائتی فارموں کو ملاکر ایک کونسل بنائی گئی تھی ، خاص ان ھی کاموں کی نگرانی کےلئے۔ اور اس کونسل کا چیرسین رپبلک کی صدر کو چنا گیا تھا... وہ اسماعیل سرسانوف کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ کئی بار ان کے فارم '' یانگی حیات ،، بھی جا چکی تھیں۔ یہ صاحب نئی زمینیں توڑنے سیں پیش‌رو تھے۔ تین سال سے وھیں رہتے تھے ، اور مزے سیں رہتے تھے۔ اس دن جب ان سے میری ملاقات ہوئی وہ ایک نازک مسئلے پر بات کرنے کے لئے صدر کے پاس آئے تھے ، ایک چھوٹی سی دشواری پیش تھی۔ پنچائتی فارم سے دو بہت ھی ہونہار لڑکوں کو میڈیکل کالج سیں تعلیم دینے بھیجا گیا تھا تاکہ فارم کے پاس اپنے ڈاکٹر ہوں۔ جو نوجوان باہر سے آتے تھے وہ زیادہ دنوں نہیں ٹھہرتے تھے اس لئے کہ انھیں یہاں کی آب و ھوا پسند نہیں ہوتی تھی۔ ان سیں سے چار جا چکے تھے۔ لیکن یہ دو لڑکے بھاگنےوالے نہیں تھے ،

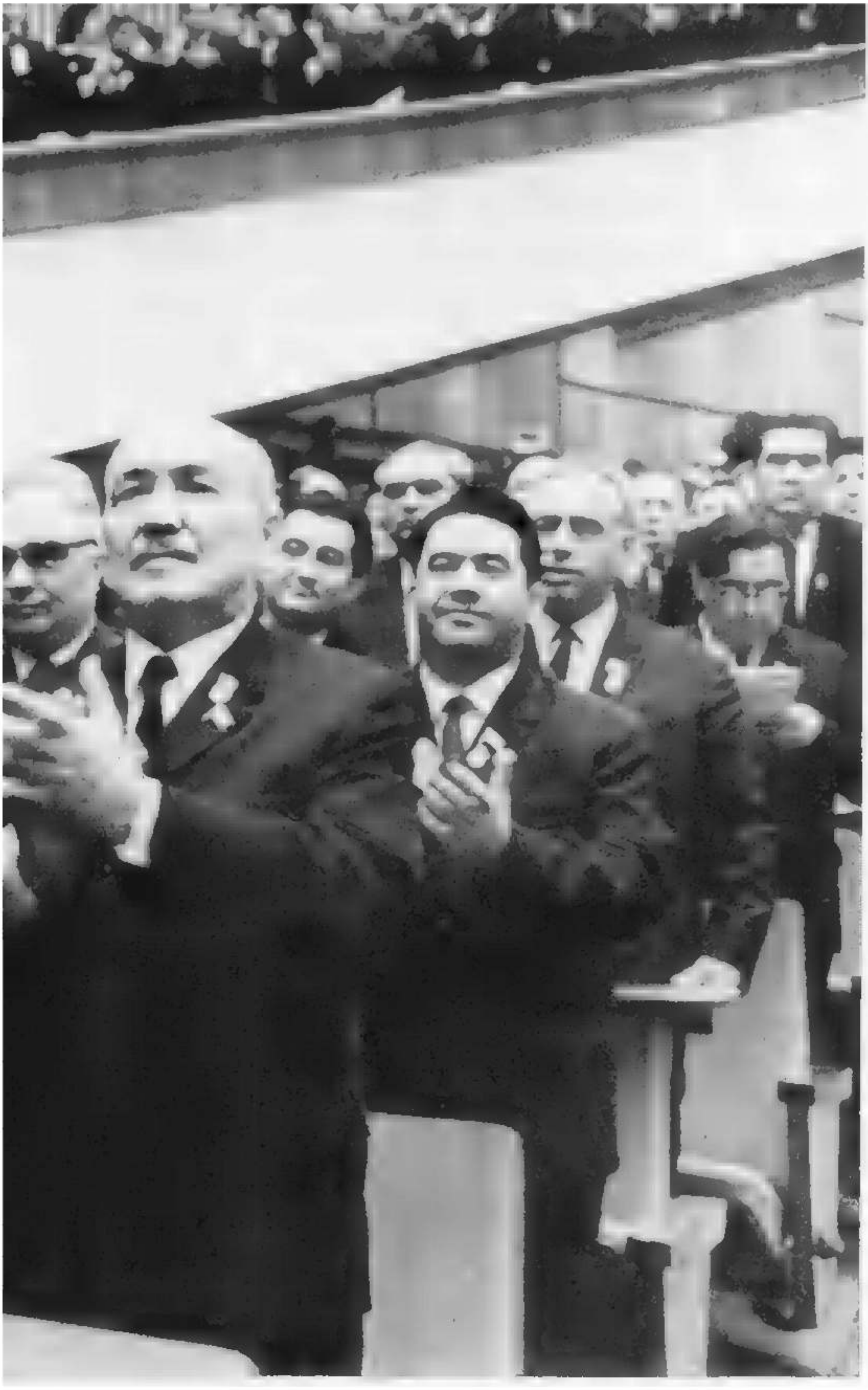

یہ تو اپنے لوگ تھے ۔ تاہم ایک مشکل یہ آن پڑی کہ وہ داخلے کے امتحان میں ایک ایک مضمون میں فیل ہو گئے ۔ اب کیا کیا جائے ؟ وہ پھر سے امتحان دیں ؟ اسی مسئلے کو حل کرنے کےلئے فارم کے چیرمین رپبلک کی صدر سے ملنے آئے تھے ۔ بستی میں آبادی بڑھ رہی تھی ، ڈاکٹروں کی ضرورت تھی ۔ اس سال ۱۷ بچے پیدا ہوئے تھے ... یادگار نے پوچھا ”حیاتوئے کا کیا حال ہے ؟ “ فارم کے چیرمین نے یہ سنا تو مسکرا دئیے ۔ یہ ان کی بیٹی تھی ۔ دس برس کی ازدواجی زندگی میں ان کے ھاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ۔ لیکن نئی زمینوں پر آتے ھی ایک بچی پیدا ھوئی اور فارم کے نام کی مناسبت سے اس کا نام حیاتوئے رکھدیا گیا ۔ لڑکی کا یہ نام کیا برا ہے !

میں نے صدر کو رپبلک کی پارلیمنٹ کے دوران اجلاس کی ڈائس پر بھی دیکھا ۔ اجلاس کا ماحول جشن کا سا اور سنجیدہ تھا ۔ یہاں ایک خاص مسئلہ درپیش تھا کہ پچاس هزار هیکٹر سے زیادہ زمین رپبلک ازبکستان کے علاقے سے نکال کر پڑوسی تاجکستان کو دی جائے ۔ قوموں کے درمیان دوستی کی یہ کتنی حسین مثال تھی ! اور اس مسئلہ پر رپبلک کی صدر کو تقریر کرنا تھی ۔ وہ ڈائس پر سیاہ لباس میں ملبوس ، سیدھی مانگ نکالے ہوئے ڈائس پر کھڑی ھوئیں ۔ میں نے ان پر نظر ڈالی ۔ پھر تصور میں ایسا دکھائی دیا کہ ایک دبلی پتلی لڑکی سامنے کھڑی ھوئی ہے ، وہ لمبا ازبک لباس پہنے ہے اور اس کی رنگیلی ٹوپی کے نیچے چالیس باریک چوٹیاں جھانک رہی ھیں ، چالیس ننھی ننھی گھنٹیاں ...

از : اے ۔ استارکوف

ایک سو
ایجادوں کا مالک

۱

شہر کی سڑکوں پر حسب معمول بھیڑبھاڑ تھی۔ الکسئی سالینکن جب اپنے کارخانے آ رہے تھے تو اتفاقاً ان کی مٹھ بھیڑ بچپن کے ایک دوست سے ہو گئی۔

"ارے الکسئی! کہو کیا حال ہیں؟" دوست نے اپنے اسکول کے پرانے ساتھی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا جو اب بھی اسی طرح دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا تھا۔ "کہاں رہتے ہو؟ کیا کام کر رہے ہو؟ ان برسوں میں جو گزری سب بتاؤ۔"

الکسئی نے مختصر جواب دیا:

"بلب کے کارخانے میں کام کرتا ہوں۔ خاصے تیس برس ہو گئے ہیں۔"

"اچھا، یہ تو بتاؤ پوزیشن کیا ہے؟"

"معمولی۔ مستری ہوں۔ مجھے اپنا کام پسند ہے، اچھا ہے اور دلچسپ بھی۔"

الکسئی سالینکن نے دیکھا کہ ان کے دوست نے جھینپ کر گردن جھکا لی گویا زبان سے کوئی بےتکا سوال نکل گیا ہو۔ پھر وہ بولا:

"ہاں، ٹھیک ہے بھائی۔ آخر مزدوروں کی بھی تو ضرورت ہے۔ کام زیادہ سخت تو نہیں ہے؟"

دوست کے اس جملے سے الکسئی کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔ انھوں نے طنزاً مسکراتے ہوئے کہا:

"آسان بھی نہیں ہے۔ لیکن مجھے شکایت بھی نہیں ہے۔"

دوست تمام گفتگو کے دوران الکسئی کی باتوں پر دھیان دئے بغیر اقرار میں سر ہلاتا رہا۔ پھر وہ رخصت ہونے کے لئے تیار ہوا اور سالینکن سے ہاتھ ملاتے ہوئے فلسفیانہ انداز میں کہنے لگا:

"ہاں، زندگی بھی عجیب مذاق ہے۔ اچھا تو پھر ملاقات رہے گی۔"

الکسئی سالینکن نے اسے خدا حافظ کہا اور کارخانے پہنچنے تک سارے راستے سوچتے رہے۔ بچپن کے دوست سے اتفاقیہ ملاقات کے بعد آدمی کا دماغ ضرور کام کرنے لگتا ہے۔ وہ بیتے ہوئے دن یاد کرتا ہے — پہلے وہ کیسا تھا ، اس زمانے میں وہ کن باتوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ پھر وہ ان کا حال کی حقیقتوں سے مقابلہ کرتا ہے ، ان چیزوں سے جو اسے حاصل ہو چکی ہیں۔ اور سوچتا ہے کہ کیا اس نے کوئی غلطی کی اور اگر دوسرا فیصلہ کیا ہوتا تو کیا اس کی حالت مختلف ہوتی؟

سالینکن اب اس سڑک پر تھے جو انہیں کارخانے لے جاتی تھی۔ اس کا انتخاب خود انھوں نے کیا تھا۔ دوست سے ملنے کے بعد اب اس سوال کا جواب دینا ضروری ہو گیا تھا — کیا انھوں نے صحیح راستہ اختیار کیا ؟

ادھیڑ عمر کا وہ شخص بظاہر خوشحال معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے کے پرانے مانوس خدوخال الکسئی کے ذہن میں اس طرح ابھر رہے تھے جیسے کسی دھندلے آئینے میں صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اس شخص نے مجھے بدنصیب سمجھا۔ اس نے مجھ پر ترس کھایا ... لیکن سالینکن اس پر غصے نہیں ہوئے۔ انھوں نے سوچا کہ بعض لوگ پوزیشن اور تنخواہ کو ، خطاب اور ڈگری کو ، اعزاز اور ڈپلومے کو ھی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ سالینکن ان چیزوں کے خلاف نہیں تھے لیکن انہیں سب سے زیادہ اہم بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اگر اس کے دوست کو معلوم ہوتا کہ اوورکوٹ کے نیچے ان کے سینے پر اشتراکی محنت کے ہیرو کا سنہری تمغہ لٹک رہا ہے تو یقینی وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جاتا۔ سالینکن کو اپنے تمغے پر فخر تھا لیکن صرف اسی کو وہ زندگی کا مقصد نہیں سمجھتے تھے۔ زندگی کا مقصد کیا ہے ؟ اس سوال پر وہ پہلے بھی کئی بار سوچ چکے تھے۔ اور اب دوست سے اچانک ملنے کے بعد وہ اس پر اور بھی زیادہ سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔

۲

یہ سب کیسے شروع ہوا ؟

الکسئی ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ ایک روز وہ غیرمعمولی ماچس کی ڈبیہ اسکول لائے۔ اس میں سے موسیقی اور اناؤنسر کی آواز نکلتی تھی !

اپنے دوستوں کو انھوں نے بتایا کہ یہ ”ٹرانسسٹر“ ہے۔

طبیعیات کے ٹیچر دیر تک ڈبیہ کا معائنہ کرتے رہے — کبھی اس کے اندر جھانکتے، کبھی اسے کان سے لگاتے۔ پھر انھوں نے دلچسپی سے پوچھا :

”خود بنایا ہے اسے ؟“

الکسئی شرما گیا اور مثبت میں سر ہلا دیا۔

”ہونہار معلوم ہوتا ہے تو۔ ہاتھ بھی ہنرمند ہیں۔“

الکسئی جب بھی اس ڈبیہ کو دیکھتے خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ جب وہ یاد کرتے کہ حلقے بنانے میں، چھوٹے چھوٹے پرزے جوڑنے میں اور باریک تاروں کو جھالنے میں انھوں نے کتنی شامیں گزاریں تب کہیں جا کر یہ ”ٹرانسسٹر“ بنا تو وہ اور بھی زیادہ خوش ہوتے تھے۔

اس واقعہ کو ایک زمانہ گزر گیا۔ الکسئی مالینکن حرفتی اسکول ختم کرنے کے بعد اچھے ہنرمند مزدور بن گئے۔ انھیں اپنے کام سے دلچسپی تھی اور اسے اچھی طرح پورا کرتے تھے۔ کئی سال بیت گئے۔ اور وہ مستری ہی رہے۔ لیکن کام میں ان کی مہارت بڑھتی گئی اور آہستہ آہستہ ان کے تجربے اور ٹکنیکی ہنر میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ سب مستقبل میں کئی اہم باتوں میں ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔

... ابتدائی پانچ‌سالہ منصوبوں کا دور آیا اور ختم ہو گیا۔ پھر پارٹی نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ٹکنیک اور انجنیرنگ پر عبور حاصل کریں اور اسے پوری طرح استعمال کریں۔ الکسئی مالینکن نے فوراً اس

اپیل پر لبیک کہا ۔ ایک روز وہ ورکشاپ کے انچارج کے پاس آئے ۔ آنے سے پہلے انھوں نے آخری تفصیل تک تمام باتوں پر خوب غور کر لیا تھا ۔ وہ انچارج سے مخاطب ہوئے :

” روسان الکساندرووچ ، میں ان شیشوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ،، ۔ پھر وہ ان کے متعلق آسان زبان میں سمجھانے لگے ۔ انچارج فوراً موضوع سمجھ گئے اور الکسئی کو اپنے کمرے کے اندر لا کر بولے :

” اپنی گفتگو جاری رکھو ۔ ،،

اس موضوع سے انچارج کی دلچسپی قابل فہم تھی ۔ شیشوں کا مسئلہ ایک مدت سے ان کےلئے درد سر بنا ہوا تھا ۔ خریدار کئی بار شیشوں کی شکایت کر چکے تھے ۔ مزدوروں کی میٹنگوں میں ان پر کافی بحث کی جا چکی تھی ۔ مسئلہ یہ تھا کہ مولبڈینم کے کانٹے لگاتے وقت شیشے کی نازک نلیاں تڑخ جاتی تھیں ۔ اسے حل کرنے کےلئے کئی تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور نقصان بدستور جاری رہا ۔

انچارج کا چہرہ امید و بیم کا مرقع تھا ۔ انھوں نے پھر اس نوجوان مزدور کو دیکھا اور اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا :

” مجھے سب تفصیل کے ساتھ بتاؤ ۔ ،،

الکسئی نے بتایا کہ موجودہ گرم کرنے کا طریقہ صحیح نہیں ہے ۔ اگر اسے بدل دیا جائے تو دھات کے کانٹے شیشے میں اتنی ہی آسانی سے پیوست ہو سکتے ہیں جیسے مکھن میں چھری ۔ اس طریقے سے شیشے میں شگاف نہیں پڑیں گے اور کارخانہ بھاری نقصان سے بچ جائے گا ۔

یہ سب سن کر انچارج آخر میں بولے :

” اچھا ، تو اس طریقے کو آزماؤ ۔ ،،

الکسئی اسی دن سے اس کام میں جٹ گئے ۔ پہلے یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آئی تھی کہ یہ کام بہت زیادہ مشکل ہوگا ۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا یہ حقیقت واضح ہوتی گئی کہ ہر نئے خیال کی تکمیل

کے راستے میں سیکڑوں انجانی اور غیرمتوقع مشکلات اور پیچیدگیاں حائل ہوتی ہیں۔ اگر کم مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا تو یہ حیرت کی بات ہوتی۔ یہ زندگی کا ایک قانون ہے کہ خیال جتنا زیادہ جری ہوتا ہے اسے عملی جامہ پہنانے کا راستہ بھی اتنا ہی زیادہ خاردار ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس قانون کے مستثنیات بھی ہیں، لیکن بہت ہی کم۔ الکسئی نے اپنے کام پر کافی وقت اور محنت صرف کی۔ آخرکار وہ گرم کرنے کے آلوں کی صحیح تعداد اور ٹھیک طرز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ دراصل انھوں نے پوری مشین ہی نئے سرے سے بنا ڈالی۔

جب وہ دو بارہ انچارج سے ملے تو انھوں نے گرمجوشی سے الکسئی سے ہاتھ ملایا اور کہا: "ہونہار معلوم ہوتے ہو تم۔"

ایک بار الکسئی سالینکن کے ورکشاپ نے لینن گراد میں بلب کا کارخانہ دیکھنے کے لئے ایک گروپ نامزد کیا۔ کارخانے کا نام حسین روسی لڑکی کے نام پر ہے — "سویتلانہ"۔ انچارج نے الکسئی کی بھی سفارش کی۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا:

"ابھی اسے اتنا تجربہ نہیں ہے کہ وہ ایجادوں اور کارگزاری کے متعلق اچھے مشورے دے سکے۔"

اس پر رومان الکساندرووچ نے اعتماد سے جواب دیا: "دے گا، آئندہ ضرور مشورے دے گا۔"

الکسئی اور ان کے ساتھی مزدور لینن گراد روانہ ہو گئے۔ یہ سفر انھیں اچھی طرح یاد ہے۔ اس کارخانے میں ماسکو کے مقابلے میں بہت سے مسئلے بالکل مختلف طریقے سے حل کئے گئے تھے۔ الکسئی نے لینن گراد اور ماسکو کے طریقوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ٹکنیک کے پوشیدہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس قطعی نتیجے پر پہنچے کہ کوئی بھی ٹکنیک مکمل نہیں جس کو بہتر بنانے کی گنجائش نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تحقیقات کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جب الکسئی ماسکو لوٹے تو ان کے ذہن میں ایسے ہی خیالات موجزن تھے۔

۳

۱۹۴۱ ء میں جنگ شروع ہو گئی۔ بلب کے کارخانے کے بہت سے مزدور وطن کی مدافعت کرنے کےلئے محاذ پر چلے گئے۔ الکسئی بھی سوچتے رہتے تھے کہ ان کی جگہ محاذ جنگ ہے۔ کارخانے میں اگرچہ وہ روزانہ مقررہ کام سے ڈیڑھ گنا زیادہ کام کر رہے تھے لیکن اس سے ان کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

ایک دن کارخانے میں جلسہ ہوا۔ جب جلسہ ختم ہو گیا تو مزدور ایک ایک کرکے اس میز کے پاس آئے جہاں صدر اور دوسرے عہدیدار بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بڑے کاغذ پر دستخط کرنے لگے۔ الکسئی مالینکن بھی ان لوگوں میں تھے جنھوں نے حفاظت وطن کےلئے سب سے پہلے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں۔ اس روز وہ بڑے سکون سے گھر آئے، اس احساس کے ساتھ کہ انہوں نے اپنا فریضہ پورا کر لیا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد الکسئی اپنے دوسرے مزدور ساتھیوں کے ہمراہ لام بندی کے مرکز بلائے گئے۔

وہاں انہیں قطار میں کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا۔ یکایک الکسئی نے سنا کہ ان کا نام پکارا جا رہا ہے۔ وہ سپاہی کی طرح ایک قدم آگے بڑھ گئے۔

افسر نے بہ آواز بلند کہا: ”مالینکن، ہمیں ابھی اطلاع ملی ہے کہ کارخانے کو تمھاری ضرورت ہے۔“

الکسئی یہ سوچ سوچ کر دل میں گھٹتے کہ وہ محفوظ عقب میں ہیں، اور کارخانے میں خاموش اکیلے گھومتے رہتے تھے۔ ان کے دوست سب کچھ سمجھتے تھے اور کبھی ایسی بات زبان سے نہیں نکالتے تھے جس سے وہ ناراض ہوں۔

۱۹۴۲ء میں سردیوں کی ایک صبح کو ماسکو کے ھوائی اڈے پر ایک ھوائی جہاز اترا۔ اس کے بازو گولیوں سے چھلنی ھوگئے تھے۔ وہ لینن گراد سے فاشستوں کا محاصرہ توڑ کر بہت ھی قیمتی سامان لایا تھا — ریڈیو کے بلبوں کےلئے تار کی جالیاں بنانےوالی دو چھوٹی مشینیں۔ سوویت صنعت کو ریڈیو کےلئے بلبوں کی سخت ضرورت تھی۔ اس لئے مشینوں کو فوراً نصب کرنا اور انھیں چالو کرنا تھا۔ مشینیں بلب کے کارخانے کو حوالے کر دی گئیں۔ یہاں ان کے استعمال کے بارے میں ماھروں کی میٹنگ ھوئی۔ پتہ چلا کہ ان کی ٹکنیک کوئی بھی نہیں جانتا۔ مشینیں چلانے کےلئے ایک بہت ھی قابل ماھر کی ضرورت تھی۔ یہ اھم ذمےداری الکسئی سالینکن کے حصے میں آئی۔

”اچھا، ٹھیک ھے،، کہہ کر سالینکنؔ نے یہ کام قبول کر لیا۔ پھر پوچھا: ”ٹکنیکی تفصیلات کہاں ھیں؟،،

جواب یہ ملا: ”یہی تو مصیبت ھے۔ ھمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ھے۔ وہ تو لینن گراد میں رہ گئیں۔ تمھیں خود ھی کسی نہ کسی طرح کام چلانا ھوگا۔،،

الکسئی کو ایک ایسے شعبے کا سربراہ بنا دیا گیا جس کا وجود ھی نہیں تھا۔ ابتدا میں تمام کام ھاتھ سے کیا جاتا تھا۔ مزدور لڑکیاں ایک لمبی میز پر ٹنگسٹن سے ریڈیو بلب کےلئے تار تیار کیا کرتی تھیں۔ جب بھی الکسئی ان کے پاس سے گزرتے وہ دل میں کہتے: ”فی الحال صبر سے کام لو۔ ھم اس سے بہتر طریقہ معلوم کریں گے۔،، روز کام کے بعد الکسئی اس مسئلے پر دماغ لڑاتے۔ آخرکار وہ دن آ گیا جب ریڈیو بلب کےلئے تار کی جالی مشینوں سے بنائی جانے لگی۔ یہ دن تمام کارخانے میں ایک تقریب کی طرح منایا گیا۔

سب لوگوں نے الکسئی کو مبارکباد دی: ”شاباش! تم نے بڑا اھم کام انجام دیا ھے۔،،

یہ سن کر الکسئی نے محسوس کیا کہ ان کے سینے پر سے ایک بڑا بوجھ اٹھ گیا۔ انھوں نے با عزت طریقے سے ایک اہم کام پورا کیا تھا۔ وہ عقب میں دشمن کے خلاف لڑ رہے تھے اور کامیابی حاصل کر رہے تھے۔

۴

تار کی جالیاں بنانےوالی ورکشاپ دھوپ سے روشن تھی۔ ہر طرف مشینوں کا یکساں شور سنائی دے رہا تھا۔ یہاں غیرآہنی دھات کے تقریباً نظر نہ آنےوالے ریشوں سے تار کی جالیاں تیار کی جا رہی تھیں جو ریڈیو بلب کےلئے بےحد ضروری ہیں۔

ایک ایسا شخص جو اس قسم کے کام سے ناواقف ہے اس کےلئے یہ منظر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ ورکشاپ بھی دوسری ورکشاپوں کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ یہاں مشینیں بھی دوسری مشینوں جیسی ہیں اور جہاں تک کام کا تعلق ہے تو وہ بھی ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ لیکن اگر آپ میں تجسس کی عادت ہے، اگر آپ جدید صنعت اور ٹکنیکی ترقی سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اگر آپ کو تحقیقات اور ایجادوں کی داستانیں سننے کا شوق ہے تو ایک بار ماسکو کے بلب کارخانے کی جالیاں بنانےوالی ورکشاپ ضرور دیکھئے۔ یہاں آپ کو بیش بہا معلومات حاصل ہوں‌گی۔ یہ ورکشاپ بڑی حد تک الکسئی مالینکن‌کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

آئیے، ذرا اس ورکشاپ کی داستان کے چند ورق الٹیں۔ یہاں ہمیں جستجو اور تحقیقات کے متعلق الکسئی مالینکن کی ابتدائی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل ہوگی۔ دراصل اپنی زندگی بھر وہ ایسی ہی باتوں کے گرویدہ رہے ہیں۔

ایک روز ورکشاپ کے انچارج نے کہا: ”اب اس طرح کام بالکل

نہیں چلے گا۔ ہمیں پھر ریڈیو کے بلبوں کے خلاف شکائتیں ملی ھیں۔ تار کی جالیوں میں گڑبڑ معلوم ھوتی ھے۔ انھیں درست کرنے کی کوشش کرنا چاھئیے۔ ،،

ورکشاپ‌والوں نے غور و خوص کرنے کے بعد کہا : ,, ہم نے گڑبڑ معلوم کرلی — یہ مشینوں کا نقشہ تیار کرنےوالوں کی غلطی ھے۔ ،،

پھر نقشہ تیار کرنےوالے سر جوڑ کر بیٹھے اور کافی دیکھ بھال کے بعد اس فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے : ,, تار کی جالی مشین میں تیار ھوتے وقت اینٹھ جاتی ھے۔ اس کے ذمےدار ٹکنالوجی کے ماھر ھیں۔ ،، مالینکن نقشہ تیار کرنےوالوں اور ٹکنالوجی کے ماھروں کے درمیان صلح و آشتی کراتے رھے۔

دراصل مسئلہ بہت ھی پیچیدہ تھا۔ کارخانے میں وقت اتنا کافی نہیں تھا کہ الکسئی وھاں یہ مسئلہ حل کر سکتے۔ چنانچہ انھوں نے گھر پر ایک چھوٹی سی ورکشاپ بنالی جو نہایت ھی صحیح آلے سے لیس تھی۔ اسی ورکشاپ میں وہ نازک تجربے کرتے رھے۔ اس میں نقشہ تیار کرنےوالے ، ٹکنیک کے ماھر اور مزدور ان کا ھاتھ بٹاتے تھے۔

آخرکار ان کی جانفشانی کا پھل مل گیا۔ انھوں نے جالی کا نقشہ بدل دیا تھا اور اس کے بنانے کا نیا ٹکنیکی طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان کے تخمینے کے مطابق اب جو تار کی جالیاں تیار کی گئیں وہ ٹھیک اور بالکل بیضوی شکل کی تھیں۔ چنانچہ ریڈیو کے بلب بھی اپنا کام ٹھیک کرتے تھے۔ جب دوسرے کارخانوں کے ماھروں نے مالینکن کی اس ایجاد کی خبر سنی تو وہ جوق در جوق بڑے اشتیاق سے ان کے کارخانے آئے۔ الکسئی نے بڑی خوشی کے ساتھ انھیں اپنے تجربوں سے روشناس کیا۔

چند روز کے بعد مالینکن کو بڑے تکلفات سے ایجاد کا پیٹنٹ سرٹیفکٹ عطا کیا گیا۔ تخلیقی کام جاری رھا۔

۵

مزدور لڑکیاں سفید چوغوں میں ملبوس جھکی ہوئی ریڈیو بلب کے انتہائی باریک حصوں کو جوڑنے میں مصروف تھیں ۔ اپنے ھاتھوں میں خاص سوئیاں لئے ہوئے وہ ہر جالی پر پچاس باریک تاروں کو صحیح جگہ پر بٹھا رہی تھیں ۔ ان کی ایک ذرا سی بھی غلطی سے ریڈیو بلب ناقص بن سکتا تھا ۔ کیوں ؟ اس لئے کہ بلب کے اندر جالیاں ایک دوسرے کے اندر پیوست کی جاتی ھیں ۔ اگر ایک لائن پر غلطی ھو تو دوسری لائن پر کام کرنےوالیاں اندرونی جالی کے لچھے کے سامنے بیرونی جالی کا لچھا ٹھیک نہیں جما سکتیں ۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ ان کے درمیان فاصلہ محض ملی‌میٹر کا دسواں حصہ ھوتا ھے !

اس سے آپ کے ذھن میں ایک تصویر ابھر آنا چاھئے ۔ درجنوں قطاروں میں لڑکیاں سفید چوغے پہنے ہوئے جالی کے باریک تار ٹھیک کر رہی ھیں جنھیں آنکھ مشکل سے دیکھ سکتی ھے ۔ اس سے آدمی تھک جاتا ھے اور کبھی غلطی بھی کر سکتا ھے ۔ اگلی لائن پر مزدور لچھوں کو جوڑنے کا کام کر رہی ھیں ۔ ناقص جالیوں پر ان کی نظر نہیں پڑتی ۔ نتیجہ ؟ ناقص بلب ۔ ظاھر ھے کہ خریدار ناراض ھوتے ھیں اور کارخانے سے مطالبہ کرتے ھیں : ” یہ گھپلا کب ختم ھوگا ؟ ،،

اس مسئلے پر مالینکن نے بارھا غور کیا ۔ انھوں نے بہت سے حل سوچے لیکن مسئلہ اپنی جگہ باقی رہا ۔ مشکل یہ تھی کہ جو تار لڑکیاں استعمال کرتی تھیں وہ اتنے باریک تھے کہ ھاتھ سے انھیں بالکل صحت کے ساتھ جمانا تقریباً ناممکن تھا ۔

اکثر جب ھم موجدوں کا ذکر کرتے ھیں تو لفظ ” اتفاق ،، بھی زبان پر آجاتا ھے ۔ دراصل ” غیر متوقع ،، حل کے پس منظر میں موجد کی سالہا سال کی تحقیق اور صبرآزما مشق ھوتی ھے ۔ الکسئی مالینکن کے ساتھ بھی یہی ھوا ۔

ایک دن جب وہ آئینے کے سامنے اپنے بالوں میں کنگھا کر رہے تھے تو انھیں مسئلے کا حل مل گیا۔ بظاھر اسے اتفاق کہا جا سکتا ھے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ ان کے سیکڑوں تجربوں اور سیکڑوں ھی آزمائشوں اور غلطیوں کا نتیجہ تھا۔ بہرحال، الکسئی نے صحیح حل پا لیا۔

جب الکسئی سالینکن بالوں میں کنگھا کر رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ کنگھا بڑی آسانی سے ان کے بالوں سے گزرتا ھے اور ایک ایک بال کو اپنی جگہ مناسب طریقے سے جما دیتا ھے۔ آخر اسی اصول کو کیوں نہ استعمال کیا جائے ؟ دھات کے باریک تار کنگھی سے جمائے جا سکتے ھیں۔

خیال ایک بات ھے اور عمل دوسری چیز۔ الکسئی نے بے شمار نقشے بنائے، نمونے تیار کئے، بار بار انھیں آزمایا اور ناامید ھو کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ عرصے تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ھوا۔ اس موقع پر محکمے کے سربراہ میخائیل کاؤفمان کام آئے۔ ان کے مشورے کے مطابق پھر لمبا چوڑا حساب لگایا گیا۔ اعداد کی لمبی لمبی سطروں سے کاغذ بھر گئے۔ ”کنگھی،، زیادہ پیچیدہ ھوتی گئی حالانکہ تیارشدہ حالت میں اسے ھتیلی پر رکھا جا سکتا تھا۔

”لیجئے، تیار ھے،، دھات کی کنگھی کو خوشی سے ھوا میں اچھالتے ھوئے الکسئی نے انچارج سے کہا۔

میخائیل کاؤفمان کھڑے ھو کر اسے اس طرح تکنے لگے جیسے کہ مسحور ھو گئے ھوں۔ ”کنگھی،، پر ھفتوں مشقت کی گئی تھی، دکھ درد برداشت کیا گیا تھا اور خوشیاں بھی منائی گئی تھیں۔ دیکھنے میں وہ دھات کا ایک نازک سا ٹکڑا تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کام کرنے میں کیا ”کنگھی،، کامیاب رھے گی؟

”کیا خیال ھے، دھوکہ تو نہیں دے گی؟،،

”ٹھیک ھی چلے گی۔،،

7—328

چھوٹے سے قد کے دبلے پتلے سالینکن ڈھیلا ڈھالا چوغہ پہنے ہوئے ایک سب سے زیادہ تجربےکار مزدور عورت رئیسہ کے پاس آئے اور کہا :

” ذرا ادھر آنا - “

انھوں نے رئیسہ کے ہاتھ سے سوئی لےکر الگ رکھدی - پھر نیا آلہ مشین میں لگا دیا - وہ محسوس کر رہے تھے کہ مزدور لڑکیوں کی نظریں ان پر جمی ہوئی ھیں -

” ٹھیک - اب اسے چلاؤ - “

رئیسہ نے پیر سے پیڈل دبایا اور مشین چل پڑی - ” کنگھی “ جالی کو آھستہ آھستہ چھونے لگی - رئیسہ اپنی سوئی پھینکتے ہوئے بولیں :

” اب اس نگوڑی کی مجھے کیا ضرورت ھے - “

لیکن الکسئی نے ٹوکا :

” تھوڑا انتظار اور کرلو - اتنی جلدی کی کیا ضرورت ھے - “

انھوں نے تار کی جالی اٹھائی اور ایک خاص خوردبین کے نیچے اسے رکھ‌کر دیکھا کہ ” کنگھی “ نے اپنا کام ٹھیک کیا ھے یا نہیں - جالی بالکل بےعیب تھی -

۶

ریڈیو بلب کے اندر تار کی جالی اتنی باریک ہوتی ھے کہ مشکل سے دیکھی جا سکتی ھے - اسے بہتر بنانے پر کتنا وقت اور کتنی محنت کھپانا پڑی - جالی کا ڈیزائن اب بہتر تھا اور ٹکنالوجکل عمل بھی مناسب تھا - معلوم ھوتا تھا کہ مسئلہ اب حل ھو چکا ھے - لیکن مشین کا نقشہ تیار کرنےوالے بلینوف سے مختصر سی بات‌چیت کرنے کے بعد پتہ چلا کہ پھر بدنصیب جالیوں کا ستارہ گردش میں ھے - انھوں نے کہا :

”بہتر ہے کہ اس ٹکنیکی عمل میں ایک اور اضافہ کیا جائے۔ جالیوں کے کھردرے سروں کی وجہ سے سب کام کی مشین بندی نہیں ہو رہی ہے۔“

بظاہر یہ فقرہ زیادہ گمبھیر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن الکسئی مالینکن کو اس مشکل لیکن دلچسپ کام پر پورے پانچ برس صرف کرنا پڑے۔

اسی دن وہ ورکشاپ گئے اور دیر تک دیکھتے رہے کہ جالیاں کس طرح کاٹی جا رہی ہیں۔ انہیں چاقو کاٹ رہے تھے۔ مالینکن نے بڑی احتیاط سے ایک جالی اٹھائی اور اسے جانچا۔ جالی کے سرے واقعی کھردرے تھے۔ جب ابرق کے پتر ان کے اوپر رکھے جاتے تو کھردری سطح کے باعث وہ چٹخ جاتے یا ان کے پرت اتر جاتے تھے۔ یہ نقص لڑکیاں ہاتھ سے کام کرتے ہوئے دور کر سکتی تھیں لیکن مشینوں کے لئے یہ ناممکن تھا۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ مسئلہ حل کرنے میں پورے پانچ برس لگ گئے۔ مالینکن کی حالت اس اندھے کی سی تھی جو چیزوں کو ہوا میں ٹٹولتا ہے۔ اس وقت اس موضوع کے متعلق معلومات بھی برائے نام تھیں۔ بہرحال انہیں اپنی اس صلاحیت پر اعتماد تھا کہ وہ ہمیشہ مسئلے کا حل تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ ثابت قدم رہے۔ ان کا مقولہ تھا کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔

مالینکن کو ایک خیال آیا — جالیاں مکینکل طریقے کے بجائے بجلی سے کیوں نہ کاٹی جائیں؟ یہ ایک جری اور دلکش خیال تھا۔ اب ضرورت یہ تھی کہ اسے عمل میں لایا جائے۔ آلہ تیار کیا جائے، اسے چلا کر اس کی آزمائش کی جائے۔ لیکن یہ مشکلات کی ابتدا تھی۔ شروع میں جو حساب کتاب لگایا گیا وہ صحیح نہیں تھا۔ پھر نقشے میں غلطیاں نکل آئیں۔ اور آخر میں مشین نے بغاوت کر دی۔

ایسے موقعوں پر جب ہر چیز الٹی نکلتی ہے تو الکسئی مالینکن کے اوصاف اور بھی ابھر آتے ہیں۔ اگرچہ آس پاس تذبذب اور ہچکچاہٹ

کا ماحول تھا لیکن وہ ہمیشہ کی طرح اٹل اور مستقل مزاج رہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ مستقل مزاجی اور صبر کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

آخرکار وہ دن آگیا جس کا انتظار تھا۔ انجنیروں، فٹروں اور مزدور لڑکیوں سے گھرے ہوئے الکسئی مالینکن اپنی مشین کے سامنے بیٹھے اور اسے چلانے لگے۔ ہر طرف سے ان کی جانب مشتاق ھاتھ بڑھے۔ سب کو نئی کٹی ہوئی جالیاں مل گئیں۔ ورکشاپ میں تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اب جالی کے سروں کا ٹیڑھاپن دور ہو گیا تھا اور وہ سگار کی نوک کی طرح بالکل ہموار تھے۔

یہ نئی مشین ایک شفٹ میں ۲۵ — ۲۰ ہزار جالیاں تیار کرتی تھی۔ شروع میں جب دوسری مشینیں نہیں تھیں تو لڑکیاں بلب کے مختلف حصے ھاتھ سے ہی جوڑا کرتی تھیں۔ اب انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی، ان کا کام آسان ہو گیا تھا۔ ابرق کو جالی کے سروں پر رکھنا اور جالی کو حاجز میں استواری سے کھڑا کرنا — یہ کام چند سیکنڈ میں پورا ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد ورکشاپ میں خودکار مشینیں نصب کر دی گئیں۔ انہیں دیکھ کر بلینوف نے کہا: ''شاباش،،۔ یہ وہی نقشے تیار کرنےوالے تھے جنھوں نے مالینکن کو جالیوں کے سرے ٹھیک کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مالینکن کے لئے یہ تعریف بڑی اہم تھی۔ بلینوف تجربےکار ڈیزائن‌ساز تھے اور سائنس کے ڈاکٹر۔ ایسے شخص کی زبان سے تعریف کے لفظ واقعی معنی رکھتے تھے۔

۷

ایک روز کارخانے کی کارکردگی اور ایجادوں کے شعبے کے نگراں نے الکسئی مالینکن کو بات‌چیت کےلئے بلایا۔ گفتگو کا موضوع غیر معمولی

تھا - نگراں نے یہ نہیں پوچھا کہ کام کے متعلق ان کے تازہ‌ترین خیالات کیا ھیں - وہ پرانی باتوں ، پرانے خیالات اور مشینوں کو بہتر اصولوں پر چلانے کے ان کے پرانے مشوروں کے بارے میں سوالات کرتے رہے جن پر مدت سے عمل ھو رھا تھا - بعض وقت شعبے کے نگراں سامنے میز پر رکھے ھوئے کاغذ پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے نظر ڈالتے اور خود ھی سالینکن کے کام پر تبصرہ کرنے لگتے تھے - کبھی وہ الکسئی سے سوال کرتے اور کاغذ پر کچھ لکھنے لگتے - آخر میں حساب لگا کر انھوں نے بتایا کہ سالینکن کارخانے میں اپنے کام کے دوران میں ٹکنیکی عمل کو بہتر بنانے کےلئے سو مشورے پیش کر چکے ھیں -

سالینکن نگراں کی باتیں دلچسپی سے سنتے رہے - خاص کر سو کی پوری تعداد سن کر انھیں خوشی ھوئی - لیکن ابھی تک وہ گفتگو کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے - بات‌چیت ماضی کے متعلق کیوں ھے ، حال اور مستقبل کے بارے میں کیوں نہیں ھے ؟ آخرکار نگراں نے راز افشا کر ھی دیا :

” ھم سے تمھارے متعلق اور تمھارے کام کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے کہا گیا ھے - کام کے برسوں میں تم نے کارخانے کو جو دین دی ھے ھم اس کا خاکہ تیار کر رہے ھیں - “

چند دن بعد کارخانے میں اعلان ھوا کہ الکسئی سالینکن کو اشتراکی محنت کے ھیرو کا اعزاز عطا کیا گیا ھے -

سارے کارخانے سے لوگ ، جانے اور انجانے ، سب ھی ان کے پاس آئے اور گرمجوشی سے مبارکباد دی -

سالینکن اعزاز سے خوش ضرور تھے لیکن ساتھ ھی ان کے دل میں ایک چبھن سی تھی - وہ سوچ رہے تھے کہ آخر وہ کس قسم کے ھیرو ھیں ؟ زندگی میں انھوں نے ایسے کون سے کارھائے نمایاں انجام دئے ھیں کہ انھیں ھیرو کہا جائے ؟

پھر یہ چھوٹے سے قد کا دبلاپتلا آدمی ڈھیلا ڈھالا چوغہ پہنے

ہوئے لوگوں کی محبت سے متاثر ہو کر مسکرا دیا جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے ۔ مجمع میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جسے الکسئی کو یہ بلند اعزاز ملنے پر حیرت ہوئی ہو ۔ ہر شخص جانتا تھا کہ انھوں نے برسوں تک کارخانے کی جو خدمت کی ہے یہ اس کا جائز انعام ہے ۔ الکسئی مالینکن نے اپنی روح کی گہرائیوں میں ایک روشن شعلہ محسوس کیا ۔ اور جب انھوں نے اپنی زندگی پر نظر دوڑائی تو وہ بامقصد معلوم ہوئی ۔

الکسئی کے ساتھ کام کرنےوالوں نے اپنے اعتماد اور محبت کا ایک اور اظہار کیا ۔ ان کی جانب سے وہ سوویت یونین کی پارلیمنٹ کے امیدوار نامزد کئے گئے ۔

۸

کئی سال تک الکسئی مالینکن سے میری ملاقات نہیں ہوئی ۔ لیکن اخباروں سے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ اپنی ورکشاپ کا کام بہتر بنانے کےلئے اسی پرانے جوش و خروش ، محنت اور سرگرمی سے نئے نئے مشورے دے رہے ہیں ۔ پھر اخباروں نے ان کے بارے میں لکھنا بند کر دیا ۔ پتہ چلا کہ وہ سخت بیمار ہیں ۔

جب وہ اچھے ہو گئے تو میں ان سے ملا ۔ مجھے خدشہ تھا کہ اتنی طویل اور سخت بیماری نے کہیں ان کی اختراعی صلاحیتوں پر برا اثر نہ ڈالا ہو اور توانائی سلب نہ کر لی ہو ۔ لیکن مالینکن پہلے کی طرح تیز قدموں سے کمرے میں داخل ہوئے ۔ اگر کچھ فرق نظر آتا تھا تو بس یہی کہ ان کی پیشانی پر اور آنکھوں کے کونوں میں لکیریں بڑھ گئی تھیں ۔ اور گھنگریالے بالوں میں کہیں کہیں سفید دھاریاں دکھائی دیتی تھیں ۔ باقی وہ بالکل پہلے کی طرح تھے — سوویت صنعت کی ترقی اور اسے بہتر بنانے کی لگن میں ڈوبے ہوئے ۔

لمبے وقفے کے بعد جب الکسئی مالینکن کارخانے آئے اور اندر ورکشاپوں پر نظر ڈالی تو انھیں بڑی تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ پچھلے چند برسوں میں کارخانہ بہت بڑھ گیا تھا اور اسے پہچاننا مشکل تھا۔ کارخانہ پہلے صرف بجلی کے قمقمے اور ریڈیو بلب تیار کرتا تھا۔ اور اب وہ نیون (Neon) کے لیمپ بنا رہا تھا۔ جب وہ نوٹس بورڈ پڑھ رہے تھے تو لفظ "ریڈیو الکٹرونکس" نے ان کی توجہ مبذول کی۔ واقعی یہ نئی چیز ہے! یہ ایک بالکل نئی سائنس ہے اور نئے سائنسی مسئلوں کی پوری دنیا کو محیط کئے ہوئے ہے۔ اس کا تعلق راڈر سے، ریڈیو اسپیکٹروسکوپ سے، ریڈیو موسمیات سے اور کمپیوٹروں تک سے ہے۔

اس پیچیدہ اور پرجوش نئی دنیا میں فٹر انجنیر، غیر محدود معلومات کے مالک مالینکن اپنا مقام تلاش کرنے لگے۔ اب پھر وہ جستجو اور تحقیق کے نئے میدان میں قدم رکھ رہے تھے۔

"اب ہم سائنس کے بہت قریب آگئے ہیں"، ایک مرتبہ مالینکن نے کہا۔ سائنس کے قریب کیسے آئے، اس کی اپنی دلچسپ داستان ہے۔

جب مالینکن اپنی ورکشاپ آئے تو وہاں انھیں ایک بات سے بڑی کوفت ہوئی۔ کارخانے کی تعمیرنو کے بعد ان کی ورکشاپ ایک بڑی ہوادار عمارت میں منتقل ہو گئی تھی۔ یہاں کام کرنے کے حالات پہلے کے مقابلے میں بہتر تھے۔ لیکن ایک چیز کو نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ یہ تھی مالینکن کے ذہن کی تخلیق — تجرباتی تحقیقاتی ورکشاپ۔ چنانچہ انھوں نے آتے ہی مشورہ دیا کہ ایک تجرباتی تحقیقاتی گروپ بنایا جائے۔ ڈائرکٹر نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور پوچھا:

"گروپ کی رہنمائی کون کرے گا؟"

مالینکن نے جواب دیا: "ظاہر ہے، ولینتین وارلاسوف!"

میں وارلاسوف کے متعلق سن چکا تھا۔ ماسکو کے باؤمان نامی اعلی ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ سے فارغ ہوکر وہ مالینکن کے کارخانے میں کام کرنے

لگے تھے ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست تھے ۔ انھوں نے مل جل کر تار کی جالیاں بہتر بنانے کی ٹکنیک دریافت کی تھی ۔ اب وارلاموف انجنیر تھے اور ڈاکٹر کی ڈگری کے لئے مقالہ تیار کر رہے تھے ۔ میں سوچنے لگا :
” لوگ کتنی تیزی سے ترقی کرتے ھیں ۔ “

گروپ میں واردلاموف اور مالینکن کے علاوہ دو مزدور لڑکیاں گالیتسکایا اور دیونووا اور چند دوسرے لوگ شامل تھے ۔ جلد ھی اس گروپ کے کام کے نتائج برآمد ھونے لگے ۔

ایک دن الکسئی مالینکن نے مسکراتے ھوئے کہا : ” ھم نے ایک اھم کام انجام دے دیا ھے ۔ “

پھر وہ اس کی وضاحت کرنے لگے ۔ خلاصہ یہ تھا : انھوں نے سراسک کی ایک خاص جالی بنانے کا نیا طریقہ دریافت کیا ھے ۔ اس نئے طریقے کی انقلابی اھمیت کا اندازہ یوں ھو سکتا ھے کہ پہلے جالیوں کی جتنی تعداد ایک مہینے میں تیار ھوتی تھی اب وہ ایک شفٹ میں تیار ھونے لگے گی !

شاباش ، الکسئی مالینکن ! جس چیز میں بھی وہ ھاتھ ڈالتے ھیں اس میں انھیں کامیابی ھوتی ھے ۔ پریوں کی کہانی کی طرح خاتمہ اچھا ھی ھوتا ھے ۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ان کے ھاتھ میں جادو کی کوئی چھڑی ھے جسے ھلا کر وہ اپنی خواھش پوری کرتے ھیں ۔ غالباً الکسئی نے میرے یہ خیالات بھانپ لئے اور کہنے لگے :

” یہ مت سمجھئے کہ میں ھر چیز میں آسانی سے کامیاب ھو جاتا ھوں ۔ دوسروں کی طرح مجھے بھی نشیب و فراز سے سابقہ پڑتا ھے ۔ کبھی کامیابی ھوتی ھے تو کبھی ناکامی ۔ ایک واقعہ سنئے ۔ “

واقعہ یہ تھا : چند برس ھوئے الکسئی مالینکن نے فیصلہ کیا تھا کہ گول جالی بنانے کا عمل آسان کیا جائے ۔ ان کی رائے میں ورکشاپ میں جو طریقہ استعمال کیا جا رہا تھا وہ بے حد پیچیدہ تھا اور اس پر ضرورت سے زیادہ پیسہ بھی خرچ ھوتا تھا ۔

سالینکن کو ایک ترکیب سوجھی — گول جالیاں مشین سے بنائی جائیں۔ انھوں نے عہد کیا کہ وہ ایسی مشین بنا کر ھی دم لیں گے۔

مشکل یہ تھی کہ خیال بہت ھی انقلابی تھا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ گول جالیاں بنانے کا صرف ایک طریقہ ھے جسے سالینکن کا کارخانہ اور سوویت یونین اور دوسرے ملکوں کی تمام فیکٹریاں استعمال کر رھی ھیں۔ لیکن اچانک ایک فٹر میدان میں کودتا ھے — جو واقعی باصلاحیت اور قابل احترام آدمی ھے — اور خم ٹھوک کر کہتا ھے کہ وہ طریقہ جو برسوں سے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا رھا ھے بےکار ھے۔ ظاھر ھے کہ آپ اس سے یہی کہیں گے :

" بھائی، اس مرتبہ تو تم چادر سے باھر پاؤں پھیلا رھے ھو ! "

اگر کسی انسان پر اعتماد نہیں کیا جائے تو اس کا کام اور بھی مشکل ھو جاتا ھے — نہ صرف اخلاقی لحاظ سے بلکہ عملاً ٹھوس معاملوں میں بھی۔ الکسئی مالینکن کو بہت سی ضروری دھاتیں دستیاب نہیں تھیں اس لئے خراد اور گھسائی کا کام بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے تقریباً آدھی مشین مکمل کرلی، لیکن سخت بیماری نے انھیں آن گھیرا۔ وہ عرصے تک زیرعلاج رھے۔ صحت‌یاب ھو کر جب کارخانے آئے تو دیکھا کہ ان کی سخت مشقت کا نتیجہ کباڑخانے میں پڑا ھوا ھے اور مکڑیوں نے اس پر جالا بن رکھا ھے۔ ظاھر ھے انھیں صدمہ ھوا۔ انھوں نے قسم کھائی :

" میں اسے ختم کر کے ھی چھوڑونگا۔ میرے ذھن میں نئے نئے خیالات ھیں۔ انھیں میں مصرف میں لاؤں گا۔ "

مجھے اس پر حیرت نہیں ھوئی۔ مالینکن تقریباً ایک برس تک کام پر نہیں آئے تھے۔ اس عرصے میں وہ برابر اپنی نئی مشین کو بہتر بنانے کے نئے طریقے سوچتے رھے تھے۔ مجھے یقین ھے کہ وہ اچھی مشین بنانے میں کامیاب ھوں گے۔ میں الکسئی مالینکن سے خوب واقف ھوں۔

۹

جب وہ آہستہ آہستہ کام کرنے کا چوغہ پہن رہے تھے تو انہیں اپنے بچپن کے دوست سے اتفاقیہ ملاقات اور دوست کا ان کی ” غیرمشہور و معروف ،، زندگی پر ترس کھانا یاد آیا ۔ انہوں نے ذہن میں اپنی زندگی کا جائزہ لیا ۔ ان کی زندگی میں چند ہی اہم واقعات ہوئے تھے لیکن مجموعی طور پر وہ کارآمد نظر آئی ۔ انہیں خوشیاں بھی میسر ہوئیں اور غم بھی ملے لیکن سب سے اہم چیز یہ تھی کہ وہ جوش وخروش کے ساتھ، تخلیقی طور پر اور اپنی خوشی سے کام کرنے کا مطلب سمجھتے ہیں ۔

الکسئی سالینکن اپنے ماضی کے اور چراغ جلاتے رہتے لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی نے ان کے خیالات کا تسلسل توڑ ڈالا ۔ یہ چیف انجنیر کا فون تھا جو انہیں کسی کانفرنس کےلئے بلا رہے تھے ۔ پھر انہیں کارخانوں کے موجدوں کی کونسل کے اجلاس میں حصہ لینا تھا ۔ اس کے بعد پیداوار بہتر کرنے کے سوالوں پر نوجوان مزدوروں سے ملاقات کرنا تھی ۔

الکسئی سالینکن اپنے روزمرہ کے فرائض اور جھمیلوں میں اتنے محو ہو گئے کہ سڑک پر اتفاقیہ مٹھبھیڑ اور اس کے پیدا کردہ خیالات ان کے ذہن سے بالکل غائب ہو گئے ۔ ایسی باتوں کے لئے ان کے پاس کہاں وقت ہے ۔

از : ولیری گوربونوف

ساتویں
آسمان میں

ان کی نظریاتی تربیتی نوٹ‌بک میں یہ تفصیلات لکھی تھیں :
" ن - ا - پروخانووا - سال پیدائش ۱۹۳۹ ء - اعلیٰ تعلیم غیرمکمل - نوجوان کمیونسٹ لیگ کی ممبر - فضائی معلم - "
پھر درج تھا : " کتنے قسم کے ہوائی جہازوں کی پرواز کی ؟ " ان کی مجموعی تعداد ۱۱ تھی -
اور اب بارھویں جہاز کی باری تھی - ایک مدت سے نتاشا پروخانووا اس کا خواب دیکھ رہی تھیں -
مطالعے کے بعد پرواز ، پھر مطالعے کے بعد ایک اور پرواز — دنیا کی کوئی بھی طاقت انھیں اس حلقے سے باھر نہیں نکال سکتی تھی جسے خود انھوں نے کافی سوچنے سمجھنے کے بعد منتخب کیا تھا - دوسرے تمام فاصلے ان کےلئے بےمعنی تھے ، ان کے ذھن میں صرف ایک ھی فاصلہ تھا — بلندی !
اس مرتبہ بھی ایسا ھی ھوا - جب بھی نتاشا کوئی کام انجام دینے کا فیصلہ کرتی ھیں ، چاھے کیسی ھی مشکلات کیوں نہ ھوں ، وہ اس میں تن من سے جٹ جاتی ھیں -
فضائی اسکول روایتی طور پر مردوں کی دنیا ھوتا ھے - چنانچہ شروع میں اس کا مضحکہ اڑایا گیا کہ " نرم و نازک خواتین " اس دنیا میں داخل ھو رھی ھیں -
لیکن نتاشا پہلے بھی اسی طرح کے حالات سے دوچار ھو چکی تھیں -
یہ اس وقت کی بات ھے جب وہ دیہات کے اسکول میں ساتویں کلاس میں پڑھا کرتی تھیں - وھاں دریا کے کنارے کوئی بائیس فٹ اونچی ایک دیوار سی تھی - لڑکے اس پر چڑھ کر پانی میں کودا کرتے تھے اور جب نتاشا ان کا ساتھ نہیں دیتی تھیں تو بےرحمی سے ان کا مزاق اڑاتے تھے - ایک روز کوئی چلا اٹھا : " بزدل ! " بس کیا تھا ، وہ خاموشی سے دیوار پر چڑھیں اور وھاں سے دریا میں دھڑام سے کود پڑیں -

اس پر ماں نے ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن اس وقت سے ھی وہ ”مردانہ“ چیزوں میں حصہ لینے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔

آخرکار انھوں نے اسکول کا آخری کلاس بھی پاس کر لیا۔ اب کل کے بچے بالغ ھو چکے تھے۔ اور اس اچانک تبدیلی کا ثبوت جلد ھی مل گیا۔ ”اخاہ! فضائی کلب میں شامل ھو رھے ھو؟ پرواز کرنا سیکھو گے؟ اور میں؟“

پہلی منزل

اپنی زندگی میں نتاشا کو جو سب سے پہلا ”اڑن کھٹولا“ ملا وہ ایک بےآواز بےھنگم سا لکڑی کا گلائیڈر (A-2) تھا۔

شروع میں انھیں ھوائی جہازوں کی بناوٹ، فضائی نظریہ کی تعلیم اور زمین پر ٹریننگ دی گئی۔ پھر انھیں گلائیڈر سے روشناس کیا گیا۔ ھزاروں ماھر طیارہ‌بازوں کی فضائی زندگی ایسے ھی اڑن کھٹولے سے شروع ھوتی ھے۔ وہ اس نازک چیز کو دیکھتے ھی اس پر فریفتہ ھو گئیں۔ اور جب یہ گلائیڈر انھیں خوش اسلوبی سے زمین سے بلندی پر لے گیا اور وہ بادلوں کے اوپر ایک آزاد پرندے کی طرح اڑنے لگیں تو یہ لمحے ان کے ذھن پر ھمیشہ کے لئے نقش ھو گئے۔ یہ تھی پرواز کے فن سے ان کی پہلی جان‌پہچان اور رفتار سے ان کا پہلا شوق۔

گلائیڈر کی رفتار ۱۲۰ کلومیٹر فی گھنٹہ تھی، ایکسپریس بس سے تھوڑی ھی زیادہ۔ لیکن اس میں کتنا لطف تھا! ایسا محسوس ھوتا تھا کہ آسمان کی غیر محدود بلندیوں میں خود آدمی سبک پروازی سے اڑ رھا ھے۔ ان کے ذھن میں نئی حاصل کی ھوئی آزادی کا حسن بس گیا۔

بعد میں نتاشا نے اپنی زندگی میں سرکاری رپورٹوں میں کئی بار ایسے جملے سنے: ”بحیثیت طیارہ‌باز نام درج کیا گیا“، ”تنہا ھوائی جہاز چلانے کی اجازت دی گئی“، ”علاقائی مقابلوں میں حصے لے سکتی ھو“۔

ضابطوں کے یہ مختصر اور سرکاری جملے ان کے کانوں میں موسیقی کی طرح گونجتے تھے۔ اور طیارہ بازوں کا یہ مقولہ بھی: '' اھمترین بات رفتار ھے۔،،
حسن اتفاق کہئے کہ نتاشا نے جہاز پر اسی دن پہلی تنہا پرواز کی جس دن انھوں نے اسکول کا آخری استحان دیا تھا۔

دوسری منزل

وہ فضائیہ اور بحریہ کی امدادی انجمن کی مرکزی کمیٹی کے نائب صدر کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ مٹھیاں بھنچی ہوئی، منہ ستا ہوا اور سر کے بال اس طرح پھولے ہوئے جیسے لڑنے کے موڈ میں ہوں۔ پھر بولیں:

'' میرا باپ سچا مجاھد تھا۔ اس نے اپنے ملک کےلئے جان دیدی۔ اور آپ مجھے قبول کرنے سے انکار کر رھے ھیں ... ایسا کوئی قانون نہیں ھے کہ بغیر کسی معقول وجہ کے مجھے چلتا کیا جائے! ،،

نائب صدر نے دلچسپی سے پوچھا: '' واقعی، تو تمھارا باپ بھی طیارہ باز تھا؟ ،،

انھیں اپنا باپ یاد بھی نہیں تھا۔ لیکن یقینی وہ طیارہ باز نہیں تھا۔ ماں کی طرح وہ مشکل سے لکھ پڑھ سکتا تھا... اس نے تعمیری مزدور کے کام سے ابتدا کی، پھر وہ فوج میں سپاھی بھرتی ھو گیا اور محاذ جنگ سے واپس نہیں لوٹا۔ کاش کہ وہ طیارہ‌باز ھوتا...

آنسوؤں کو مشکل سے روکتے ہوئے نتاشا نے آھستہ لہجے میں جواب دیا: '' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا نام رجسٹر کر لیجئے۔ اس وقت تک یہاں سے نہیں ھٹوں گی۔ ،،

'' تم تو بچوں جیسی باتیں کر رھی ھو۔ مردوں کی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ ،،

عورتوں کے آنسوؤں کی بھی عجیب تاثیر ھوتی ھے۔ فوراً رجسٹر میں

درج کر لیا گیا : '' ن - ا - پروخانووا ، تمبوف فضائیه کلب کی طالب‌علم، فضائیه کے مرکزی اسکول میں اپنی ٹریننگ جاری رکھیں‌گی - ،، دو سال کے اندر رجسٹر میں یه تحریر تھا : '' فضائی معلم کی ڈگری حاصل کر لی - ،،

نتاشا نئے نئے قسم کے هوائی جهاز چلانے لگیں اور ان کی رفتار بڑھتی گئی - وہ اپنے هی فضائیه کلب میں کام کرنے لگیں - ان کے شاگردوں کا پهلا گروپ انهیں گھیرے هوئے تھا - سات نوجوان لڑکے جس طرح حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اس کا مطلب سمجھنا مشکل نهیں تھا - انهیں امید تھی که ان کا معلم پرسکون خرانٹ طیارہ‌باز مرد هوگا - اور ملا کون ؟ ایک خوبصورت نوجوان عورت جس کے بال بڑے اسٹائل سے سنورے هوئے تھے ، چهرے کا رنگ سنولایا هوا تھا اور جس کی بھویں زرا تنی هوئی تھیں ! نتاشا نے اپنا حوصله بڑھانے کےلئے سوچا که وہ معلم هیں اور فوراً کام شروع کر دیا -

ابتدا میں کام آسان نهیں تھا - خود جهاز کی پرواز کرنا ایک بات هے اور دوسروں کو سکھانا بالکل مختلف مسئله هے - لیکن ان کی محنت بارآور ثابت هوئی - بعد میں کلب میں یه اعلان شائع هوا : '' هم ن - ا - پروخانووا کا خلوص‌دل سے شکریه ادا کرتے هیں جنهوں نے سات طالب علموں کو اتنی اچھی ٹریننگ دی - ،، شاید یه اس تعریف کا اثر تھا که انهوں نے ٹیچر ٹریننگ انسٹی‌ٹیوٹ میں داخله لے لیا -

خاص بات رفتار کو بڑھاتے رهنا هے - خود زندگی بھی ایک مسلسل حرکت هے ، شعوری طور پر رفتار بڑھانے کا دوسرا نام هے - بس رفتار کم هوئی اور آپ بلندیوں سے نیچے گرنے لگے -

نتاشا نے پهلی بار ۱۹۶۲ ء میں بلند پروازی‌کے مقابلے میں حصه لیا - تیس شرکت کرنے‌والوں میں وہ اکیلی عورت تھیں - اسے ستم ظریفی کهئیے که وہ اس مقابلے میں '' صف‌نازک ،، کی واحد نمائندہ تھیں اور انهوں نے پهلا انعام پایا !

۱۹۶۳ ء میں سوویت یونین کی چوٹی کی طیارہ باز خواتین کا مقابلہ ہوا۔ نتاشا پروخانووا بھی اس میں شریک ہوئیں اور اپنے پیشے کا بلند اعزاز حاصل کیا — اسپورٹ کی ماسٹر۔ زندگی میں سب سے اہم بات پرواز کو بڑھاتے رہنا ہے۔

تیسری منزل

جب نتاشا نے جیٹ ہوائی‌جہازوں کی پرواز شروع کی تو وہ نو سو گھنٹوں سے زیادہ پسٹن طیارے چلا چکی تھیں۔ اب انھیں میگ (MIG) ہوائی جہاز چلانا تھے۔ اس کا مطلب تھا ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ فی گھنٹے کی رفتار اور خطرے کے وقت طیارہ‌باز کو نکالنےوالی سیٹ! اور یہ سب ان کے لئے حسب معمول بن گیا۔

۱۹۶۴ ء میں ایک قومی فضائی مقابلہ ہوا۔ اسی میں نتاشا کو کانسے کا میڈل ملا۔ سوویت فضائیے کی تاریخ میں پہلی بار طیارہ‌باز عورتوں نے آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز پرواز کی۔

ابھی تک جیٹ جہاز چلانے میں عورتوں کے تمام عالمی ریکارڈ ایک امریکی طیارہ‌باز جیکلین کوکران نے قائم کئے تھے۔ لیکن بلاشبہ ان کے تمام ریکارڈوں میں اس ریکارڈ کو توڑنا سب سے مشکل تھا جو انھوں نے ۱۹۶۱ ء میں بلندپروازی میں قائم کیا تھا۔ یہ ریکارڈ ۱۷۰۹۱ میٹر کی بلندی تھی۔ نتاشا کی منزل یہی ریکارڈ توڑنا تھا۔

نتاشا اپنے مشہور حریف کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی تھیں۔ انھیں معلوم تھا کہ امریکی نے کتنے ریکارڈ قائم کر رکھے ہیں، وہ کروڑپتی ہیں اور ان کا اپنا ذاتی ہوائی جہاز بھی ہے۔ نتاشا کا کوئی ذاتی ہوائی‌جہاز نہیں تھا لیکن وہ کئی جہاز استعمال کر سکتی تھیں۔

اس امریکی طیارہ‌باز سے ملنا دلچسپ ہوگا۔ نتاشا کو انگریزی آتی ہے اس لئے مترجم کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جیکلین ظاہر ہے نوجوان نہیں

تھیں ، ان کی عمر پچاس برس سے بھی اوپر تھی لیکن یقینی وہ بہت ھی ہوشیار انسان معلوم ہوتی‌ہیں - اسی لئے تو اتنی کامیابیاں حاصل کر سکیں - یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا وہ کیا پسند کرتی ھیں اور کیا پسند نہیں کرتیں - پھول انھیں کیا مرغوب ھیں ؟ بیلے ؟ شاعری ؟ وہ کس قسم کے کپڑے پہنتی ھیں ؟ اس معاملے میں غالباً دونوں کا ذوق ایک سا ہوگا — سادہ کپڑے -

کوکران نے کیوں ہوائی‌جہاز چلانا شروع کیا ؟ خود نتاشا کےلئے دلچسپی کے کئی سامان تھے - لیکن وہ کافی نہ تھے - انھوں نے مصوری شروع کی ، اکارڈین بجانا سیکھا ، اسکی‌انگ کی ماھر ھو گئیں ، رقص کو بھی آزمایا - یہ سب چیزیں دلچسپ ضرور تھیں لیکن کسی سے بھی ان کی تسکین نہیں ہوتی تھی ... ھر انسان کسی خاص کام کےلئے پیدا ہوتا ھے - اور جو اسے تلاش نہیں کرتا اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا - نتاشا کے لئے یہ تھا فضائیہ اور پرواز - یہی ان کی زندگی کو بھرپور بناسکتا تھا - اس کے بغیر زندگی بےمعنی تھی - جہاں تک آزمائشی طیارہ باز ہونے کا تعلق ھے تو یہ بعد کا معاملہ تھا - ان کےلئے ضروری تھا کہ ٹیچر ٹریننگ انسٹی‌ٹیوٹ ختم کرکے ماسکو کے فضائی انسٹی‌ٹیوٹ میں داخل ہوجائیں - پھر انھیں کوئی نہیں روک سکےگا ! ان سے کہا گیا : ” ھمارے یہاں آزمائشی طیارہ باز عورتیں کبھی نہیں تھیں اور نہ مستقبل میں انھیں رکھنے کا ھمارا ارادہ ھے - “ لیکن وہ آزما کر تو دیکھیں - عورتیں یقینی آزمائشی طیارہ باز ھو سکتی ھیں اور ہوں‌گی -

لوگوں اور ان کے کردار کے متعلق نتاشا کے اپنے مخصوص خیالات ھیں -

” میں بکی آدمی نہیں بلکہ باعمل انسان پسند کرتی ھوں - بکی آدمی ھمیشہ اپنے متعلق سوچتا ھے ، مثلاً اپنی مقبولیت کے متعلق - ھر ایک کو کوشش کرنا چاھئے کہ وہ اپنے آپ سے اور دوسروں سے

باقاعدگی کا مطالبہ کرے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے کام کی جانب ذمےداری کا احساس ہو ۔ ،،

غالباً یہی وجہ تھی کہ نتاشا کو اپنے نئے استاد ، آزمائشی طیارہ باز ، نکولائی نوژدن نہ صرف تجربےکار اتالیق بلکہ باعمل انسان بھی نظر آئے۔ ان کی فضائی زندگی ۲۴ سال سے بھی اوپر تھی ، وہ ۵۴ سے زیادہ قسم کے مختلف جہاز چلا چکے تھے، جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا ، سخت طوفانی حالات میں انہوں نے ہوائیجہاز آزمائے تھے۔ اس لئے طویل ہدایتوں ، لمبی چوڑی تشریحوں اور غیرمحدود تجزیے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ آسانی سے فوراً ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اسیلئے اگرچہ کام مشکل تھا لیکن اطمینان سے پورا کیا جانے لگا۔ پھر اور زیادہ پیچیدہ ٹریننگ شروع ہوئی۔ طیارہباز کی سیٹ کو باہر کرنا ، بیرو چیمبر میں بلندی کے دباؤ کی مشق اور حد سے زیادہ بوجھ کی ٹریننگ ، استاد کے ساتھ دوہرے کنٹرول سے آزمائشی پروازیں وغیرہ۔ لیکن دوسروں کے مقابلے میں نتاشا کو ٹریننگ پر کم مدت صرف کرنی پڑی۔ اسے سب سے پہلے تنہا جیٹ ہوائیجہاز چلانے کی اجازت مل گئی۔

نتاشا کے استاد نے جلد ہی تاڑ لیا تھا کہ ان کی شاگرد غیرمعمولی صلاحیتوں کی مالک طیارہباز ہے۔ خود نتاشا ,, اپنے کام کی جانب ذمےداری کے احساس ،، پر عمل پیرا تھیں ۔

جیٹ طیارہباز کےلئے فوری ردعمل انتہائی ضروری ہے۔ اسے فضا میں ۴۲ قسم کی مختلف ناگہانی ضرورتیں پیش آسکتی ہیں۔ اور ہر ضرورت خاص قسم کے فوری ردعمل کا تقاضہ کرتی ہے ۔ اسلئے طیارہباز کو یہ ۴۲ ردعمل ازبر یاد رکھنا چاہئے اور خودکار مشین کی طرح انہیں انجام دینا چاہئے۔

جیٹ طیارہباز میں اپنے کام پر توجہ مرکوز کرنے کی بےپناہ صلاحیت ہونا چاہئے۔ اگر رفتار ۲ ایم (2 M) سے آگے ہے تو اس

کا مطلب ہے آواز کی رفتار سے بھی دو گنی سے زیادہ۔ طیارہباز مجبور ہے کہ بڑے رفتار پیما آلے پر اپنی نظر تیزی سے ادھر ادھر دوڑاتا رہے۔ صرف ایک انجن کو کنٹرول کرنے کےلئے پانچ چیزیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہوائی جہاز پر زمین سے احکام پورے کرنے اور طیارے کی پوزیشن برقرار رکھنے کا مسئلہ الگ ہے۔ طیارہباز کی نظر ہر جگہ ہونا چاہئے اور اس کی مدد کےلئے کوئی موجود نہیں۔

ہر حالت میں پرسکون رہنے اور برداشت کرنے کی زبردست صلاحیت کی ضرورت ہے ... حالات سخت ہوتے ہیں۔ بڑی بلندی کا سوٹ طیارہباز کو جکڑے رکھتا ہے، بیرونی دباؤ بہت کم ہو جاتا ہے اور تیزرفتاری کی وجہ سے بڑا بوجھ محسوس کیا جاتا ہے۔ پیشانی پر وہ پسینے کے قطرے محسوس کرتی ہیں اور انہیں ہاتھ سے پونچھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن حفاظتی فضائی خود کا شیشہ حائل ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ سوچتی ہیں: "اگر دوسرے لوگ کر سکتے ہیں تو میں بھی کر سکتی ہوں۔"

نتاشا پروخانووا کی غیرمعمولی صلاحیتوں کو دوسرے فضائی معلموں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "بہترین طیارہباز کو جن تمام خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب ان میں سموئی ہوئی ہیں۔" اور وہ خود ان خوبیوں کو از راہے تکلف "پیشے کی ضرورتیں" کہتی ہیں۔

وہ جہاز کا توازن قائم رکھنے کے واسطے تمام ناگہانی ضرورتوں پر قابو پا سکتی ہیں۔ جہاز کے حد سے زیادہ رفتار پکڑنے کی وجہ سے انجنوں کا کنٹرول سے باہر ہو جانے کا خطرہ، گردش کرنےوالی دھریوں کے اکھڑ جانے سے دباؤ کا حد سے نیچے گر جانے کا حادثہ، جس کا مطلب موت ہے، وغیرہ — ایسی ناگہانی ضرورتوں کی تعداد ۴۲ ہے۔ یہ طیارہبازوں کے لئے محض حادثے نہیں بلکہ ان کے پیشے کے جوکھم ہیں۔

نتاشا کی ٹریننگ جاری رہی - اسی زمانے میں ماسکو کے ہوائی اڈے سے ہزاروں کلومیٹر دور سوویت ”ملکه خلا،، مشہور خلاباز والینتینا نکولائیوا — تریشکووا اور جیکلین کوکران کے درمیان دلچسپ گفتگو ہوئی - امریکی طیارہ باز نے کہا که انھیں یه اطلاع ملی ھے که ایک سوویت خاتون ان کا ریکارڈ توڑنے کی کوشش کر رہی ھیں - یه قابل ستائش کوشش ھے - لیکن وہ جیٹ ہوائی‌جہازوں کی حدود سے اچھی طرح واقف ھیں ، اس لئے انھیں شبه ھے که کوئی مزید بلندی پر اڑ سکتا ھے - اس کے علاوہ ان کےلئے دو سو تین سو میٹر اور زیادہ بلند پرواز کرنا کوئی مشکل بات نہیں ھے ... اس وقت مسز کوکران اپنے مدمقابل کا نام نہیں جانتی تھیں -

نتاشا کو معلوم تھا که ریکارڈ توڑنے کےلئے انھیں کوکران سے پانچ سو میٹر سے زیادہ بلند پرواز کرنا کافی ھے - لیکن وہ اور معلم نوژدن دونوں کو خدشه تھا که فضائیه کی عالمی فیڈریشن اس بلندی کو رجسٹر تو کر لےگی لیکن اس کے فوراً بعد کوکران یه ریکارڈ بھی توڑ ڈالیں‌گی - چنانچه ویسے ھی ان کے استاد نے پوچھا :

” اچھا ، تو فیصله کرلیں ، ھم کس ریکارڈ کی تیاری کر رہے ھیں ؟ ،،

نتاشا نے سنجیدگی سے جواب دیا : ” ایسے رکارڈ کی جسے کوئی نہیں توڑ سکتا - ،،

اس یادگار دن سے پہلے نتاشا کی آخری ٹریننگ پرواز تھی - سب جانتے تھے که وہ تیار ھیں - دوسرے دن وہ کسی کی امداد کے بغیر خود پرواز کریں‌گی - شام کو ” آزمائشی پرواز ،، کی گئی — زمین پر حساب کتاب لگا کر برق رفتار پرواز کی تمام منزلوں کو آزما لیا گیا -

ایک مرتبه پھر نوژدن نتاشا کے پاس آئے اور پوچھا : ” کوئی سوال باقی ھے ؟ ،،

” شکریه ، سب ٹھیک ھے - ،،

رات ختم ہو رہی تھی - ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی - آخری بار طبی معائنہ کیا گیا - فضائی چھتری تیار تھی - جب انھوں نے بلند پرواز کا سوٹ پہنا تو وہ پرانے زمانے کا مسلح سورما معلوم ہوتی تھیں -

عام پرواز کا کارڈ - اپنی زندگی میں اسے وہ سیکڑوں ہی مرتبہ بھر چکی تھیں — پرواز کی مدت ، موسم کا حال ، راستہ -

لیکن آج جو کارڈ وہ بھر رہی تھیں ایسا ابھی تک دنیا میں کسی طیارہباز عورت نے نہیں بھرا تھا !

" روانہ ہونے کی اجازت ہے ؟ "

" روانہ ہونے کی اجازت دی جاتی ہے - "

" جہاز کو دوڑانے کی اجازت ہے ؟ "

" اجازت دی جاتی ہے - "

" اڑنے کی اجازت ہے ؟ "

" اجازت دی جاتی ہے - "

" اڑان سے فاصلہ کتنا ہے ؟ "

" فاصلہ ۱۳۱ - "

کنٹرول ٹاور سے ہدایتیں دی جا رہی تھیں : " ٹھیک طرح جاؤ - " " اپنے راستے پر ، اپنے راستے پر - " " منصوبے کے مطابق ، منصوبے کے مطابق - "

زمین پر راڈر سے مستقل رابطہ تھا - پھر ہدایت دی گئی :

" اپنا جہاز موڑو - "

اب وہ " آزمائشی علاقے " میں تھیں اور حساس راڈر ان کے ہوائیجہاز کی رفتار پر نظر رکھے ہوئے تھے - انھیں اس کا یقین کرنا تھا کہ جہاز کی آخری جست آلات کی حدود کے اندر ہو ورنہ ریکارڈ تسلیم نہیں کیا جائے گا -

بلندی اور رفتار بالکل منصوبے کے مطابق تھی - معیار کے لحاظ سے ابھی ان میں مزید بلندپرواز کرنے کی صلاحیت موجود تھی - تمام

آلات ''صفر،، دکھا رہے تھے۔ وہ وقت آن پہنچا تھا — اب یا کبھی نہیں۔
آسمان کی بلندیوں میں دھات کا چمکتا ھوا نقطہ اپنی دم پر ذرا ٹھہرا اور پھر اوپر اٹھنے لگا۔
اس لمحے جہاز کے آلات نتاشا کے جسم کا حصہ بن چکے تھے۔ ایسا محسوس ھوتا تھا کہ یہ ان کا بالا صوتی جیٹ جہاز نہیں ھے جو ایک بڑی چاندی کی سوئی کی طرح آسمان کی نیلگوں گہرائیوں کو چیر رھا ھے بلکہ وہ خود ساتویں آسمان میں داخل ھو رھی ھیں۔
۱۷۵۰۰ میٹر، ۱۸۰۰۰ ''مسز کوکران، آداب عرض ھے!،، ۲۰۰۰۰ میٹر! ''اور اوپر، اور اوپر میں اڑ سکتی ھوں، میں جانتی ھوں اڑ سکتی ھوں...،، ۲۱، ۲۲، ۲۳ هزار۔ آلات صفر دکھا رہے تھے۔ ''تو اور اوپر!،، ۲۴ هزار میٹر! جامنی رنگ کا آسمان انھیں چاروں طرف سے لپیٹے ھوئے تھا۔ بہت کم لوگوں کو ایسا حسین نظارہ دیکھنا نصیب ھوا ھوگا۔ یہ آسمان نہیں تھا۔ یہ تو آسمان کے بھی اوپر کوئی اور چیز تھی۔
''فریضہ پورا کر لیا گیا، زمین پر اترنے کی اجازت دیجئے۔،،
''اجازت دی جاتی ھے، زمین پر اترو۔،،
نتاشا پروخانووا نے اپنے ''ظفریاب سفر،، پر ٹھیک ستائیس منٹ صرف کئے۔
دو گھنٹے کے بعد نتیجے کا اعلان ھوا: چوبیس هزار تین سو چھتیس میٹر کی بلندی۔ ایک نیا عالمی ریکارڈ قائم ھو گیا!
پرواز کے کارڈ پر آخری اندراج یہ تھا: ''فریضہ قابل اطمینان طور پر پورا کر لیا گیا!،،
اب نتاشا نئے ریکارڈ کے خواب دیکھ رھی ھیں۔
آخر ریکارڈ توڑنے کے لئے ھی تو قائم کئے جاتے ھیں۔

از: وتالی گانیوشکن

انسان
اور
منطق

" ریاضی‌دانوں کا روسی مکتب ہمیشہ اپنے ایسے عالموں کی وجہ سے ممتاز رہا ہے جو سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور انہیں بڑی ذہانت اور شستگی سے حل کرتے ہیں ۔ "

ناربرٹ وینر

نیویارک کے عالیشان ہلٹن ہوٹل کے بیرونی ہال میں یوری ژوراولیوف خاموشی سے بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے ۔ ان میں یہ کمال کا وصف ہے کہ وہ اپنے آپ کو ماحول سے فوراً اور یک سر علحدہ کر کے اپنے خیالات جمع کرنے لگتے ہیں ۔

پانچ منٹ کے بعد وقفہ ختم ہونےوالا تھا اور وہ دنیا کے بہترین ریاضی‌دانوں کو پہلی بار مخاطب کرنےوالے تھے ۔ ان لوگوں کو پہلے وہ محض ان کی تصانیف کے ذریعے جانتے تھے ... اور اب انہیں بذات خود نیویارک میں عالمی سائبیرنیٹکس کانگرس میں دیکھ رہے تھے ۔

ان کے لکچر کا موضوع مختصر اور واضح تھا : " ریاضیاتی نظاموں کی منطق ۔ "

یورا لکچر ہال میں داخل ہوئے ۔ وہ اپنے اندر ایک عجیب انجانی سی الجھن محسوس کر رہے تھے ۔ انہیں ایک طرف اس پر فخر تھا کہ وہ اس عالمی فورم میں سوویت سائنس اور سائبیریا کے عالموں کی نمائندگی کر رہے ہیں اور لکچر کے بیس صفحوں کے ایک ایک لفظ کے لئے ذمےدار ہیں جو وہ انگریزی میں پڑھنےوالے تھے ۔ دوسری طرف انہیں امریکیوں پر غصہ آ رہا تھا جنھوں نے سوویت ریاضی‌دانوں کو نیویارک میں ایسی جگہ ٹھہرایا تھا جہاں سے صرف ہتیاروں کی ایک دوکان نظر آتی تھی ...

اگر یورا ژوراولیوف کی صلاحیتوں کو ریاضی کے ایک آسان فارمولے ا = ب + ج + د کی شکل میں بیان کیا جائے تو اس کی تفصیلات یہ ہوں گی:

صلاحیت (ا) = علم کی گہرائی (ب) + سخت محنت (ج) + شاعرانہ وجدان (د)۔

ب {
علم — ان کا ابتدائی نقطہ ہے،
فکر — بنیادی ضرورت ہے،
اور صداقت — روزمرہ کی روٹی

یورا کا خیال ہے کہ وہ محض اتفاق سے ریاضی‌داں بن گئے۔ جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے تو ادیب یا تاریخ‌داں بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ لیکن ان کی مہربان ریاضی کی ٹیچر نے انھیں اس پر راضی کر لیا کہ وہ ماسکو یونیورسٹی کے شعبہ ریاضیات کو اپنے کاغذات بھیج دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کلاڈ شاننون اور ناربرٹ وینر جیسے امریکی ریاضی‌دانوں نے تقریباً انجانی اور نئی سائنس سائبیرنیٹکس کے متعلق اپنے نظریوں سے سائنس کی دنیا میں غلغلہ مچا رکھا تھا۔

یونیورسٹی میں پہلے ہی دن سے یورا اپنے پروفیسر الکسئی لاپونوف کی پرستش کرنے لگے تھے۔ جب یہ سیاہ ڈاڑھی‌والے، نیک سیرت انسان، توپ‌خانے کے سابق افسر بورڈ پر چاک سے بڑے فراٹے سے فارمولے لکھنا شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے کوئی حیرت‌انگیز ڈوئیل لڑ رہے ہیں۔ کسی کے لئے بھی ان کی ناقابل تردید منطق، تیز بصیرت اور فیصلے کی گہرائی سے مرعوب نہ ہونا ناممکن تھا۔

طلبا اکثر لاپونوف کے گھر پر تبادلہ خیالات کرنے جایا کرتے تھے۔ ان کے مطالعے کے کمرے میں سیاہ تختہ لٹکا رہتا تھا جو ریاضی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اسی پر سوالات حل کئے جاتے تھے۔ وقفوں کے

درمیان باتوں کا لامتناھی سلسلہ شروع ھو جاتا ۔ پروفیسر فرانسیسی زبان میں لطیفے بیان کرتے ، ھیگل کا جرمن میں حوالہ دیتے اور ششدر طالب علموں کو بائرن کی شاعری اصلی زبان میں سناتے تھے ۔ اس کے علاوہ تازہ ترین ادب سے بھی وہ روشناس رھتے تھے ۔ ھر گفتگو ان کے اس پسندیدہ جملے پر ختم ھوتی تھی : ”جی ھاں ، یہ سب ٹھیک ھے ۔ آئیے اب ریاضی کی بات کریں ۔ “

لاپونوف بڑی مہارت سے آدمی کی صلاحیت کو بروئےکار لاتے تھے ، اسے کتابیں سنجیدگی سے پڑھنے پر آمادہ کرتے تھے اور پیچیدہ سوال حل کرنے میں اس کے تحمل اور قوتارادی کو جانچتے تھے ۔

یہ پروفیسر لاپونوف ھی تھے جنھوں نے یورا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کمپیوٹر کے پروگرام کے متعلق بعض سوالات کا مطالعہ کریں ۔ یورا نے اپنے پہلے کورس کے دوران ھی جو کام کیا ، اس سے ظاھر ھونے لگا تھا کہ وہ ایک غیرمعمولی صلاحیت کے مالک ھیں اور ھر سوال کے بارے میں ان کی پہنچ انوکھی ھوتی ھے ۔ وہ ایک برقیائی کمپیوٹر پر منطق کے پیچیدہ سوالات کے حل کےلئے بنیادی اصول معلوم کر رھے تھے ۔

یہ تحقیقات کافی لمبی چوڑی نکلی ۔ ایک کے بعد دوسری بہار آئی ۔ لیکن انھیں اصل جواب نہیں ملا ۔ ایک بات ان کےلئے جوکھم بنی ھوئی تھی : پروگرام کو آسان بنانا ناممکن تھا ۔ لیکن کیا وہ مسئلے کا حل آسان کر سکتے ھیں ؟

ان کے معلم سیرگئی یابلونسکی ، سائبیرنیٹکس شعبے کے نگراں نے مشورہ دیا : ”تعداد کا نظریہ استعمال کرو ۔ “

اس مسئلے پر وہ بھی پہلے اکثر غور کر چکے تھے ۔ تقریباً پچاس برس پیشتر یہ مسئلہ سامنے آیا تھا اور اسے ”کم سے کم کرنا “ کہا جاتا تھا ۔ بظاھر وہ نسبتاً آسان معلوم ھوتا تھا ۔ جس منصوبے کے تحت کمپیوٹر بنایا جاتا ھے وہ اشاروںوالا فارمولا ھے ۔ فارمولا جتنا آسان اور مختصر ھوگا مشین بھی اتنی ھی سستی اور چھوٹی ھوگی ۔

یہ موضوع جس کی کھوج نہیں کے برابر تھی اب ژوراولیوف کی سائنسی تحقیقات کا میدان بن گیا۔

ابھی تک برقیائی کمپیوٹروں کےلئے جو فارسولے موجود تھے وہ بھاری بھرکم تھے۔ فی سیکنڈ ایک ارب عمل کرنے کی رفتار سے حساب کتاب کرنے کےلئے ایسی مشین کی ضرورت تھی جس کے اندر ایک مکعب سینٹیمیٹر کی جگہ میں دس ارب عناصر بھینچ کر رکھ دئے جائیں۔ ذرا ایک لمحے کےلئے ان الفاظ پر غور فرمائیے — دس ارب عناصر ! ابھی تک اتنی غیرمعمولی پیوستگی صرف ایک اعصابی خلیے میں پائی جاتی تھی۔ یہ تھا عصبانیہ (neuron) ۔ لیکن دیکھیں کل ...

نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی نے ژوراولیوف کو ایک سرٹیفکٹ دیا ھے۔ اس میں ایک جملہ ھے جس سے اندازہ ھو سکتا ھے کہ سائنس کی ترقی میں‌ان کا کتنا زبردست رول ھے : ”وہ ان پہلے سائنس‌دانوں میں ھیں جنھوں نے ثابت کیا کہ چھوٹے سنطقی فارسولے بنانے کےلئے کوئی سادہ عالمگیر بنیادی اصول نہیں ھے۔ “ انھوں نے کینڈیڈیٹ (ڈی۔ ایس۔ سی) کی ڈگری کے لئے اسی موضوع پر مقالہ لکھا۔ اسی کے بعد انھوں نے نوواسیبرسک کے ایک نئے سائنسی سرکز میں کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مرکز میں زندگی کی نبض تیز تھی۔ یہاں انھوں نے اپنے آپ کو تحقیقات کے لئے وقف کر دیا۔ اس کے باوجود وہ نوجوان کمیونسٹ لیگ کے کام کےلئے بھی وقت نکال لیا کرتے تھے۔ یہ یورا ھی تھے جنھوں نے اکادمی کے مرکز میں پہلی کانفرنس اور سمپوزیم کےلئے تیاری کا کام کیا۔ جب نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی نے حکومت کو یہ عرضداشت بھیجی کہ کمپیوٹروں کی ٹکنیک کی ترقی میں نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبروں نے کس قسم کی شرکت کی ھے تو اس میں بھی انھوں نے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ وہ سائبیرنیٹکس کے مسائل پر نوجوان طالب‌علموں کو لکچر بھی دیا کرتے تھے۔

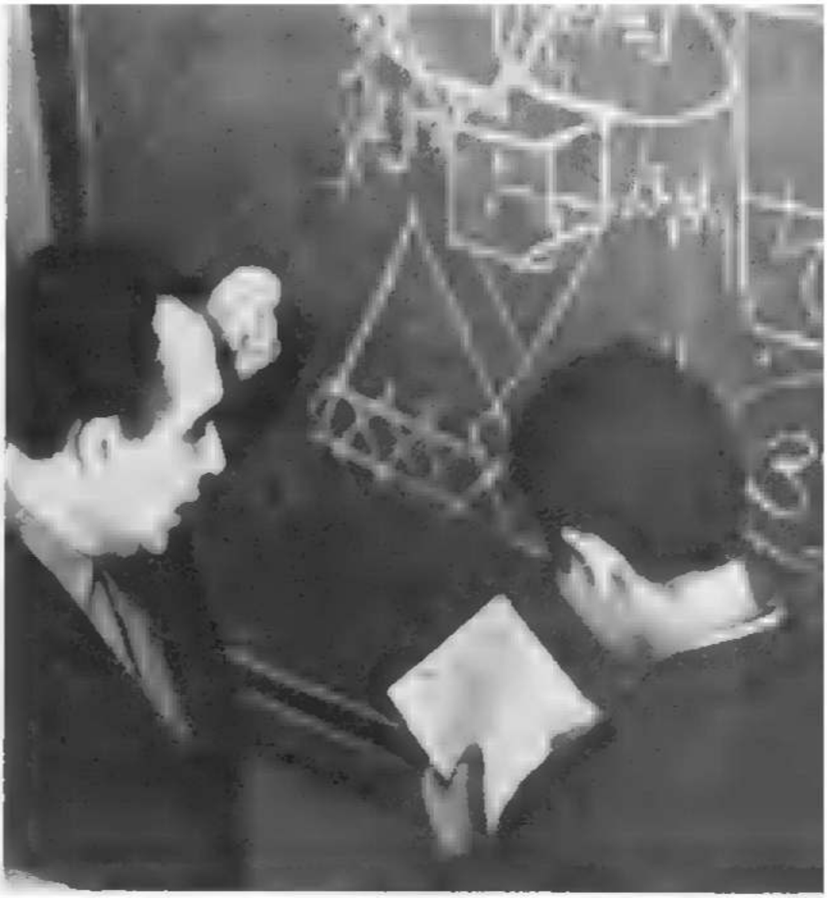

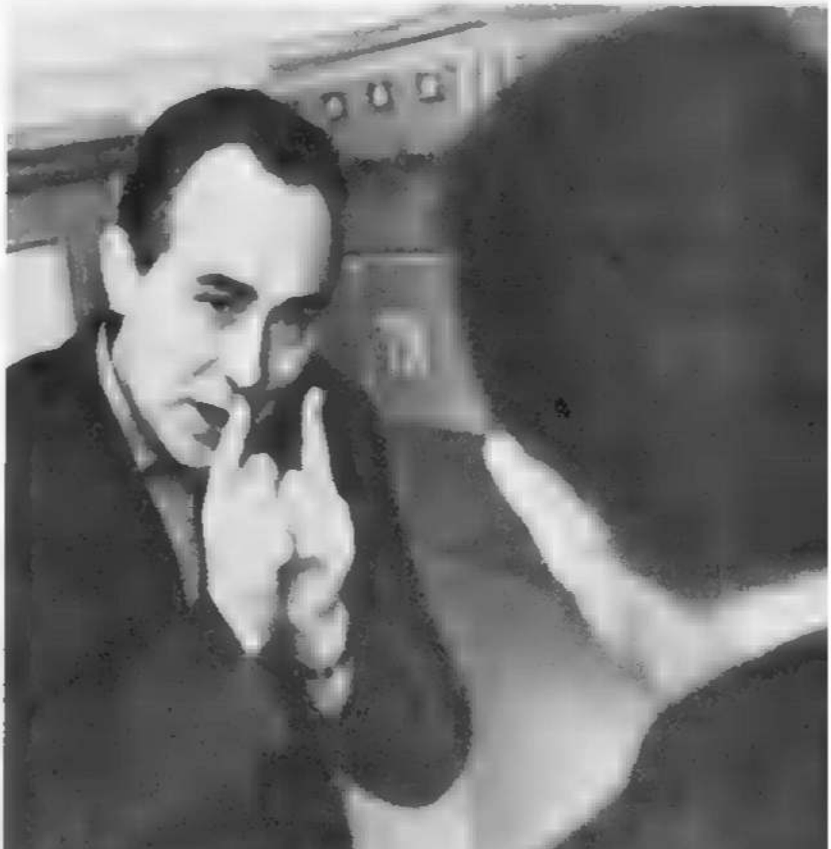

نوواسیبرسک میں یورا ژوراولیوف جو قدم بھی آگے بڑھاتے تھے اسے الکسئی لاپونوف کی چوکس نگاھیں برابر دیکھتی رھتی تھیں۔

سائبیرنیٹکس کی سائنس عالم سے بہت زیادہ مطالبہ کرتی ھے۔ پہلے تو سائنس‌داں کو بحرالعلوم ھونا چاھئے۔ ساتھ ھی اس میں یہ صلاحیت ھونا چاھئے کہ دنیا کے تمام مظہروں میں وہ مشترکہ خصوصیات دیکھ سکے۔ اسے نئے خیالات کی تلاش میں جری ھونا چاھئے، اور شاعرانہ وجدان کا مالک بھی۔

ایسا شاذونادر ھی ھوتا ھے کہ شاگرد اور اس کا قابل تعظیم معلم پڑوسی ھوں۔ طالب علمی کے زمانے کی طرح یورا اب بھی اکثر "بڑے میاں" کے ھاں آیا کرتے تھے۔ نوجوان سائنس‌داں محبت کے جذبے سے لاپونوف کو اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔ عام طور پر چائے پینے کے بعد دونوں میں مساوی حیثیت سے خوب بحثیں ھوتی تھیں (یورا اس وقت سائنس کے ڈاکٹر ھو چکے تھے)۔

... اب اس ھال میں یورا گھبراھٹ محسوس کر رھے تھے۔ کبھی سائنس کا ڈاکٹر بھی طالب علموں کی طرح ایسا محسوس کر سکتا ھے۔ لیکن جب وہ اکادیشن سیرگئی سوبولیف اور وکٹر گلشکوف کے پرسکون اور مسکراتے ھوئے چہرے دیکھتے تو ان میں اعتماد پیدا ھو جاتا تھا۔ وہ دل ھی دل میں کہتے: "یورا! سکون سے کام لو۔ سب کچھ ٹھیک ھوگا"...

نوواسیبرسک کے اکادمی مرکز کو دیکھنے کے بعد ایک فرانسیسی صحافی پیئر رونڈئیر نے لکھا تھا: "ھماری پریشان حال دنیا میں جہاں موسیقی کے کنسرٹوں میں ریوالور چلنے کی آواز سننا بھی لازمی ھے، اس تیرہ مربع کلومیٹر قطع کو دیکھ کر جہاں صرف پرامن سائنسی تحقیقات کی جاتی ھیں دل میں ایسے ھی امیدافزا جذبات پیدا ھوتے ھیں جیسے کہ بمباری کے بعد خاموشی اور سکون سے۔ ایسی کوششیں دنیا کے لئے نئے پرامن دور کا پیش‌خیمہ ھیں۔"

ج { کام چراغ زندگی کو تیل فراہم کرتا ہے ، اور فکر اسے روشن کرتی ہے

یورا ژوراولیوف کی تحقیقات کا جوہر کیا ہے ؟ اپنی کینڈیڈیٹ کی ڈگری کے واسطے انھوں نے جو مقالہ پیش کیا تھا اس میں یورا نے ثابت کیا تھا کہ برقیائی کمپیوٹروں کےلئے کسی یکساں بنیادی اصولوں کے واحد نظام کا ہونا ممکن نہیں ہے اور پیچیدہ نظاموں کے لئے تفریقی مساوات کا طریقہ غیرمناسب ہے۔

انھوں نے لکھا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حساب لگانے کی رفتار انتہائی تیز کی جائے۔ قدرت کے راز معلوم کرنے کےلئے انسان کو بہت سی باتیں جاننا چاہئے ، مثلاً دماغ میں اعصابی خلیوں کی تعداد ، کائنات میں ٹھوس ذروں کی تعداد، سورج سے جو توانائی خارج ہوتی ہے اس کی مقدار وغیرہ۔ ان کے حساب کےلئے اربوں اور کھربوں کے اعداد چاہئے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

— انسان کے دماغ میں عصبانیوں (neurons) کی تعداد — ۱۰^۱۰ -

— سورج ہر سیکنڈ زمین پر جتنی توانائی خارج کرتا ہے — ۴×۱۰^۳ حرارت کی اکائیاں (calories) -

— ایٹم کے مرکزی حصے کی جسامت — ۱۰^-۱۲ سنٹی میٹر -

— سیارچوں کا کل وزن — ۲×۱۰^۱۳ ٹن۔

اگر روزمرہ کی زندگی سے آسان مثالیں پیش کی جائیں تو اور زیادہ صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ کمپیوٹر کتنی بیش بہا مدد دے سکتے ہیں۔

خلائی شعاؤں کا مطالعہ کرنے کے سلسلے میں جو پیچیدہ ریاضی کے سوالات پیدا ہوتے ہیں انھیں حل کرنے کےلئے ایک آدمی کو دو ہزار برس چاہئے۔ اور کمپیوٹر مشین انھیں ایک ہفتے میں حل کر سکتی ہے۔

ہیلیم کے ایٹم کے برقی میدان کو ناپنے کے لئے (روایتی طریقوں سے) کم از کم چار ہزار سال درکار ہوں گے ۔ مشین کے لئے یہ ایک سہینے کی بات ہے ۔

اگر کمپیوٹر حساب کتاب لگانے کا کام اور تیزی سے کرنے لگیں تو؟ پہلے اصولوں کا نظام مقرر کیا جائے اور پھر اس کی بنیاد پر کمپیوٹر مشین تیار کی جائے ۔

یورا نے کون سا طریقہ اختیار کیا ؟

کسی بھی سائنسی خیال کو عام فہم زبان میں پیش کرنا مشکل کام ہے ۔ یہاں ہم یورا سے مدد لینا چاہیں گے ۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے بڑے دلچسپ انداز میں سمجھا سکتے ہیں ۔

” مشین بنانے سے پہلے انسان کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ اسے وہ کس مقصد کے لئے استعمال کرے گا — زمین جوتنے کے لئے ، خلا میں پرواز کرنے کے واسطے یا صرف دوسرے شخص سے بات چیت کرنے میں ؟ یہ پہلا نقطہ ہے ۔ پھر اسے جاننا چاہئے کہ مشین کن چیزوں سے بنائی جائے گی — کن حصوں سے ، کن وحدتوں سے ۔ یہ ہے دوسرا نقطہ ۔ آخر میں ان حصوں کی خصوصیات معلوم کرنا چاہئے ۔ منفی خصوصیات کو پیچیدگیاں کہا جائے ۔ یہ ہوا نقطہ نمبر تین ۔ یہ تینوں باتیں مسئلہ حل کرنے کی بنیادی شرطیں ہیں ۔ یہ معلوم کیا جائے کہ مشین کس طرح بنائی جائے کہ وہ زمین جوت سکے ، اڑ سکے یا بات کر سکے اور پیچیدگیاں کم سے کم کرنے کی کوشش کریں ؟ جواب آسان ہے ۔ ممکن مختلف شکلوں کو جانچیں — پہلی شکل کو ، دوسری شکل کو ، تیسری شکل کو ... اصولاً ممکن مختلف شکلوں کی تعداد محدود ہوتی ہے ۔ لیکن کن معنوں میں ؟ اگر ہم کہکشاں کے تمام سالموں، باریک ترین ذرات کو جمع کریں تو ان کے مرکبات کی مختلف شکلوں کے مقابلے میں خود ان کی تعداد بہت ہی کم ہوگی ! “

یورا کے سامنے ایک مشکل مسئلہ تھا ۔

اس ازلی سوال ''کیا کرنا چاہئے؟''، کے جواب میں سائنس‌دانوں نے کہا : سادہ کرنے کا عالمگیر طریقہ تلاش کرو۔

اس سلسلے میں کئی اعلی دماغ رکھنےوالوں نے اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔ لیکن ان کے مشترکہ حملے سے بھی فتح حاصل نہیں ہوئی۔ یورا ژوراولیوف جلد ھی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ مسئلے کا عالمگیر حل اور طریقہ ممکن نہیں ھے۔ اس کی چابی کو شکل کی مخصوص نوعیت میں حاصل کرنا چاہئے۔ اگر آپ سے ٹیلی‌فون اکسچینج کا نقشہ بنانے کو کہا جائے تو یہ ایک بات ہوئی۔ لیکن جب آپ کو بتایا جائے کہ اکسچینج ایک ہزار لوگوں کےلئے ھے تو یہ بالکل مختلف کام ہو جاتا ھے۔ مخصوص نوعیت کی ابتدا یہیں سے ہوتی ھے۔ مجرد ریاضی (جو الگ الگ حصوں پر مبنی ہوتا ھے) کے ذریعے تفصیلات کا مطالعہ شروع کر دیا گیا...

نوجوان سائنس‌داں اس مسئلے پر اپنے استاد اور رفیق یابلونسکی اور لوپانوف کے ساتھ کام کرتے رہے۔

اور پھر اخباروں میں لینن انعام دینےوالی کمیٹی کا ایک اعلان شائع ہوا۔ اس میں یابلونسکی، لوپانوف اور یورا ژوراولیوف کو سائبیرنیٹکس میں کامیابی حاصل کرنے پر مشترکہ انعام دیا گیا تھا۔

ہر سچے سائنس‌داں کو ہمیشہ اپنے اندر دو متضاد قسم کی خوبیاں سمونا چاہئے : گذشتہ سائنسی کامیابیوں کا علم اور ان کا سنجیدہ مطالعہ اور ساتھ ھی ان میں تازہ نئی چیزوں کو شامل کرنا — اگر ضرورت ہو تو جری انداز سے۔ یہ سب باتیں ژوراولیوف کے کردار کی خصوصیات ھیں۔

یہ سمجھانا کہ ریاضی کی تخلیقات کیسے ہوتی ھیں آسان بات نہیں ھے۔ اس دنیا میں نہ خطرناک تجربات کرنے پڑتے ھیں اور نہ مہم‌پسند سفر۔ یورا اور ان کے ساتھی صبح سے اپنا کام شروع کر دیتے ھیں۔ یہ بڑا بارآور وقت ہوتا ھے۔ پھر دوپہر میں وہ سکشن میں

ساتھ بیٹھتے ھیں، اپنے خیالات کو اکٹھا کرتے ھیں اور ان پر تبادلہٗ خیال کرتے ھیں۔

جب لوگ یورا اور ان کے ساتھیوں کا ذکر کرتے ھیں تو یہ خیال آتا ھے: ان کے گروپ کا ھر ممبر ایک چنگاری ھے اور وہ سب مل کر شعلہ بناتے ھیں۔ ان میں یورا کے ھم عمر ریاضیاتی طبیعیات کے کینڈیڈیٹ یورا واسی‌لیف ھیں جو ھر جگہ موجود رھتے ھیں۔ ایک اور بڑے اچھے منتظم وتالی کوروبکوف ھیں جنھوں نے ”ڈیڈیکنڈ،، کا مشہور مسئلہ حل کیا ھے۔ تیسرے رفائیل کریچیوسکی ھیں، وہ اپنے کام میں نئےپن اور ھوشیاری کےلئے مشہور ھیں اور جو تھیٹر کے رسیا بھی ھیں۔

اگر آپ یورا سے پوچھیں کہ وہ اپنے ریاضی کے کام کے اوقات کے علاوہ کب خوش ھوتے ھیں تو آپ کو یہی جواب ملےگا:

”جب میں اپنے ساتھیوں کی نئی دریافتوں پر ان کی خوشی میں شریک ھوتا ھوں۔،،

بعض وقت ایسا بھی ھوتا ھے کہ ”پاگل‌پن کے،، خیالات سے ایک اھم سائنسی دریافت کی داغ بیل پڑتی ھے۔ سائنس‌داں ان خیالات پر جھپٹتا ھے، اپنے ذھن کی بھٹی میں انھیں پگھلاتا ھے اور پھر انھیں کسی منطقی نظام میں ڈھالنے کی پوری طرح کوشش کرتا ھے۔

... کانگرس کے صدر نے ان کا نام پکارا۔ وھیں ھال میں یورا کے امریکی ھم‌منصب بھی بیٹھے ھوئے تھے جو ان کے لکچر کو خوب غور سے سنیں‌گے اور ایک ایک لفظ کو تولیں‌گے۔

”ھمت سے کام لو، ھمت سے کام لو ...،، یوری ژوراولیوف نے اپنے آپ سے کہا۔ ھال میں بالکل خاموشی تھی۔ ان کی ٹھہری ھوئی آواز اور معتدل اشاروں سے خوداعتمادی اور جوش کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا ...

د | صحیح معنوں میں ایک سائنس داں جتنی زیادہ دریافت کرتا ہے اتنا ہی وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے ابھی بہت کچھ کرنا ہے

سائنس کی دنیا میں جوش کیا چیز ہے ؟

یہ ایک سعی پیہم ہے ، جب آدمی دل و جان سے سائنس کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے... سچی تخلیق کے لئے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ایک بے باک خیال کی چمک سے دوسرے خیالات کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور نوواسیبرسک کے قریب سائنسی شہر اکادیم گورودوک میں حیرت انگیز دریافتیں جنم لینے لگتی ہیں۔

شام کے وقت اگر آپ یورا کے گھر جائیں تو ان کی بیٹی نتاشا سے یقینی آپ کی ملاقات ہوگی۔ ابھی وہ بچی ہی ہے لیکن غضب کا کھوجی دماغ پایا ہے۔ اس کے ہر سوال میں سائنس کا رجحان ملتا ہے :

" ابا ، آتش فشاں پہاڑ کیسے کام کرتا ہے ؟ پتی کیسے بڑھتی ہے ؟ آسمان نیلا کیوں ہوتا ہے ؟ موٹر کیسے چلتی ہے ؟ "

نتاشا ابھی پہلی جماعت میں پڑھتی ہے لیکن آسان مساوات اور سوال حل کرکے خوب خوش ہوتی ہے۔ وہ متوازی اور غیر متوازی خطوط کو پہچانتی ہے اور مثلث اور مربع میں فرق سمجھ سکتی ہے۔ والدین کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ نتاشا کو سائنس سے غیرمعمولی رغبت ہے۔

ماشااللہ پورا خاندان ہی ریاضی کا شوقین ہے۔ یورا کی بیوی لودا ریاضی میں کینڈیڈیٹ کی ڈگری حاصل کر رہی ہیں۔ اور یورا کبھی کبھی مشیر کی حیثیت سے ان کی مدد کرتے ہیں ، کبھی نقاد کی طرح۔

یوری ژوراولیوف کے کام کا دن تین حصوں پر منقسم ہوتا ہے — انسٹی ٹیوٹ ، یونیورسٹی اور طبیعیات و ریاضی کا اسکول۔

نوواسیبرسک کی یونیورسٹی سے طالب علموں کے پہلے گروپ کو فارغ ہوئے چند ہی برس گزرے ہیں۔ وہ آج کل جدید سائنس کے مسئلے حل کرنے میں مصروف ہیں۔ ان میں یورا کے کئی شاگرد بھی ہیں۔ ولودیا

یواستگنیف اپنے شعبے میں تمام آزمائشوں پر پورے اترے اور اب وہ کامیابی سے کینڈیڈیٹ کے مقالے پر کام کر رہے ہیں۔ ایسی دسیوں ہی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

یونیورسٹی سے یورا براہ راست طبیعیات و ریاضی کے اسکول پڑھانے کے لئے آتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب اسکول کے طالب علم شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں — موہکان، ایروکواس اور کومانچ ریڈ انڈین قبیلوں کی کہانیوں سے بےحد متاثر ہوتے تھے اور مہم پسندی کے جوش میں گھروں سے بھاگ جایا کرتے تھے اور آج وہ اسی مہم پسندی کی اسپرٹ میں طبیعیات و ریاضی کے اسکول آتے ہیں۔ ساشا دیبیلوف کی مثال لیجئے۔ جب وہ چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا تب ہی سے وہ دوسروں کے مقابلے میں پیچیدہ سوالات حل کرنے کی بہتر صلاحیت ظاہر کرنے لگا تھا۔ پھر اس کا یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا۔

جب امتحان کے دن ہوتے ہیں تو یورا خاص طور پر اپنے شاگردوں سے بات‌چیت کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ شاگرد بڑی عزت سے انھیں یوری ایوانووچ کہتے ہیں۔ ان کے چالاک سوالات، حاضر دماغی، طبع رسائی اور اپنے مضمون سے دلچسپی کے سبب شاگرد ان کا احترام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ممتحن کے مدمقابل آنا آسان نہیں!

یورا جب انسٹی‌ٹیوٹ میں پڑھا کرتے تھے تو انھیں آئن‌اشٹائن پر بڑا رشک آتا تھا جنھوں نے صرف چھبیس برس کی عمر میں اپنا نظریۂ اضافیت قائم کیا۔ وہ گالوئس پر بھی رشک کرتے تھے، جنھوں نے بیس برس کی عمر میں تیرہ لافانی صفحات لکھے تھے۔

اور اب پندرہ پندرہ سال کے طالب علم جو سائنس‌داں بننے کی راہ اختیار کر رہے ہیں وہ یوری ژوراولیوف پر رشک کرتے ہیں۔ وہ صرف تیس برس کے تھے جب ان کی ۵۰ تصنیفات شائع ہو چکی تھیں اور وہ انسٹی‌ٹیوٹ کے اہمترین شعبے، ریاضی کے شعبے کے سربراہ تھے!

ان کے گھر میں دو تحفے رکھے ہیں جو قیمتی بھی ہیں اور علامتی بھی۔ ان میں سے ایک چار بعدوالی کائناتی فضا کا نقرئی ماڈل ہے۔ جب یورا نے کینڈیڈیٹ کی ڈگری حاصل کی تھی تو ان کے دوستوں نے یہ انھیں تحفے کے طور پر دیا تھا۔ یہ ماڈل اس نوجوان سائنس‌داں کے خاص موضوع کا حسین مرقع ہے۔ قریب ہی نوجوان کمیونسٹ لیگ کے دس خلائی بیجوں میں سے ایک بیج ہے جسے خلانورد ولیری بیکوفسکی نے انھیں پیش کیا تھا۔

یورا کے استاد اکادمیشن سوبولیف نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وقت آئےگا جب اخباروں میں علحدہ اسپورٹ کے صفحے کی طرح سائنس کا صفحہ بھی شائع کیا جائےگا۔ سائبیریا اور سوویت مشرق بعید کے اخبار اسکول کے طالب علموں کےلئے ریاضی کے سوالات پر پورے کے پورے صفحے چھاپنے لگے ہیں۔ اس سے آنےوالے زمانے کی جھلک ملتی ہے۔

اکثر یوری ژوراولیوف طبیعیات اور ریاضی کے مقابلوں کے ڈائرکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہاں کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انھیں تحقیقاتی سوالات سوچنا پڑتے ہیں اور فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کس نوجوان سائنس‌داں کو کس شہر میں بھیجا جائے۔ ہونہار نوجوانوں کی تلاش ملک کےلئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

نوجوان سائنس‌دانوں کی کانفرنس ہو یا نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس (جس کے وہ ممبر ہیں) یورا ہمیشہ ثابت قدم، چوکس اور ناقابل بیان طور پر پرسکون رہتے ہیں۔

ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ ریاضی اور شاعری کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس کے متعلق یورا کی اپنی رائے ہے — وہ سمجھتے ہیں کہ ادراک اور احساسات اسی طرح ایک دوسرے کے تابع اور ایک دوسرے کےلئے ضروری ہیں جیسے زمین کےلئے سورج۔ ایک دوسرے کے بغیر وہ بےمعنی ہیں۔

... چالیس منٹ پورے ہو چکے تھے۔ ان کا لکچر ختم ہو گیا

تھا۔ یورا اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر ان کے نقاد، لحیم شحیم سفید بالوں والے مشہور امریکی پروفیسر میک کلسکی آئے۔ انھوں نے بھرے ہوئے هال پر آهسته آهسته نظر دوڑائی، اور کہا :

"شاندار ! اس لکچر میں میں صرف ایک اضافه کرنا چاهتا هوں۔ میری رائے میں علم ریاضی کی اس شاخ کو، جس پر ابھی مسٹر ژوراولیوف نے روشنی ڈالی هے، ترقی کرنے کا هر ممکن موقع ملنا چاهئے۔"

یورا نے جھینپتے هوئے اپنی آنکھیں مخصوص انداز میں بھینچ لیں۔ یه همیشه وه اس وقت کیا کرتے هیں جب ان کی ضرورت سے زیاده تعریف کی جاتی هے ...

از : ولادیمیر سلیوتینکو

ہوائی جہازوں کے سوویت موجد

" چند برسوں ہی میں جیٹ طیارے ریلوں کا مقابلہ کرنے لگیں گے "، یہ پیش گوئی چھٹی دہائی کے شروع میں سوویت جہازوں کے ایک مشہور ڈیزائن‌ساز نے کی تھی۔

اگر یہ بات آندرئی نکولائیوچ توپولیف کے منہ سے نہ نکلی ہوتی تو بہت سے لوگ سنجیدگی سے ان الفاظ کی صداقت پر شبہ کرتے۔ لیکن یہ الفاظ خود توپولیف کی زبان سے نکلے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ معاملے کا تعلق مستقبل بعید سے نہیں بلکہ مستقبل قریب سے تھا۔ چنانچہ جب اکتوبر انقلاب کی چالیسویں سالگرہ کی آمد آمد تھی تو سوویت یونین کے ہوائی اڈوں پر ایک نیا ہوائی جہاز نمودار ہوا — یہ تھا " تو — ۱۱۴ "، دنیا کا سب سے بڑا مسافر ہوائی جہاز۔ سفید بازوؤں والے اس دیوپیکر کے مختلف نمونے تھے جو ۱۲۰ سے لے کر ۲۲۰ تک مسافر لے جا سکتے تھے، یعنی عام ریل گاڑی میں جتنے مسافر بیٹھتے ہیں ان کے نصف سے زیادہ!

سوویت اقتدار کے پہلے ہی دنوں میں ولادیمیر ایلیچ لینن اس بات کا خواب دیکھا کرتے تھے کہ دنیا کا پہلا اشتراکی ملک طیارےبازی میں ایک زبردست طاقت بنے۔ کمیونسٹ پارٹی اور سوویت عوام نے اس خواب کو حقیقت بنا دیا ہے۔

سوویت طیارہ‌سازی کی تاریخ کے کئی باب آندرئی توپولیف کے نام سے علحدہ نہیں کئے جا سکتے۔

فضائیہ کی دنیا میں قدم رکھے ہوئے توپولیف کو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ وہ تویر شہر کے ایک وکیل کے گھر میں پیدا ہوئے اور اعلی ٹکنیکل اسکول میں پڑھنے کے لئے ماسکو آئے۔ یہاں جلد ہی نوجوان طالب‌علم نے علم سے اپنا انتہائی شوق اور ٹکنیک کی جانب رجحان ظاہر کیا۔ " روسی فضائیہ کے بانی "، نکولائی ژوکوفسکی

کی نظر ان پر پڑی۔ آندرئی توپولیف فضائی کلب کے سرگرم ممبر ہوگئے جسے ژوکوفسکی نے قائم کیا تھا۔

ان بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرکے آندرئی توپولیف لکھتے ھیں :

" ہم نے ھوائی نلکے بنانے سے ابتدا کی۔ ژوکوفسکی نے خاکوں کی تیاری اور ڈیزائن کا کام میرے سپرد کیا۔ فضائی کلب کے ممبروں کی امداد سے اور خود ژوکوفسکی کے زیرنگرانی میں نے یہ کام پورا کر لیا۔ پھر ھوائی حرکیات (Aerodynamics) کی تجربےگاہ قائم کی گئی اور اس کی بنیاد پر مرکزی انسٹیٹیوٹ کی داغ بیل پڑی۔ "

اعلیٰ ٹکنیکل اسکول سے مستقبل کے طیارہساز نے کامرانی کا سفر شروع کیا۔ لیکن یہ آسان نہیں تھا۔ ھوائی جہاز کے زمین سے اوپر اٹھنے اور ھوا میں اڑنے کے سلسلے میں جتنا کام کرنے اور غیرمحدود حساب کتاب لگانے کی ضرورت تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل ھے۔

اس ابتدائی زمانے میں ھی نکولائی ژوکوفسکی ھوائی جہاز بنانے کے لئے ایک تجرباتی فیکٹری اور ڈیزائن کا مرکز قائم کرنا چاھتے تھے۔ یہ تو نہ ھوسکا لیکن تخمینے اور تحقیقات کا بیورو بن گیا جہاں سائنسی کھوج کی جانے لگی۔ یہیں نوجوان توپولیف کی غیرمعمولی صلاحیت منظر عام پر آئی۔ اس سلسلے میں ژوکوفسکی دلچسپ روشنی ڈالتے ھیں :

" تخمینے اور تحقیقات کا بیورو دو برس تک کام کرتا رھا۔ ھمارے کارکنوں کی ٹیم میں چھہ لوگوں نے نئے ھوائی جہاز کے ماڈل تیار کئے اور وہ میکینکل انجنیر ھو گئے۔ ان میں ھمارے ایک نوجوان انجنیر توپولیف کا ھوائی کشتی کا ماڈل قابل ذکر ھے۔ اس کی پانی سے اوپر اٹھنے اور پانی پر اترنے کی ٹکنیک روسی انجنیروں کے لئے بالکل نئی ھے۔ توپولیف کی تحقیقات کی بدولت، جس کی بنیاد انگریزوں کے تجربے ھیں، یہ طریقہ عمل میں لایا جا سکتا ھے۔ اگر اس تحقیقات کو شائع کر دیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روسی فضائیے کا نام خوب روشن ھوگا "۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ توپولیف نہ صرف گلائیڈر کے ڈیزائن‌ساز تھے بلکہ انہیں اڑایا بھی کرتے تھے ۔

یہ ۱۹۰۹ ء کا واقعہ ہے ۔ ایک دن لفورتوفسکی پارک میں غیرمعمولی چہل پہل تھی ۔ وہاں بہت سے طالب‌علم جمع تھے ۔ وہ بڑی گرما گرمی سے بحث کر رہے تھے کہ گلائیڈر زمین سے اوپر اٹھنے میں کامیاب ہوگا یا نہیں ، کتنی دیر تک وہ ہوا میں اڑ سکےگا اور اس پرواز کا نتیجہ کیا ہوگا ۔ یہ فضائیہ کے ابتدائی دن تھے اس لئے لوگوں کا جوش و خروش بےمحل نہیں تھا ۔ توجہ کا مرکز آندرئی توپولیف بنے ہوئے تھے ۔ اس دن ان کی پہلی پرواز تھی ۔ انہوں نے گلائیڈر کو زمین سے دس پندرہ میٹر کی بلندی پر اڑا لیا ۔ اپنی جگہ یہ خود ایک بڑی کامیابی تھی ۔ لیکن جب وہ دوسری مرتبہ اڑنے لگے تو گلائیڈر ٹوٹ گیا ۔

نوجوان متجسس انجنیر اپنے لائق استاد کے لئے تحسین اور عزت کے بےپناہ جذبات رکھتے تھے ۔ ان کی نگرانی میں انہوں نے گیارہ برس تک کام کیا ۔ آندرئی توپولیف لکھتے ہیں : ”ژوکوفسکی کی رہبری میں پڑھنا اور کام کرنا میرے لئے ایک عظیم اور بےنظیر تجربہ تھا ۔ اس نے میرے مستقبل کے انتخاب میں فیصلہ‌کن اثر ڈالا ۔ “

عظیم اکتوبر انقلاب کے فوراً بعد ژوکوفسکی نے لینن کو تجویز کی تھی کہ فضائیہ کا تحقیقاتی انسٹی‌ٹیوٹ قائم کیا جائے ۔ چنانچہ سوویت حکومت نے ماسکو میں ایسے سائنسی تحقیقات کا مرکز کھولنے کا فیصلہ کیا ۔ اس کا نام ہوائی اور آبی حرکیات (Aero-hydrodynamics) کا مرکزی انسٹی‌ٹیوٹ تھا ۔

توپولیف کو وہ دن یاد ہے : ”میں کبھی نہیں بھولوں‌گا کہ ژوکوفسکی نے اور میں نے یہ خبر سن کر کیسے جشن منایا ۔ ہم اسکول کے بچوں کی طرح خوش خوش اعلی معاشی کونسل کی عمارت سے باہر آئے ۔ آخرکار حکومت نے ہمارا کام سرکاری طور پر تسلیم کر لیا تھا ۔ ہم محسوس

کر رہے تھے کہ اب ہم مستقبل کے متعلق اعتماد کے ساتھ منصوبہ بنا سکیں گے ۔ ایسے ہی خیالات ہمارے دماغوں میں موجزن تھے اور ہم بھوکے ماسکو کی خاموش سڑکوں پر گھوم رہے تھے ۔ میں نے سوچا کہ اس واقعے کے اعزاز میں کوئی خاص بات ہونا چاہئے ۔ پھر یکایک مجھے یاد آیا کہ پروفیسر میٹھا دھی بےحد پسند کرتے ہیں ۔ ہماری قسمت اچھی نکلی — کوزنیتسکی سڑک پر ایک چھوٹا سا خستہ‌حال کیفے تھا ۔ وہاں ہمیں دھی اور شہد مل گیا ، لیکن آسمان سے باتیں کرنےوالی قیمت پر ! پروفیسر کے سامنے ان کی مرغوب چیز تھی اور وہ بڑے جوش و خروش سے نئے انسٹی‌ٹیوٹ کے عملی مسائل پر بحث کرنےلگے ۔ ،،

بہت جلد مرکزی انسٹی‌ٹیوٹ فضائی نظریے کا مرکز اور تحقیقات کی اہم جگہ بن گیا ۔ اس کے سربراہ پروفیسر نکولائی ژوکوفسکی تھے اور ان کے مشہور مددگاروں میں نوجوان توپولیف کا نام بھی شامل تھا ۔ ۱۹۲۰ ء کے آخر میں توپولیف نے طیارہ‌بازی ، آبی فضائیے ، تعمیری تحقیقات اور نمونےسازی کا شعبہ منظم کیا ۔ اب پھر وہ اپنے دلچسپ کام، یعنی ہوائی جہازوں کے ڈیزائن بنانےمیں مشغول ہو گئے ۔ شروع میں حالات بہت مشکل تھے ۔ انھیں ٹھنڈے کمروں میں مہینوں کام کرنا پڑتا تھا ۔ اس سلسلے میں توپولیف لکھتے ھیں : ” ہمارے پاس ٹھیک سے نہ کام کرنے کی جگہ تھی اور نہ سامان ۔ اس کی کسر ہماری غیر محدود توانائی اور جوش و خروش سے نکل جاتی تھی ۔ ابتدا ھی سے ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم اپنے آپ کو صرف نظریات تک محدود نہیں رکھیں گے ۔ ہمارے کام کا مقصد جلدازجلد اپنے ملک کو عملی نتائج سے فائدہ پہنچانا تھا ۔ ،،

ان کی غیرمحدود توانائی اور جوش‌وخروش سے یکے بعد دیگرے مشکلات دور ہوتی گئیں ۔ اسی زمانے میں توپولیف کی تخلیقات شروع ہوئیں — ” آن‌ت — ۱ ،، برفی ہوائی جہاز اور ” آن‌ت — ۱ ،، آبی ہوائی

جہاز ۔ چند ہی برس کے بعد ” آن‌ت ،، مسافر ہوائی جہاز تیار ہونے لگے ۔

آ ن ت ان کے نام کے ابتدائی حرف ہیں — آندرئی نکولائیوچ توپولیف ۔ بہت جلد یہ حروف سوویت یونین اور اس کے باہر بھی مشہور ہو گئے ۔

اگر ہم آندرئی توپولیف کے ان ابتدائی دنوں کا ذکر کرنا چاہیں جب وہ ہوائی جہازوں کے ڈیزائن بنا رہے تھے تو بار بار ہمارے سامنے ایک لفظ آئے گا ۔ یہ ہے ” پہلا ،، ۔

” پہلا قدم ،، ، ” پہلی پرواز ،، ، ” پہلا تجرباتی کارخانہ ،، ، ” پہلا دھات کا ہوائی جہاز ، ،، ” پہلا جنگی طیارہ ،، ، وغیرہ وغیرہ ۔

آئیے ، ذرا سوویت یونین کی فضائی تاریخ کے اولین صفحوں کو الٹیں ۔

... ” آن‌ت — ۱ ،، سوویت یونین کا پہلا اسپورٹ ہوائی جہاز ۔

... ” آن‌ت — ۳ ،، دھات کا بنا ہوا اصولی طور پر بالکل نئے قسم کا ہوائی جہاز جس کا انجن سوویت یونین میں تیار کیا گیا تھا ۔

... ” آن‌ت — ۴ ،، جو ” ت ب — ۱ ،، بھی کہا جاتا تھا ۔ یہ پہلا سوویت بھاری بمبار ہوائی جہاز تھا ۔ ۱۹۲۹ ء میں اس نے ” سوویت دیس ،، کے نام سے ماسکو سے نیویارک پرواز کی ۔ یہ سائبیریا ، بحیرہ اخوتسک اور آلیوتین جزیروں سے گزرا تھا ۔ اس جہاز نے ۲۲ ہزار کلومیٹر کا فاصلہ ۱۴۲ گھنٹوں میں طے کیا تھا ۔

کچھ عرصے کے بعد تین انجنوں‌والا مسافر ہوائی جہاز ” آن ت — ۹ ،، استعمال کیا جانے لگا ۔ دراصل یہ ” آن ت — ۴ ،، کی ترقی‌یافتہ شکل تھی ۔ اب سوویت یونین نے باہر کے بنے ہوئے جہاز درآمد کرنا بند کر دئیے ۔ یہ ہوائی جہاز دوسرے ملکوں میں بھی مشہور ہو گیا ۔ سوویت طیارہ‌بازوں نے ” آن ت — ۹ ،، پر جو ” سوویتوں کے بازو ،، کے نام سے مشہور تھا یورپ کے کئی دارالخلافوں تک پرواز کی ۔

امریکی رسالے '' ایوی‌ایشن ،، (Aviation) نے لکھا : '' روسی ہوائی جہاز '' سوویت دیس ،، کے افسر اور عملہ واقعی بہادر اور تجربےکار طیارہ‌باز ہیں۔ قومی فضائی صنعت کی اصل پیداوار کی حیثیت سے ہم دلچسپی کے ساتھ ان کے ہوائی جہاز کا مطالعہ کریں گے۔ ،،

امریکیوں نے اس ہوائی جہاز کو دیکھ کر خوشی اور دلچسپی کا اظہار کیا اور اس کا ڈیزائن خرید لیا۔

عالمی میدان میں نوخیز سوویت طیارہ‌ساز صنعت کی پہلی کامیابیاں '' آ‌ن‌ت — ۴ ،، اور '' آ‌ن‌ت — ۹ ،، سے شروع ہوئیں۔ توپولیف اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر اس نئی سوویت صنعت کو اپنے راستے پر ترقی کرنا ہے تو اسے یورپ کی نقل نہیں کرنا چاہئے۔ اپنے کام کے ابتدائی زمانے ہی میں انھوں نے یہ فریضہ پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انھوں نے اس پر زور دیا کہ بڑے اور نئے ہوائی (Aerodynamic) نلکے تیار کئے جائیں اور طیاروں کے ڈیزائن بنانےوالوں اور دھات کے ماہروں کے درمیان عملی تعاون ہو تاکہ دھات کے ہوائی جہاز کے لئے دھاتوں کے ہلکے سے ہلکے مرکب دریافت ہوسکیں۔ اس سے ہم توپولیف کی زبردست دوراندیشی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

توپولیف نے تقریباً ہر سال ایک نئے ہوائی جہاز کا ڈیزائن بنایا۔ '' آ‌ن‌ت — ۲۰ ،، ('' میکسم گورکی ،،) اور '' آ‌ن‌ت — ۲۵ ،، ('' طویل فاصلے کا ریکارڈ ،،) سے نئے قسم کے بڑے ہوائی جہازوں کا دور شروع ہوا۔ یہ '' آ‌ن‌ت — ۲۵ ،، ہی تھا جس میں مشہور سوویت طیارہ‌بازوں چکالوف ، بائیدوکوف ، بیلیاکوف نے اور پھر بعد میں گروموف ، یوماشیف اور دانیلن نے قطب شمالی پار کرکے براہ‌راست امریکہ تک پروازیں کی تھیں۔

اس کارنامے کی تحسین کا غلغلہ مشکل ہی سے کم ہونے پایا تھا کہ توپولیف کا بنایا ہوا ایک اور نیا ہوائی جہاز منظر عام پر آیا۔ یہ تھا چار انجن‌والا '' آ‌ن‌ت — ۴۲ ،،۔ یہ پہاڑ کا پہاڑ ہوائی جہاز

امریکہ کے ''اڑن قلعوں'' سے بہت پہلے بنایا گیا تھا اور اس کی رفتار اس زمانے کے لڑاکو جہازوں سے بھی زیادہ تیز تھی!

اگر ہم اس صدی کی تیسری دہائی کو سوویت طیارہ‌ساز صنعت کی پیدائش اور قیام کا دور کہیں تو چوتھی دہائی سوویت طیارہ‌بازوں کی شاندار کامیابیوں، عالمی ریکارڈوں اور جری پروازوں کا زمانہ تھی۔

پھر ۱۹۴۱ء آیا اور اس کے ساتھ ھی جنگ۔ جنگ کے طویل اور مشکل برسوں میں نازیوں کا قلع قمع کرنے میں سوویت فضائیے نے جو رول ادا کیا اسے سب جانتے ھیں۔ توپولیف کے جہاز اس سخت آزمائش پر بھی پورے اترے۔ خاص کر ان کا بنایا ھوا دو انجن‌والا ''تو — ۲'' (توپولیف نام کے پہلے دو حرف) بمبار ھوائی جہاز طویل فاصلہ طے کر کے دشمن کے علاقے کے بالکل اندر داخل ھو کر بمباری کر سکتا تھا۔

جنگ ختم ھو گئی۔ زندگی نئے نئے تقاضے کرنے لگی۔ اب جہاز کے ڈیزائن بنانےوالوں کا فریضہ یہ تھا کہ ھوائی جہاز کی رفتار بڑھائیں۔ پانچ سال میں سوویت ڈیزائن‌سازوں کی ایک ٹیم نے جس کے رہبر آندرئی توپولیف تھے پسٹن انجن کے طویل پرواز کرنےوالے کئی قسم کے بھاری ھوائی جہاز تیار کئے۔ یہ بڑی کامیابی تھی۔ لیکن ساتھ ھی یہ بات صاف تھی کہ پسٹن انجن کا زمانہ ختم ھو رھا ھے اور جلد ھی جیٹ انجن اس کی جگہ لینےوالا ھے۔ اس کے باوجود کہ جیٹ انجن بنانے کا کام بےحد پیچیدہ تھا اور کئی ٹکنیکی اور تنظیمی مشکلات درپیش تھیں آندرئی توپولیف یہ اھم کام حیرت‌انگیز کم وقت میں پورا کرنے میں کامیاب ھو گئے۔ چھٹی دہائی میں ان کے زیررہنمائی سوویت طیارہ‌ساز صنعت جیٹ ھوائی جہاز بنانے میں اتنی ھی پیش پیش تھی جتنی کہ پچیس برس پہلے عام طیاروں کی تعمیر میں۔

جب مسافربردار جیٹ ھوائی جہاز ''تو — ۱۰۴'' فضائی اڈوں پر نمودار ھوا تو بہت جلد وہ ساری دنیا میں مشہور ھو گیا۔ طیارہ‌بازوں نے اس کی ٹکنیکی خوبیوں کو سراھا اور مسافروں نے آرام و آسائش کی

تعریف کی۔ اس جہاز کی انتہائی رفتار فی گھنٹہ ۹۵۰ سے ۱۰۰۰ کلومیٹر تھی۔ وہ عام طور پر ۸۰۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اڑتا تھا اور کہیں ٹھہرے بغیر ۳۰۰۰ کلومیٹر تک کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔

جب "تو — ۱۰۴" لندن کے ہوائی اڈے پر اترا تو اس کے متعلق ایک انگریزی اخبار نے لکھا: "حضرات! حسین اور متناسب شکل کا مسافر جیٹ ہوائی جہاز "تو — ۱۰۴" آج کل انگلستان آیا ہوا ھے۔ روس نے تو مغرب کو مبہوت کر ڈالا... یہ پچاس نشستوں والا جہاز اتنا جدید ھے کہ امریکہ یا انگلستان کو ایسا جہاز بنانے کے لئے کم از کم تین سال درکار ہوں گے۔ شہری اور فوجی ماہر جو اسے دیکھنے کے لئے آئے تھے پہلے تو حیرت کے مارے سکتے میں کھڑے رہے، پھر جب سنبھلے تو اس کی تعریف میں سیٹی بجانے لگے۔ جیٹ کے تیر جیسے ڈیزائن اور پیچھے گرے ہوئے بازوؤں کی وجہ سے اس کی رفتار ہمارے برطانوی "کومیٹ" کے مقابلے میں ۱۰۰ — ۲۰۰ میل فی گھنٹہ زیادہ ھے۔ اس کے اندر جگہ کشادہ ھے، اس میں "کومیٹ" کی بنسبت ۱۴ زیادہ مسافر بیٹھ سکتے ہیں اور وہ مغربی طیاروں کے مقابلے میں زیادہ آرام دہ ھے۔ اس پر لطف یہ کہ ہمارے "کومیٹ" میں چار انجن ہیں اور اس میں صرف دو۔"

تمام دنیا نے "تو — ۱۰۴" سے جتنی دلچسپی لی اس کا اندازہ لگانا مشکل ھے۔ آندرئی توپولیف نے اس کا جو انوکھا ڈھانچہ بنایا تھا اسے خاص طور پر پسند کیا گیا۔ کئی بیرونی کمپنیوں نے اس عجیب و غریب ہوائی جہاز کے بارے میں ٹکنیکی معلومات حاصل کیں۔

"تو — ۱۰۴" نے اٹھارہ دن میں گیارہ عالمی ریکارڈ قائم کئے اور ان سب کو بین الاقوامی فضائی فیڈریشن نے تسلیم کیا۔ کئی آزمائشی طیارہ بازوں اور انجنیروں نے جن میں آلاشیف، کووالیف، سوخوملن، گروزدوف، بیندیروف اور ملخاسیان شامل تھے ریکارڈ قائم کرتے وقت اور اس کے بعد جہاز کی پرواز کو بہت سراہا۔

پھر توپولیف اور ان کی ٹیم کس کام میں مصروف ہوئی ؟ ان کے لئے دنیا پر فتح حاصل کرنےوالا یہ ہوائی‌جہاز اب محض ماضی کی بات بن گیا۔ ان کے سامنے نیا کام تھا۔ وہ ایسے جہازوں کے ڈیزائن بنانے میں مصروف ہوگئے جن کی رفتار اور زیادہ تیز ہو ، وہ مزید بوجھ اٹھا سکیں اور طویل‌تر فاصلے طے کریں۔

جلد ہی دنیا میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ سوویت یونین نے سب سے بڑا ٹربو پروپ ہوائی جہاز تیار کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ابتدائی حروف ”تو“ تھے اور اس کا نام ”تو — ۱۱۴“ تھا۔ یہ وہی ہوائی جہاز ہے جس سے ہم نے اپنی داستان شروع کی اور جسے توپولیف اور ان کے شرکاکار نے عظیم اکتوبر انقلاب کی چالیسویں سالگرہ کے اعزاز میں بنایا تھا۔ اس کے متعلق خود توپولیف سے سنئے :

”’تو — ۱۱۴ ‘ کا ڈیزائن بناتے وقت ہم نے خاص توجہ اس پر دی کہ جہاز کی بوجھ اٹھانے کی صلاحیت بڑھے، وہ فاصلہ زیادہ طے کرے اور کفایت شعار ہو۔ اس کے علاوہ ڈیزائن بنانےوالوں نے اس بات کا بھی لحاظ رکھا کہ مسافروں کو زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔“

”تو — ۱۱۴“ ٹربو پروپ ہوائی جہاز ہے۔ دنیا میں ابھی تک ایسا کوئی جہاز نہیں بنایا گیا تھا جو اس کے ٹربو پروپ انجنوں کی طاقت کا مقابلہ کر سکتا۔ اشتراکی محنت کے ہیرو کوزنیتسوف کی رہنمائی میں انجنیروں کے بیورو نے اس کے شہ‌زور انجن تیار کئے۔ جہاز میں بلا رکے بین‌براعظمی پروازوں مثلاً ماسکو سے رنگون یا ماسکو سے نیویارک تک کی پروازوں کے وقت زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ مسافر اور مختصر سفر میں جیسے ماسکو سے بحیرۂ اسود تک ۲۲۰ لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ طویل پرواز اور مختصر پرواز کرنےوالے جہازوں کی ساخت میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے قسم کے جہازوں میں مسافروں کی کیبن کی شکل مختلف ہے۔

۱۹۵۹ء کی گرمیوں میں نیویارک میں سوویت نمائش کھلی۔ ان ہی دنوں ”تو — ۱۱۴“ نے رکے بغیر پہلی بیرونی طویل پرواز کی۔

آندرئی توپولیف نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اس طویل بین براعظمی سفر کے پیچیدہ جہازرانی کے حالات میں اپنی نئی " تخلیق " کی پرواز کی خوبیاں آزمائیں گے۔

یہ دیوپیکر ہوائی جہاز بڑے جاہ وجلال سے ٹھیک بلندی پر اٹھا اور اس نے شمالی مغرب کا راستہ اختیار کیا۔ چند گھنٹوں کے بعد وہ بحراوقیانوس کے بے کراں سمندر کے اوپر اڑ رہا تھا۔ اور سامنے امریکہ کا مشرقی ساحل تھا۔

پرواز بہت کامیاب رہی۔ ماسکو سے نیویارک کے ہوائی اڈے تک پہنچنے میں " تو — ۱۱۴ " نے گیارہ گھنٹے اور چھ منٹ صرف کئے۔

نیویارک کے ہوائی اڈے پر یہ ہوائی جہاز سوویت سائنس اور انجنیرنگ کی کامیابیوں کا ناقابل تردید ثبوت تھا اور سوویت عوام کا پنکھوالا قاصد۔

امریکہ میں قیام کے دوران مقامی نامہ نگار ، فوٹوگرافر ، صحافی ، فضائیہ کے ماہر اور مختلف فرموں کے نمائندے آندرئی توپولیف اور ان کے ہوائی جہاز کو گھیرے رہتے تھے۔ ان سے اکثر یہ سوال کیا جاتا تھا :

" آنے والے " تو " کا کونسا نمبر ہوگا ؟ "

توپولیف مزاق سے جواب دیتے :

" نمبر اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ "

اب جو " تو " نمودار ہوا وہ " تو — ۱۲۴ " تھا۔ یہ درمیانہ فاصلوں کی پرواز کرنےوالا ، عام استعمال کا مسافری جیٹ ہوائی جہاز ہے۔ یہ نسبتاً چھوٹے ہوائی اڈوں پر اتر سکتا ہے جن کے رن وے بڑے نہیں ہوتے۔ سوویت یونین کا شہری فضائیہ ایروفلوٹ اسے استعمال کر رہا ہے اور یہ مسافروں میں بہت مقبول ہے۔

حال ہی میں ایک اور نیا " تو " ہوائی جہاز بنایا گیا ہے۔ یہ " تو— ۱۳۴ " ہے جس کی کامیابی سے آزمائشی پروازیں ہوچکی ہیں۔ یہ

ٹھیک ہے کہ اس قسم کے جہاز ابھی بڑی تعداد میں تیار نہیں کئے گئے ہیں ۔ لیکن جن لوگوں نے ۱۹۶۵ ء میں پیرس میں عالمی فضائی مظاہروں اور خلائی تحقیقات کی نمائش دیکھی ہے وہ ''تو — ۱۳۴'' کی کارکردگی سے بہت متاثر ہوئے ہیں ۔

پیرس کے ہوائی اڈے ''لے بورژے'' پر آندرئی توپولیف نے اپنے نئے مسافربردار جیٹ ہوائی جہاز ''تو — ۱۴۴'' کا مظاہرہ کر کے دنیا کو دنگ کر دیا ۔ اس کی رفتار آواز کی رفتار سے تقریباً دوگنی ہے — یعنی ڈھائی ہزار کلومیٹر فی گھنٹه ۔ یه ۲۰ کلومیٹر کی بلندی پر اڑتا ہے اور رکے بغیر ساڑھے چھه ہزار کلومیٹر کا فاصله طے کر سکتا ہے ۔ اس میں دو کیبن ہیں جن میں ۱۲۰ مسافر بیٹھ سکتے ہیں ۔ جہاز چلانے کے لئے تین آدمیوں کا عمله کافی ہوتا ہے ۔

توپولیف نے جب سے ہوائی جہازوں کے ڈیزائن بنانا شروع کئے ہمیشه وہ نئی سے نئی چیز کی تلاش میں رہے ہیں ۔ کھوج کے اسی جذبے نے انھیں ہر وقت بےقرار رکھا ، اسی نے انھیں مجبور کیا کہ وہ خواب دیکھیں ، پیش گوئی کریں اور ایسی چیزوں کا تصور کریں جو عام انسان ہنوز نہیں کر سکتا ۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ چشم بصیرت کو ایسی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن سے کوئی انقلابی اور نئی دریافت حاصل ہو سکتی ہے ۔ لیکن جرأت ، قوت‌ارادی اور بےپناہ خوداعتمادی کے بغیر دلیر خیالات کو حقیقت بنانا ناممکن ہے ۔ خوش‌قسمتی سے آندرئی توپولیف میں یه تمام خوبیاں موجود ہیں ۔ اپنے مشہور استاد سے انھوں نے قدرت کے رازوں کی گہرائی تک پہنچنا ، صبر کے ساتھ ان کی چھان بین کرنا ، انھیں سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا سیکھا ہے ۔ توپولیف اپنے بلند اور آزاد سائنسی خیال کے لئے اور اسے عملی جامه پہنانے کی غرض سے پیچیدہ ٹکنیکی مسئلے حل کرنے کی پیہم کوششوں کے لئے مشہور ہیں ۔ اپنے ساتھ کام کرنےوالوں میں بھی وہ اس خوبی کی بڑی قدر کرتے ہیں ۔

ان کے قریبی مددگاروں نے اس فہرست میں ایک اور خوبی شامل کی ھے - جب دوسرے لوگ کوئی مشکل سوال حل کرنے میں بالکل نا کام ہو جاتے ھیں اور انھیں حل تقریباً ناممکن نظر آتا ھے تو توپولیف اس کی " تشخیص "، کر کے اپنی حیرت‌انگیز قابلیت کا اظہار کرتے ھیں - ایک مثال لیجئیے -

یہ کئی برسوں کی بات ھے - توپولیف کے ایک جہاز کی انتہائی رفتار معلوم کرنے کے لئے آزمائشی پروازیں کی جا رھی تھیں - آزمائشی طیارہ‌باز نے شکایت کی کہ جہاز کی دم پھڑپھڑاتی ھے - سائنس‌دانوں اور انجنیروں نے دم کا ایک ایک حصہ چھان ڈالا لیکن وہ یہ نقص دور نہیں کر سکے - آندرئی توپولیف نے کافی غور کرنے کے بعد مشورہ دیا کہ ھوا کے بہاؤ کو ضبط میں لانے کے لئے جہاز کی دم پر دھات کے دو پترے چسپاں کر دئے جائیں - جہاز کی پھر آزمائش کی گئی - پھڑپھڑاھٹ بالکل غائب ھو چکی تھی -

توپولیف کے اس قسم کے مشورے محض قیاس‌آرائی نہیں بلکہ یہ نتیجہ ھیں ان کے گہرے علم کا ، ان کے سیرحاصل تخیل کا ، برسوں کے تجربات اور وجدان کا -

" فضائیہ خلائی پروازوں کا گہوارہ ھے "، آندرئی توپولیف لکھتے ھیں - " خلا میں پروازیں دراصل ان پروازوں ھی کا تسلسل اور ارتقا ھیں جنھیں فضا سے بھاری مشینیں یعنی ھوائی جہاز انجام دیتی ھیں - اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان خلا پر فتح حاصل کرےگا اور ھمارے نظام شمسی کے دوسرے سیاروں میں آباد ھوگا - اس کا یہ مطلب نہیں ھے کہ اس سے طیارہ بازی کی ترقی رک جائےگی اور وہ مزید کامیابیاں حاصل نہیں کرےگی - سوویت یونین میں طیاروں کے ڈیزائن‌ساز ایسے نئے ھوائی جہاز بنانے کی ھر ممکن کوشش کر رھے ھیں جو پہلے سے زیادہ دور ، زیادہ بلندی پر اور زیادہ رفتار سے پرواز کریں‌گے - مجھے اپنے ھم‌وطنوں سے پیار ھے اور میں ان کی تخلیقی صلاحیتوں پر یقین

رکھتا ہوں ۔ ہماری پارٹی اور حکومت عالمی امن کے لئے کوشاں ہے ، یہ میری ذاتی سرگرمیوں اور عقائد کی آواز بازگشت ہے ۔ یہ قدرتی بات ہے کہ میری تمام صلاحیتیں اور علم اپنے مادر وطن کی مزید خوشحالی کے لئے وقف ہوں اور میں اس کی نمایاں کامیابیوں پر سرشار ہوتا ہوں ۔ ،،

سوویت فضائیہ کے اس کارآزمودہ شخص کے سینے پر آٹھ آرڈر آف لینن آویزاں ہیں ۔ ۸۰ سال کے اس بزرگ انسان نے دو مرتبہ اشتراکی محنت کے ہیرو کا خطاب حاصل کیا ہے ۔ سوویت یونین کی سائنس اکادمی کے اس ممبر کو پانچ بار ریاستی انعام دئے گئے ہیں ۔ انھیں لینن انعام ملا ہے اور وہ اعلی سوویت کے رکن ہیں ۔

بین اقوامی فضائی فیڈریشن کی ۵۲ ویں جنرل کانفرنس نے آندرئی توپولیف کو بہترین ڈیزائن کے مسافربردار ہوائی جہاز ” تو — ۱۰۴ ،، اور ۲۰۰ نشستوں والے بین براعظمی ٹربو جیٹ جہاز ” تو — ۱۱۴ ،، بنانے پر سونے کا تمغہ دیا ۔ اس موقعے پر اپنی تقریر میں انھوں نے کہا :

” طیارہسازی کی دنیا میں ترقی لوگوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ اس لئے میں اس اعزاز کو ہماری پوری ڈیزائن ساز ٹیم کے کام کی قدرشناسی سمجھتا ہوں جس میں ماہر اور عام مزدور سب ہی شامل ہیں ۔ ،،

ایک فرد جو ۱۴۰ سے زیادہ قسم کے ہوائی جہاز بنانے میں حصہ لے چکا ہو جب اپنے بارے میں اتنی انکساری سے کام لے تو اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔ آندرئی توپولیف جس ٹیم کے ساتھ کام کرتے ہیں ان کے دل میں اس کی بڑی قدر ہے اور ٹیم کے لوگ بھی انھیں عزت اور تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ اور یہ ستایش محض ان کے علم ، تجربے اور صلاحیت کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ لوگوں سے ان کی مفاہمت ور پاس و لحاظ کے سبب سے بھی ہے ۔ مشکل لمحوں میں بھی وہ کوئی

نہ کوئی دلچسپ فقرہ کس دیتے ھیں جس سے لوگوں کے دل خوش ھو جاتے ھیں ۔ اکثر ایسا ھوا ھے کہ طیارہ‌باز کو ”اچھی حالت،، میں ھونے کے لئے انھوں نے پرواز ملتوی کر دی ۔ آندرئی توپولیف بے انتہا مصروف انسان ھیں لیکن اس کے باوجود وہ ورکشاپوں میں گھومنے کے لئے اور مزدوروں سے گپ شپ کرنے کے لئے وقت نکال لیتے ھیں ۔ اگر کوئی نوجوان انجنیر نئی تجویز کرتا ھے تو اس پر وہ توجہ دیتے ھیں اور بحث کرنا پسند کرتے ھیں ۔ ان کے خیال میں بحث کے ذریعے سے ھی صداقت کا پتہ چلتا ھے ۔

کیا وہ اپنے ووٹروں کو یاد رکھتے ھیں جنھوں نے انھیں اعلی سوویت کا ممبر چنا ھے ؟ ان پر بھی وہ اپنا وقت صرف کرتے ھیں ۔ ان کا جو بھی مسئلہ آندرئی توپولیف اپنے ھاتھ میں لیتے ھیں ووٹروں کو اطمینان ھوتا ھے کہ وہ جلدھی حل ھو جائےگا ۔

جن لوگوں کا ان سے اکثر واسطہ پڑتا ھے وہ کہتے ھیں : ”پہلی نظر میں آندرئی توپولیف کچھ خشک معلوم ھو سکتے ھیں اور کبھی کرخت بھی ۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ھی ھوتا ھے ۔ انھیں ھر بات کی فکر رھتی ھے — مزدوروں کے رھائشی مکانوں کی تیز تعمیر ، نوجوان انجنیروں کی تخلیقی ترقی اور زندگی میں ان کی کامیابیاں ۔

توپولیف سوویت بلغاریائی دوستی کی انجمن کے سرگرم صدر ھیں ۔ اپنے انتھک کام کے صلے میں انھیں بلغاریہ کا سب سے اعلی اعزاز ، گیورگی دمتروف کا تمغہ ملا ھے ۔ بلغاریہ اور اس کے لوگوں سے انھیں بڑی محبت ھے ۔ اس کی ابتدا لڑکپن سے ھوئی تھی جب ان کے دادا ، جو روس اور ترکی کی جنگ میں لڑ چکے تھے، بلغاریہ کے عوام کی بہادری کے قصے اور ان کی روسی لوگوں کے ساتھ دوستی کے واقعات سنایا کرتے تھے ۔ کئی برسوں کے بعد سوویت وفد کے سربراہ کی حیثیت سے توپولیف بلغاریہ گئے اور خود اپنی آنکھوں سے اس ملک کو دیکھا جس کی آزادی کے لئے ان کے دادا لڑے تھے ۔

توپولیف شوقیہ فوٹوگرافر بھی ھیں - جب بھی وہ ملک سے باھر جاتے ھیں تو ھر دلچسپ چیز کو فلماتے ھیں - وہ بلغاریہ میں تھے تو انھوں نے ایک چھوٹی فلم بنائی اور بعد میں اسے اپنے دوستوں کو دکھایا - فلم اتنی پسند کی گئی کہ توپولیف نے اسے سوویت بلغاریائی دوستی کی انجمن کو بطور تحفہ دے دی -

... جب ان کے کام کا دن ختم ھوتا ھے تو اکثر وہ اپنے بیٹے الکسئی کے ھمراہ گھر واپس آتے ھیں - الکسئی ٹکنیکی سائنس کے ڈاکٹر ھیں اور اپنے والد کے ھی ڈیزائن بیورو میں کام کرتے ھیں - جب وہ فلیٹ میں داخل ھوتے ھیں تو پوتے لپک کر چلاتے ھیں : ” دادا جان آ گئے ! دادا جان آگئے ! ،، ان لمحوں سے ان کی گھریلو زندگی شروع ھوتی ھے - آندرئی توپولیف بچوں سے بےانتہا پیار کرتے ھیں - اور بچے بھی یہ محسوس کرتے ھیں - ان کی شوقیہ بنائی ھوئی فلموں میں ھیرو ان کے پوتے ھوتے ھیں - وہ خاندان کے ساتھ ایسی فلمیں بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتے ھیں -

ھر شوقیہ فوٹوگرافر کا اپنا پسندیدہ موضوع ھوتا ھے - آندرئی توپولیف کا یہ موضوع ماسکو ھے - وہ ماسکو کے پرانے باسی ھیں ، انھیں اس شہر سے محبت ھے - یہاں جو بھی نئی نئی تبدیلیاں ھوئی ھیں انھیں دیکھ کر وہ بےحد خوش ھوتے ھیں -

(آندرئی توپولیف کا ۱۹۷۲ء میں انتقال ھوگیا -)

سیر گئی ایلیوشن

ابھی کچھ دن ھوئے مجھے ایک دستاویزی فلم دیکھنے کا موقع ملا جو جنگ کے زمانے میں بنائی گئی تھی۔ کئی کیمرہ‌مینوں نے اس میں ان دنوں کے مصائب دکھائے ھیں جن سے محاذ پر سپاھی اور عقب میں لوگ دو چار تھے۔ اس جھنجھوڑ دینےوالی فلم کا نام ھے ”جنگ کا ایک دن۔“ یہ جنگ کے ایک عام دن — ۱۳ جون ۱۹۴۲ء کے واقعات کو پیش کرتی ھے۔

یہ صبرآزماں سال تھا۔ دشمن سوویت یونین کے اندر داخل ھو گیا تھا، سپاھی محاذ پر سخت اور خونریز لڑائیاں لڑ رھے تھے اور عقب میں سوویت لوگ بہادری سے جانفشاں کام کر رھے تھے تاکہ اپنے وطن کی عزت اور آزادی بچائی جائے۔

فلم میں ایک طیارہ ساز فیکٹری کا منظر دکھایا گیا ھے۔

ورکشاپیں۔ ھر جگہ ھوائی جہاز جوڑے جا رھے ھیں۔ پھر منظر بدلتا ھے۔ اب ھمیں فیکٹری کی بڑی روش سے ھوائی جہاز اٹھتے ھوئے نظر آتے ھیں۔ ھوائی جہاز کے ڈیزائن بنانےوالے سیر گئی ایلیوشن اور آزمائشی طیارہ‌باز ولادیمیر کوکیناکی کی نظریں جہاز کی پروازوں پر جمی ھوئی ھیں۔ ھوائی جہاز ورکشاپوں میں تیار ھونے کے بعد براہ‌راست محاذ کا رخ کرتے ھیں۔ وھاں ان کا بےچینی سے انتظار کیا جاتا ھے۔ یہ نیچے اڑنےوالے ”ایل — ۲“ نامی حملہ‌آور ھوائی جہاز ھیں۔ سوویت فوجی انھیں ”اڑنےوالے ٹینک“ اور نازی ”سیاہ موت“ کہا کرتے تھے۔

”ایل — ۲“ توپوں، مشین گنوں اور بموں سے مسلح ھوتا تھا۔ سوویت طیارہ‌باز اس کی مدد سے فاشسٹوں کے ٹینکوں، خودکار توپوں، توپ خانوں، چھوٹے زمیں‌دوز قلعوں، توپچیوں، لاریوں اور ریلوں کو تباہ کرتے تھے اور دشمن کے لڑاکو ھوائی جہازوں سے ٹکریں لیتے تھے۔

یہ جہاز جس پر حفاظتی خول ھوتا تھا سوویت جہازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور ساتھ ھی معتبر سمجھا جاتا تھا۔ اکثر ایسا ھوا کہ اپنا فریضہ پورا کرنے کے بعد گولیوں سے چھدا ھوا وہ ذرا لڑکھڑاتا اپنے اڈے پر واپس لوٹا۔

سوویت فوج کی پسپائی کے مشکل لمحوں میں حملہآور سوویت ھوائی جہازوں نے لڑائی کے محاذ پر نمودار ھوکر فیصلہ کن رول ادا کیا۔ " ایل — ۲ " نے اپنی پہلی جنگی پروازوں ھی کے دوران اتحادی فوجوں کا دل موہ لیا تھا اور ان کے فوجی ماھر اس پر رشک کیا کرتے تھے۔ یہ حیرت کی بات نہیں تھی اس لئے کہ اس وقت تک کسی اور ملک کے پاس ایسا نیچا اڑنےوالا حملہآور ھوائی جہاز نہیں تھا جو اس نئے سوویت جہاز کا مقابلہ کر سکتا۔

جنگ سے کئی برس پہلے ایلیوشن نے طویل فاصلوں پر اڑنےوالے بمبار " ایل — ۴ " کی تیاری شروع کر دی تھی۔ جب وہ میدان جنگ کے اوپر نظر آیا تو کافی مشہور ھوا۔ سوویت طیارہباز اس کے ذریعے دشمن کے اندرونی علاقوں میں گھس کر فاشستوں کے فوجی ٹھکانوں کو تباہ و برباد کرتے تھے، جرمن بحری جہازوں کو ڈبوتے تھے اور جاسوسی پروازیں کیا کرتے تھے۔ تمام محاذوں پر جو ھوائی جہاز استعمال کئے جاتے تھے ان میں " ایل — ۲ " اور " ایل — ۴ " کی تعداد سب سے زیادہ ھوتی تھی۔ صرف جنگ کے زمانے میں تقریباً چالیس ہزار " ایل — ۲ " تیار کئے گئے تھے۔

سیرگئی ایلیوشن نے ھوائی جہازوں کے ڈیزائن بنانے کا کام تیسری دھائی میں شروع کردیا تھا۔ انھیں ایک حد تک آندرئی توپولیف کا ھمعصر سمجھنا چاھئے۔

ایلیوشن وولوگدا شہر کے قریب ھی ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ھوئے۔ بچپن میں وہ چرواھے کا کام کرتے تھے۔ ۱۱ برس کی عمر میں وہ شہر آ گئے۔ سیرگئی کو خود یہ یاد نہیں ھے کہ انھوں نے پیٹ

ЭРОФЛОТ

بھرنے کے لئے کیا کیا کام کئے۔ انھوں نے زمین کی کھدائی کی، نئی ریلوے لائن کی جائے تعمیر پر حاضری نویس رہے اور آخر میں زار کی فوج میں سپاھی کی حیثیت سے بھرتی ھو گئے! یہاں ان کی قسمت کا ستارا چمکا اور وہ سینٹ پیٹرسبرگ (اس وقت لینن گراد) کے ھوائی اڈے پر پہرہ دینے لگے۔ اسی جگہ ایلیوشن نے اس زمانے کے مشہور طیارہ‌باز اوتوچکن اور لیبیدیف کو دیکھا، یہیں انھوں نے پہلی بار زبردست بازوؤں‌والی مشینوں کا مسحورکن شور سنا جو انھیں پر اسرار اور جوش وخروش کی طلسمی دنیا میں لے آئیں۔

اس وقت روس میں پہلا ”فضائی ھفتہ“ سینٹ‌پیٹرسبرگ میں منایا جا رہا تھا۔ شہر طیارہ‌بازوں اور فضائیہ کے شائقین سے بھرا ھوا تھا۔ سیرگئی ایلیوشن پروازوں کو بڑے اشتیاق سے دیکھا کرتے تھے۔ انھیں دیکھ کر ان کے خیالات بھی دوردراز پرواز کرنے لگتے تھے۔ ھو سکتا ھے کہ ان ھی دنوں انھوں نے طیارہ‌باز بننے کا فیصلہ کیا ھو، یا اس سے بھی زیادہ جرأت‌آمیز کام کا — خود جہاز بنانے کا۔

پھر انقلاب کے طوفانی دن آئے۔ لوگ ہتیار ھاتھوں میں لے کر عظیم اکتوبر انقلاب کے اصولوں کی مدافعت کرنے لگے۔ ایلیوشن اس ٹرین کے نگراں تھے جو مختلف محاذوں پر ھوائی جہازوں کی مرمت کے لئے گھومتی پھرتی تھی۔

آخرکار وقت آیا جب وہ پڑھائی کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ انھوں نے ژوکوفسکی ناسی فوجی فضائی انجنیرنگ اکادمی میں تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے داخلے کا امتحان پاس کرنا تھا۔ وہ دن رات کتابیں پڑھنے اور نقشے بنانے میں مصروف ھو گئے۔ ان کا خواب پورا ھو گیا۔ اب وہ اکادمی کے طالب‌علم تھے۔

ایلیوشن خوب سمجھتے تھے کہ ھوائی جہازوں کا اچھا ڈیزائن‌ساز بننے کے لئے کیا کرنا چاھئے۔ اس کے لئے وسیع، گہرے اور ھمہ‌پہلو علم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اسے حاصل کرنے کے لئے انسان جتنی ممکن

کوشش کر سکتا ہے انھوں نے کی۔ ان کی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ وہ اکادمی سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہوئے۔ پھر سیرگئی ایلیوشن سوویت یونین کے فوجی فضائیہ میں کام کرنے لگے۔ یہاں انھیں فضائیہ کی ٹکنیکی سائنسی کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ جب ملک پر فاشست حملے کا خطرہ منڈلا رہا تھا تو ایلیوشن نے ایسے بمبار اور حملہ‌آور ہوائی جہاز تیار کئے جنھوں نے بعد میں جنگ کا رخ بدل دیا اور جن کی ضربوں نے جرمن حملہ‌آوروں کے دل دہلا دئے۔

جنگ جاری تھی۔ لیکن سیرگئی ایلیوشن امن کے دنوں کے لئے جہاز تیار کرنے میں مشغول تھے۔ امن کا سب کو انتظار تھا اور اس پر انھیں یقین تھا۔ ”ہمیشہ آگے دیکھو“ — اس مقولے کو خاص طور پر ہوائی جہازوں کے ڈیزائن‌ساز اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لئے کہ جدید صنعتوں میں طیارہ‌سازی کی صنعت انتہائی تیزرفتاری سے ترقی کر رہی ہے۔

حکومت نے سیرگئی ایلیوشن اور جہاز کے ڈیزائن‌سازوں کے ان کے گروپ کو ایک نئے مسافربردار ہوائی جہاز بنانے کا کام سپرد کیا۔ اس میں وہ جوش و خروش سے جٹ گئے۔

جنگ ختم ہو گئی۔ ایک نیا دو انجن‌والا جہاز ”ایل — ۱۲“ ہوائی اڈوں پر نظر آیا جس کے انجن کا ڈیزائن شویتسوف نے بنایا تھا۔ سوویت یونین میں وہ اندرونی پروازوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اس زمانے کے لحاظ سے اس ہوائی جہاز کی رفتار کافی تیز تھی — ۳۲۵ کلومیٹر فی گھنٹہ۔ اور وہ دو ہزار کلومیٹر تک کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔ اس میں جدید قسم کے ہوائی جہازرانی کے آلے نصب تھے (خراب موسم کے لئے اور دھند میں جہاز اتارنے کے لئے خاص خاص آلے)۔ وہ سوویت شہری فضائیے کا ایک عرصے تک خاص جہاز سمجھا جاتا تھا۔ اس کی جگہ پھر ”ایل — ۱۴“ نے لے لی جو زیادہ جدید تھا اور نئے آلوں سے لیس۔ اس میں مسافروں کے لئے آرام کی زیادہ سہولتیں بھی تھیں۔

هوائی جہاز بنانےوالوں کی کوئی بھی داستان دراصل ایک خیالی منصوبہ پورا ہونے ، پیچیدہ خاکوں پر بےخواب راتیں گزارنے اور ہزاروں ہی انجنیروں ، مستریوں اور مزدوروں کی مستقل مزاجی سے کام کرنے کی داستان ہوتی ہے ۔ ہر نئے ہوائی جہاز میں ڈیزائن بنانےوالے کی زندگی کا ایک حصہ مل سکتا ہے ۔

جنگ کے بعد جن لوگوں نے فضائی پریڈوں کو دیکھا ہے وہ سب متفق ہیں کہ سوویت فضائیے نے کافی ترقی کی ہے ۔ اب اس میں آواز سے زیادہ تیزرفتار لڑاکو جہاز ، راکٹ بردار طیارے اور '' ایل — ۲۸ '' جیٹ بمبار سب ہی شامل ہیں ۔

۱۹۵۸ ء میں پہلی مرتبہ '' ایل — ۱۸ '' مسافربردار جیٹ ہوائی جہاز ماسکو کے ہوائی اڈے ونوکووہ میں نظر آئے تھے ۔ جلد ہی وہ مسافروں میں کافی مقبول ہو گئے ۔ یہ بلاپس و پیش کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارے زمانے کے جدیدترین شہری ہوائی جہازوں میں شمار کئے جاتے ہیں ۔ جہاز کی پرواز کی رفتار ۶۵۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے ۔ چار ٹربو پروپ انجن اسے چلاتے ہیں جنھیں کوزنیتسوف نے بنایا ہے ۔ ''ایل — ۱۸ '' جہاز رکے بغیر ۳۷۰۰ سے ۶۵۰۰ کلومیٹر تک کا فاصلہ طے کر سکتا ہے ۔ اس مشہور جیٹ ہوائی‌جہاز کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اسے پرواز کرنے یا اترنے کے لئے بہت بڑی روش کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

'' ایل — ۱۸ '' دنیا کے تمام براعظموں کی سرزمین کو چھو چکا ہے اور کئی عالمی فضائی نمائشوں میں اسے پیش کیا گیا ہے ۔ دنیا کے بہت سے اخبارات نے اس کی غیرمعمولی پرواز کی صلاحیتوں کی تعریف کی ہے ۔ آج کل چودہ ملکوں میں '' ایل — ۱۸ '' ہوائی جہاز استعمال کیا جا رہا ہے ۔

ہوائی جہاز کے ڈیزائن‌ساز کا ذہن کسی ایک نقطے پر آکر نہیں رک جاتا ۔ وہ مستقل خیالی منصوبے بناتا رہتا ہے ، نئے نئے نمونوں

کے خواب دیکھتا ہے ، تکمیل کی جانب بڑھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ یہ بات قابل فہم ہے اور سیرگئی ایلیوشن بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں کیے جاسکتے ۔ چنانچہ تھوڑے عرصے ہی میں چار انجن کے ، بحر اوقیانوس کو پار کرنےوالے ، مسافربردار ، نئے طاقتور جیٹ ہوائی جہاز " ایل — ٦٢ " کا ڈیزائن ان کے دفتر کی میز پر موجود تھا ۔

اس ہوائی جہاز کے بنانے کی ابتدائی منزل میں کئی چھوٹے ماڈل تیار کئے گئے تھے جن میں سے ایک آج بھی سیرگئی ایلیوشن کی میز کی زینت ہے ۔ بعد میں چند تجرباتی جہاز فیکٹری میں تعمیر کئے گئے اور تجربےکار طیارہ‌بازوں نے ان کی پرواز کو جانچا ۔ ۱۸٦ نشستوں‌والا جہاز "ایل — ٦٢"، تمام آزمائشوں پر کامیابی سے پورا اترا اور عالمی فضائی مظاہرے اور خلائی تحقیقات کی نمائش میں اس کا مظاہرہ ہوا ۔ وہ فی گھنٹے ۸۵۰ سے ۹۰۰ کلومیٹر تک کی رفتار سے اڑ سکتا ہے اور ماسکو سے براہ‌راست نیویارک یا ولادیوستوک پہنچ سکتا ہے ۔

" مسافر ہوائی جہاز کا ہر ڈیزائن ساز کوشش کرتا ہے کہ اس کا بنایا ہوا جہاز زیادہ سے زیادہ قابل بھروسہ ، کم خرچ اور لوگوں کے لئے آرامدہ ہو" — سیرگئی ایلیوشن کہتے ہیں ۔ " ایک بہت بڑے جدید ہوائی جہاز ، مثال کے طور پر " ایل — ٦٢ " بنانے کے لئے کئی سال تک ڈیزائن‌سازوں ، سائنس‌دانوں ، آزمائشی طیارہ‌بازوں اور ہوائی جہاز بنانےوالوں کو پیہم سخت محنت کرنی پڑتی ہے ۔ آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ ایک جہاز کی " عمر طبعی " دس بارہ سال ہوتی ہے اور اس عرصے میں وہ تقریباً ۲ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتا ہے ۔ اسی لئے جہاز کی خوب ٹھونک بجا کر جانچ کرنا چاہئے — ایک ایک حصے ، ایک ایک سسٹم کی اور ایک ایک آلے سے لےکر پورے سالم جہاز کی ۔ "

ہوائی جہاز کے ڈیزائن‌ساز کو ہر فن‌مولا ہونا چاہئے — وہ نظریہ‌دان بھی ہو اور انجنیر بھی ، ٹکنیشن بھی ہو اور معاشیات کا ماہر

بھی ، فن کار بھی ہو اور طیارہ باز بھی ۔ شرائط ابھی ختم نہیں ہوئیں ۔ اسے اعلی درجے کا منتظم بھی ہونا چاھئے جو صنعتی پیداوار کی اونچ نیچ سے واقف ہو۔ سیر گئی ایلیوشن بالکل ایسے ھی انسان ھیں ۔

سیر گئی ایلیوشن ستر سے زیادہ بہاریں دیکھ چکے ھیں ۔ اس مختصر مضمون میں ان تمام باتوں کا مختصر ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا جو انھوں نے دیکھیں یا کیں ، یا ان تمام مشکلوں کا جو ان کے راستے میں حائل ہوئیں یا تمام کامیابیوں کا جو انھوں نے حاصل کیں ۔ لیکن اگر آپ ان کا فکر میں ڈوبا ہوا اور ذرا سخت چہرہ دیکھیں ، تو یہ سب چیزیں آپ کو آئینے کی طرح اس چہرے میں جھلکتی ہوئی نظر آجائیں گی ۔ جب وہ مسکراتے ھیں تو چہرے کی سختی فوراً غائب ھو جاتی ھے لیکن پیشانی پر زخم کا وہ داغ باقی رھتا ھے جو ۳۰ سال سے زیادہ وھاں موجود ھے ۔ اس کی کہانی اشتراکی محنت کے دوبار ھیرو اور ایلیوشن کے قریبی دوست طیارے کے ڈیزائن‌ساز یاکوولیف سناتے ھیں :

” ہم نے ۱۹۳۵ ء میں رابطے کا ایک نیا ھوائی جہاز بنایا ۔ یہ خوبصورت ، آرامدہ اور چلانے میں آسان تین نشستوں کا ھوائی جہاز تھا ۔ ایک فضائی مقابلے میں جب ھوائی جہازوں نے سیواستوپول سے ماسکو تک پرواز کی تو اس نے بھی شرکت کی اور انعام حاصل کیا ۔ ایلیوشن کو یہ جہاز بہت پسند آیا ، اس لئے کہ انھیں اکثر ماسکو سے ایک سست رفتار اور چھوٹے سے جہاز ” پو — ۲ “ میں مسلسل سفر کرنا پڑتا تھا ۔ انھوں نے اپنے استعمال کے لئے یہ جہاز مانگا اور ہم نے خوشی سے انھیں دیدیا ۔

” سیر گئی ایلیوشن کئی بار اس جہاز پر ماسکو واپس آکر ھمارے بہت شکر گزار ھوئے ۔ سب ٹھیک چلتا رھا ۔ ایک روز شام کو ھوائی اڈے کے سینجر رائیویچر نے مجھے ٹیلی‌فون کیا :

” ھمیں ابھی اطلاع ملی ھے کہ ماسکو جاتے ہوئے ڈیزائن‌ساز

12*

سیر گئی ایلیوشن کا جہاز گر پڑا۔ وہ کوئی سرخ رنگ کا جہاز اڑا رہے تھے۔ یہ تمھارا تو نہیں ہے ؟ ،،

” جس جہاز پر ایلیوشن پرواز کر رہے تھے اس کا رنگ واقعی سرخ تھا۔ میرا خون خشک ہو گیا۔ ایلیوشن حادثے کا شکار تو نہیں ہو گئے ؟ آخر ہوا کیا ؟ میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے میرے پیر زمین پر جم گئے ہوں۔

” پھر ہمیں یہ اچھی خبر ملی کہ جہاز تو تباہ ہو گیا لیکن طیارہ‌باز زندہ ہے ! کچھ دنوں بعد ایلیوشن سے میری ملاقات ہوئی۔ ان کے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ انھیں زندہ دیکھ کر مجھے بے‌پناہ خوشی ہوئی۔

” انھوں نے کہا : ” ساشا ، مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ تمھارا جہاز تو پرندے کی طرح اڑتا تھا۔ لیکن جب تیل ہی نہ ہو تو انجن کیسے کام کر سکتا ہے۔ اس ' تفصیل ، کو نہیں بھولنا چاہئے۔ ،،

” ہوا یہ کہ تیل بالکل ختم ہو جانے سے ہوائی جہاز کا انجن یکایک بند ہو گیا اور رات کی تاریکی میں ایلیوشن کو اسے انجانی زمین پر اتارنا پڑا۔ بعد میں پتہ چلا کہ کوئی مستری صاحب جہاز میں تیل بھرنا بھول گئے تھے ! اسی حادثے کا یہ نشان ان کی پیشانی پر ابھی تک نظر آتا ہے اور اس افسوسناک واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔ ،،

سیر گئی ایلیوشن نے بڑا شاعرانہ مزاج پایا ہے۔ وہ گھنٹوں تک موسیقی سن سکتے ہیں اور اس سے لطف‌اندوز ہوتے ہیں۔ خود بھی وہ شاعر اور سازنواز ہیں۔ روسی لوک گیتوں میں انھیں صداقت ، وسعت ، آزادی اور غنائیت بے حد محسوس ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ روسی لوک گیت سنتے ہیں تو موسیقی انھیں اپنے بچپن کے دن یاد دلاتی ہے اور وولوگدا کے دریاؤں کی طغیانی اور بسیط میدانوں کے مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ایلیوشن اکثر اپنے آبائی گاؤں جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں سے

ملتے ھیں۔ وولوگدا کے لوگ بھی اعلی سوویت میں اپنے نمائندہ ممبر کے پاس آیا کرتے ھیں۔ دیہات میں وہ ایک آدھ ھفتہ آرام کرتے ھیں، وولوگدا کے جنگلوں میں دنوں تک شکار کھیلتے ھیں۔ ان میں واقعی شکاریوں کا تحمل ھے۔ وہ دریا کے کنارے گھنٹوں اس انتظار میں بیٹھے رھتے ھیں کہ مچھلی چارے پر منہ مارے!

اپنے کنبے میں صرف سیرگئی ایلیوشن ھی تنہا فضائیے کے ماھر نہیں ھیں۔ ان کے بیٹے ولادیمیر مشہور آزمائشی پائلٹ ھیں۔ انھیں سوویت یونین کے ھیرو کا خطاب مل چکا ھے۔ وہ ان چند نوجوان طیارہ‌بازوں میں سے ھیں جنھوں نے سوویت فضائیے کا نام روشن کیا ھے۔ ولادیمیر کو پرواز سے اس وقت دلچسپی شروع ھو گئی تھی، جب وہ لڑکے ھی تھے۔ اپنی عمر کو پہنچے تو ھوائی جہاز چلانا سیکھ لیا۔ وہ پائلٹ ھو گئے اور انھوں نے کئی عالمی ریکارڈ قائم کئے۔ پھر انھیں ایک المیہ پیش آیا۔ وہ موٹر کے حادثے میں بری طرح زخمی ھو گئے۔ ایسا معلوم ھوتا تھا کہ اب وہ آزمائشی طیارہ‌باز نہیں رہ سکتے۔ لیکن سیرگئی ایلیوشن کو یقین تھا کہ ولادیمیر کو پرواز پھر شروع کرنے میں زیادہ دن نہیں لگیں‌گے۔ آخر وہ اپنے بیٹے کو جانتے تھے! بہت ھی کم وقفے کے بعد ولادیمیر پھر جہاز چلانے لگے اور جلد ھی فضائیہ کی دنیا میں یہ خبر مشہور ھو گئی کہ اس نڈر طیارہ باز نے ایک اور نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا ھے۔

ایک مرتبہ کسی نے سیرگئی ایلیوشن سے پوچھا کہ زندگی سے انھیں کیوں اتنی بھرپور محبت ھے۔

سوچے بغیر انھوں نے فوراً جواب دیا:

"اس کے علاوہ انسان اور کیا کر سکتا ھے؟ زندگی بڑی ھی دلچسپ چیز ھے!" اور اسی زندگی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے سیرگئی ایلیوشن، اشتراکی محنت کے دوبار ھیرو اور لینن انعام‌یافتہ، چیف ڈیزائن‌ساز عالمی شہرت رکھنےوالے ھوائی جہاز تیار کرتے ھیں۔

12--328

''سیگ،، (MIG) کا مطلب کیا ھے ؟ کئی لوگ خیال کرتے ھیں کہ یہ علامتی لفظ ھے جس کے معنی تیزی اور رفتار ھیں۔ یہ بھی صحیح ھے۔ لیکن دراصل یہ تین حروف سوویت جہازوں کے دو ڈیزائن سازوں کے ناموں کے ابتدائی حروف ھیں۔ پہلے دو حروف م اور ی میکویان سے لئے گئے ھیں اور آخری تیسرا حرف گ گوریویچ سے۔

اسے تقریباً تیس سال ھوچکے ھیں جب پہلا ''سیگ،، ھوائی جہاز تیار کیا گیا تھا۔ اس وقت یورپ جنگ کے شعلوں میں لپٹا ھوا تھا اور سوویت یونین کی مغربی سرحدوں پر طبل جنگ صاف سنائی دے رھا تھا۔ سوویت افواج کو جدید جنگی سازوسامان کی ضرورت تھی۔ اسے خاص طور پر فضائیہ کے ماھر شدت کے ساتھ محسوس کر رھے تھے جو حال ھی میں سوویت معاشی وفد کے ھمراہ جرمنی سے لوٹے تھے۔

مشہور جرمن طیارہساز ویلی میسرشمڈٹ اور ارنسٹ ھینکل نے انھیں اپنے چند جنگی ھوائی جہاز دکھا کر ڈینگ ماری تھی کہ پرواز کے لحاظ سے ان کا کوئی ثانی نہیں۔ طاقت کے اس مظاھرے کا مقصد سب پر واضح تھا۔ جرمن '' نفسیاتی جنگ ،، کے ذریعے سوویت لوگوں کو ڈرانا چاھتے تھے اور انھیں دھمکا رھے تھے۔ لیکن سوویت لوگ کمزور دل کے نہیں ھیں۔ خاص کر سوویت طیارہسازوں نے یہ چال فوراً سمجھ لی۔

حیرت‌انگیز کم وقت میں سوویت ڈیزائن‌سازوں نے ایک نیا لڑاکو ھوائی جہاز '' میگ — ۱ ،، بنا لیا۔ اس زمانے کے لحاظ سے اس کی رفتار بہت تیز تھی — یعنی ۶۵۰ کلومیٹر فی گھنٹہ۔ وہ بارہ کلومیٹر کی بلندی پر اڑ سکتا تھا۔ وہ نہ صرف ملک میں بلکہ دنیا بھر میں سب سے تیز رفتار جنگی جہاز سمجھا جاتا تھا۔ سوویت یونین پر فاشست حملے کے دس مہینے پہلے اگست ۱۹۴۰ء میں '' میگ — ۱ ،، کی تمام سرکاری آزمائشیں پوری ھو چکی تھیں۔ تھوڑے ھی عرصے بعد ایک اور نیا

لڑاکو جہاز ''میگ — ۳،، تیار کر لیا گیا جو زیادہ فاصلہ طے کر سکتا تھا اور زیادہ طاقتور ہتیاروں سے لیس تھا۔

سوویت یونین پر اچانک دغابازانہ حملے کی وجہ سے شروع میں جرمن نازیوں کو کافی برتری حاصل تھی — خاص کر فضائی قوت میں۔ لیکن ۱۹۴۱ء میں ''میگ،، کی جو رفتار تھی اس تک پہنچنے کے لئے جرمنوں کو ایک سال صرف کرنا پڑا۔

اس طرح لفظ ''میگ،، کی شہرت شروع ہوئی۔ اس لفظ کے آگے جو ہندسے بڑھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس ہوائی جہاز کی کتنی نئی قسمیں تیار ہوئیں۔ آخری ۲۵ برسوں میں ان ہندسوں میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

۱۹۴۴ء کا سال آیا۔ سوویت فوج کے بڑھتے ہوئے حملوں کی وجہ سے نازی دستے مغرب کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اسی زمانے میں آرتیوم میکویان کا ڈیزائن ساز بیورو نئے سے نئے طاقتور جہاز بنانے میں مصروف تھا۔ یہ محض پرانے ''میگ،، جہازوں کے تازہ نمونے نہیں تھے۔ یہ بنیادی طور پر ایسے نئے طیارے تھے جنھوں نے فضائیے کے ارتقا میں ایک پورا کا پورا نیا دور شروع کیا — جیٹ کا دور!

اس موقع پر میں آرتیوم میکویان کی تخلیقی صلاحیت کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ وہ پرانے آزمودہ طریقوں اور ڈیزائنوں سے بالکل آزاد ہوکر نئے انقلابی خیال کو اپناتے ہیں۔ وہ ایسے موجد ہیں جنھیں اگر یہ یقین ہو جائے کہ نئے اصول بہتر ہیں اور ان سے طیارساز صنعت کو مزید ترقی ہو سکتی ہے تو وہ دقیانوسی خیالات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے سے بالکل نہیں ھچکچاتے۔ ان کی بیباک جدت کی بہترین مثال ایک جہاز ہے جس کا انھوں نے ڈیزائن بنایا تھا۔ اس میں روایتی پسٹن انجن کے علاوہ جہاز کی دم میں جیٹ انجن بھی نصب تھا۔ اسے لوگ ''ن،، کے نام سے جانتے تھے اور اس کی رفتار ۸۵۰ کلومیٹر فی گھنٹہ تھی۔

وہ کیا تقاضے تھے جنھوں نے ڈیزائن‌سازوں سے مطالبہ کیا کہ وہ پسٹن انجن کی جگہ جیٹ انجن استعمال کریں؟ جواب آسان ہے۔ وقت کی نبض کبھی نہیں رکتی، ڈیزائن‌ساز سوچتا رہتا ہے کہ ایسا ہوائی جہاز بنایا جائے جو پہلے سے زیادہ تیز اور بلند پرواز کرے۔ رفتار اور بلندی بڑھانے کا مسئلہ براہ‌راست جہاز کی ساخت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے دھاتوں کی سائنس، ریڈیوالیکٹرونکس اور طیارہ‌ساز صنعت کی دوسری اعلی مخصوص شاخوں کے سوال بندھے ہوئے ہیں۔ فضائیے کے آغاز کے وقت بھی جب لکڑی کے ڈھانچے کی جگہ دھات کے ڈھانچے کا استعمال ضروری ہو گیا تھا ڈیزائن‌ساز ایسے ہی مشکل مسائل سے دو چار تھے۔ آرتیوم میکویان اس نئے میدان میں پہلے سمجھو بن گئے۔

ہوائی جہاز "ن" نے واقعی ایک نیا دور شروع کیا، یہ دور تیزرفتار جیٹ ہوائی جہازوں کا دور تھا۔

"میگ – ۹" جس پر میکویان نے ۱۹۴۵ء کی ابتدا سے کام کرنا شروع کیا تھا یہ اصولاً ایک نئے قسم کا ہوائی جہاز تھا۔ ایک سال کے اندر "میگ – ۹" کی تمام آزمائشیں کامیابی سے پوری کر لی گئیں۔ اس کی آزمائش کرنے‌والے مشہور طیارہ‌باز الکسئی گرنچیک تھے۔ یہ ان بہادر اور ماہر سوویت طیارہ‌بازوں سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں‌نے سوویت فضائیہ کی کامیابیوں میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ جب نیا ہوائی جہاز دور آسمان کی گہرائیوں میں داخل ہو جاتا ہے تو زمین پر ڈیزائن‌ساز اسے صرف بےبسی سے دیکھ ہی سکتا ہے۔ اب آزمائشی پائلٹ کی باری آتی ہے کہ وہ نئی تخلیق کو پرکھے اور غیرمتوقع باتوں کا سامنا کرے۔ اسی لئے پرواز کے وقت اس کے جہاز کا ہر مشاہدہ ڈیزائن‌ساز کے لئے بےحد اہمیت رکھتا ہے۔

"میگ – ۹" ۹۲۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اڑسکتا تھا۔ یہ رفتار اس کے پیش‌رو "ن" سے کافی زیادہ تھی۔ آرتیوم میکویان

نے ثابت کر دیا کہ اب ''میگ،، جہاز ایک بلندترین قلعہ کو فتح کرنے کے لئے تیار ھیں — یعنی آواز کی رفتار کو۔

فیصلہ کن دھاوا جلد ھی بول دیا گیا۔ اب ''میگ — ۱۵ ،، تیار تھا۔ اس کی ھر قسم کی پروازی جانچ تیزی سے ختم ھو گئی — پائلٹ اسے ''سورما ،، کے نام سے پکارتے تھے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ھے کہ جنگ کے بعد دنیا میں یہ بہترین لڑاکو جہاز تھا۔ تمام ماھرین فضائیہ جنھوں نے اس جہاز کو دیکھا ھے اس بات کی تصدیق کرتے ھیں۔

اس نئے طیارے کی غیرمعمولی لڑاکو صلاحیت، اس کے طاقتور ھتیاروں اور رفتار کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ھے۔ لیکن اس کی جگہ ''میگ — ۱۷ ،، نے لے لی۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ ۱۱۵۰ کلومیٹر تھی جو چھٹی دھائی کے لئے بےپناہ کہی جا سکتی ھے۔ اس ھوائی جہاز نے آواز کی رفتار کو دوڑ میں ھرا دیا۔

آرتیوم میکویان جب جہاز کا ڈیزائن تیار کرتے ھیں تو ھمیشہ مستقبل میں تبدیلیوں کا خیال رکھتے ھیں۔ اس کے لئے فضائیہ کی ٹکنیک کے ارتقا کے قوانین کو گہرے طور پر سمجھنے کی ضرورت ھے۔ اس میں میکویان ماھر ھیں۔ یہی وجہ ھے کہ ان کے ڈیزائن کئے ھوئے جہاز زیادہ عرصے تک مسلسل تعمیر ھوتے رھتے ھیں اور جدیدترین بنائے جا سکتے ھیں۔

زندگی کا پہیہ گردش کرتا رھا، سائنس اور ٹکنیک کی نئی نئی کامیابیاں فضائیہ کی ترقی کے لئے نئے نئے راستے کھولتی رھیں۔ ''میگ — ۱۷،، کے بعد ''میگ — ۲۱،، آیا اور اس کی جگہ دوسرے نئے ''میگ،،۔ مزید رفتار اور مزید بلندی کے لئے جدوجہد جاری رھی۔

مجھے یاد ھے کہ ایک دن آرتیوم میکویان نے مجھے ایک نیا کیمرہ دکھایا جس پر ''لینن گراد میں بنا ھوا،، لکھا تھا۔ پھر انھوں نے کہا:

''اسے میں اپنے نوجوان ھموطنوں کو بطور تحفہ دینا چاھتا ھوں جنھیں فوٹوگرافی کا شوق ھو۔،،

بعد میں پته چلا که یه نوجوان آرمینیا کے ایک چھوٹے سے قصبے ساناین کے اسکولی طالب‌علم تھے۔ سانایں سیکویان کا آبائی قصبه ھے جو حسین پہاڑیوں سے گھرا ھوا ھے۔ اسی جگه انھوں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ قدرتی بات تھی که ساٹھ سال کے ھونے کے باوجود بچپن کی پیاری یادیں ان کے ذھن پر نقش تھیں۔ جب کبھی سیکویان آرمینیا جاتے ھیں وہ اس اسکول کا چکر ضرور لگاتے ھیں اور بچوں سے فضائیه کی دنیا کی باتیں کرتے ھیں اور بہادر طیارہ‌بازوں کی داستانیں سناتے ھیں۔ بچے اکثر ان سے پوچھتے ھیں که کیا بچپن سے ھی وہ پرواز کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ میکویان رام کہانی سناتے ھیں که کس طرح انھوں نے ھوائی جہازوں سے دلچسپی لینا شروع کی تھی۔ یه کہانی اسکول کے بچوں کو حفظ یاد ھے لیکن اسے بار بار سننے سے وہ کبھی نہیں تھکتے۔

اس واقعے کو مدت ھو گئی جب ایک ھوائی جہاز کو سانایں کے نزدیک مجبوراً اترنا پڑا تھا۔ مقامی بچوں میں آرتیوم بھی تھے جو اسے دیکھنے کے لئے جمع ھو گئے تھے۔ اس وقت انھیں مطلق خیال نہیں تھا که یه دن ان کے لئے کتنا فیصله کن ھو سکتا ھے۔

آرتیوم کو بچپن ھی سے پڑھنے کا شوق تھا۔ چنانچه ماں نے انھیں تبلسی بھیج دیا جہاں ان کے بڑے بھائی انستاس تعلیم حاصل کر رھے تھے۔ یہاں انھیں کتابوں کی دنیا مل گئی۔ انھوں نے دلچسپی سے پڑھنا شروع کر دیا اور شوقیه تھیٹر میں بھی حصه لینے لگے۔

اسکول ختم کرنے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں آرتیوم روستوف آگئے اور یہاں حرفتی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ "کراسنی اکسائی" کارخانے میں خرادی کا کام بھی سیکھنے لگے۔ یہیں انجنیرنگ سے انھوں نے اپنا لگاؤ محسوس کیا۔

پھر روستوف سے وہ ماسکو آئے اور "ڈینامو" کارخانے میں خرادی کا کام کرنے لگے۔ جلد ھی ینگ کمیونسٹ لیگ کی ھدایت کے مطابق

وہ لال فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے ژوکوفسکی نامی فوجی فضائی انجنیرنگ اکادمی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں نوجوان ارتیوم میکویان زندگی میں پہلی بار ہوائی چھتری سے کودے۔ ماسکو کے فضائی کلب کے ممبر ہونے کی حیثیت سے انھیں یہ حق تھا کہ ہوائی جہاز چلانا سیکھیں۔ اکادمی ھی میں معلوم ہوا کہ وہ ہوائی جہاز ڈیزائن کرنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ھیں۔

۱۹۳۷ء میں میکویان نے اکادمی سے ڈگری حاصل کرلی۔ یہ بےاطمینانی کا زمانہ تھا۔ سر پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ نوجوان انجنیر فوجی نمائندہ مقرر کردئیے گئے۔ ان کا کام ایک طیارہساز فیکٹری سے ہوائی جہاز وصول کرنا تھا۔ جو جہاز تیار کئے جاتے تھے انھیں ان کی جانچ کرنا پڑتی تھی۔ لیکن آرتیوم میکویان کو یہ کام زیادہ پسند نہیں تھا۔ وہ خود ہوائی جہازوں کے ڈیزائن‌ساز بننا چاہتے تھے۔ خوش‌قسمتی سے انھیں نکولائی پولیکارپوف کے ڈیزائن بیورو میں جگہ مل گئی۔ پولیکارپوف اس زمانے میں مشہور طیارہ‌ساز تھے ...

ایک روز میں ان کے دفتر آیا۔ بڑے کمرے میں سادہ سا فرنیچر تھا۔ بڑی سیاہ میز کے پیچھے آرتیوم میکویان بیٹھے ہوئے تھے، گٹھے ہوئے بدن کے، سر پر چاندی جیسے سفید بال۔ وہ اپنی عمر سے کم دکھائی دیتے ھیں۔ حسب معمول انھوں نے اپنی مہربان مسکراہٹ سے میرا خیرمقدم کیا۔ ان کے اچھے موڈ سے معلوم ہوتا تھا کہ کام ٹھیک چل رہا ھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے تازہ‌ترین جہاز کی تمام آزمائشیں کامیابی سے انجام دیدی گئی ھیں۔ دراصل جہاز کی پرواز کے متعلق آزمائشی پائلٹ سے وہ گفتگو کرکے ابھی آئے تھے۔

آرتیوم میکویان آزمائشی طیارہ‌بازوں سے ھمیشہ دوستوں کی طرح پیش آتے ھیں۔ وہ ان سے بات چیت کرنے اور اپنے نئے جہاز کے متعلق مشورے لینے میں گھنٹوں گزار دیتے ھیں۔ آزمائشی طیارہ‌باز بھی ان کی ایک بزرگ دوست کی طرح عزت کرتے ھیں۔ ایسے ھی دوستانہ لیکن کاروباری

1

مراحل میں کئی اہم سوال حل کئے جاتے ہیں۔ آرتیوم میکویان طیارہ‌بازوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور نئے جہاز کی آزمائش کے بعد ان کی ہر رائے کو بڑی سنجیدگی سے سنتے ہیں۔ عام طور پر ہر ڈیزائن‌ساز اپنی ذاتی رائے کی تائید سننا پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا لگایا ہوا حساب کتاب ٹھیک نکلے۔ لیکن میکویان اپنے جہازوں کے بارے میں ہمیشہ دوسروں کا صحیح اندازہ معلوم کرنا پسند کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اگر کوئی سخت تنقید بھی کرتا ہے تو اسے وہ خندہ پیشانی سے قبول کرلیتے ہیں۔ تنقید قبول کرنا، اپنی خودداری کو ٹھیس پہنچانا بڑی ہی مشکل بات ہے۔ لیکن کام صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے۔ آج خاص کر ان کا موڈ خراب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ طیارہ‌بازوں نے ان کے نئے جہاز کی بہت تعریف کی ہے۔

ہماری گفتگو تیزرفتار جیٹ ہوائی جہازوں کے مستقبل کے بارے میں ہونے لگی۔ اب آرتیوم میکویان بالکل بدلے ہوئے انسان تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس موضوع پر وہ گھنٹوں بات‌چیت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

”جیٹ ہوائی جہازوں کی ترقی کے سلسلے میں کوئی حد مقرر کرنا بہت مشکل ہے،، میکویان نے کہا۔ ”مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۱ء میں میرے ایک پروفیسر نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ کوئی بھی بازوؤں‌والا جہاز ۶۰۰ — ۷۰۰ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔ لیکن جیٹ ہوائی جہازوں نے یہ حد پار کرلی ہے اور ہوائی جہاز بنانے‌والے آواز کی رفتار کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ آواز کی رفتار کو ” ہارس پاور ،، کی طرح ایک اصطلاح نہیں سمجھنا چاہئے جو مصنوعی پیمانہ ہے۔ جب رفتار ۱۰۰۰ — ۱۲۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہو تو اس پر ہوائی حرکیات (aerodynamics) کے بنیادی قانون جن کا عام پرواز کرنے‌والے اجسام پر اطلاق ہوتا ہے لاگو نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت

میں ضروری ہے کہ جہازوں کے ڈیزائن کے متعلق بالکل نئے طریقے سے سوچا جائے۔ ،،

ڈیزائن‌ساز اور انجنیر جو دو ہزار، تین ہزار کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اڑنے‌والے جہاز بنا رہے ہیں ایک اور مشکل سے دو چار ہیں — ،، گرمی کی حد ،،۔ اس رفتار پر ہوا کی رگڑ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ جہاز کا جسم حد سے زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ لیکن آواز کی رفتار سے زیادہ تیز اڑنے‌والے ہوائی جہازوں کی آزمائشی پروازوں نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ مسئلہ بھی حل کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ انجنیرنگ کے مسئلے اور طبی مسئلے ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں۔ آج کل جو لوگ نئے ہوائی جہاز بناتے ہیں ان میں علم‌حیات کے ماہر اور ڈاکٹر بھی شامل ہوتے ہیں۔ جب جہاز کی رفتار ایک ہزار کلومیٹر فی گھنٹے یا اس سے زیادہ ہوتی ہے تو وہ انسان کے جسم پر رفتار بڑھاتے اور گھٹاتے وقت کشش ثقل کے اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جدوجہد طویل اورسخت رہی ہے لیکن انسان کی دانش اور غیرمغلوب قوت‌ارادی کے سامنے فطرت سر جھکانے پر مجبور ہے۔ غالباً یہی طویل اور دلچسپ جدوجہد فضائیہ کی ترقی کا راز ہے۔ اس کا ثبوت سوویت طیارہ‌بازوں کے وہ عالمی ریکارڈ ہیں جو انھوں نے رفتار اور بلندی میں قائم کئے ہیں۔ ایک مثال لیجئے۔ ۱۹۶۲ء میں آزمائشی پائلٹ گیورگی موسولوف نے اپنا جہاز ۲۶۸۱ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے چلا کر اور اسے ۳۴۷۱۴ میٹر کی بلندی پر لےجا کر نیا ریکارڈ قائم کیا۔ یہ آواز کی رفتار سے دوگنی سے بھی زیادہ رفتار ہے۔ کیا یہ رفتار کی حد ہے؟ نہیں، آرتیوم میکویان کے نئے بنائے ہوئے ہوائی جہازوں کی رفتار اس سے بھی زیادہ تیز ہے۔

اشتراکی محنت کے دوبار ہیرو، سوویت سائنس اکادمی کے رکن آرتیوم میکویان کی داستان کو میں ہمارے بزرگ‌ترین اور قابل احترام ڈیزائن‌ساز ارخانگیلسکی کے الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں:

” واضح مقصد اور اسے حاصل کرنے کے لئے پوری طرح اپنے آپ کو وقف کر دینا — یہ ھیں آرتیوم میکویان کی خصوصیات ۔ اگر کوئی نیا جہاز بناتے وقت منصوبے کے مطابق گاڑی آگے نہیں بڑھتی یا غیرمتوقع پیچیدگیاں پیدا ھو جاتی ھیں جو ھمارے پیشے کی خصوصیت ھیں تو آرتیوم میکویان اور ان کے ھم‌کار میکون کے ساتھ اور مشترکہ طور پر ایسی حالت کو تسلیم کر لیتے ھیں ۔ جو لوگ انھیں قریب سے جانتے ھیں انھیں معلوم ھے کہ وہ بلا کسی وقفے کے ، آنکھ جھپکائے بغیر دن رات کام کرتے رھتے ھیں — اس وقت تک جب تک کہ مسئلے کی تہہ تک نہ پہنچ جائیں اور اسے حل نہ کر ڈالیں ۔ “

جسے بھی آرتیوم میکویان سے ملنے یا ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ھے وہ ان کی وسیع علمیت ، زبردست استعداد اور منکسر مزاجی سے متاثر ھوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ میکویان اوز ان کے ڈیزائن بیورو کے ممبر کبھی اپنی کامیابیوں کی باتیں نہیں کرتے ۔ وہ بس اپنے کام میں مصروف رھنا پسند کرتے ھیں ۔

(اکادمیشن آرتیوم میکویان کا ۹ دسمبر ۱۹۷۰ ء کو ماسکو میں طویل اور سخت بیماری کے بعد ٦٦ سال کی عمر میں انتقال ھو گیا ۔)

* * *

ھوائی جہازوں کے تین مشہور ڈیزائن‌ساز ، تین زندگیاں ، اور قربانی اور تخلیق کی تین داستانیں ۔ درجنوں ھوائی جہاز — لڑاکو جہازوں سے لےکر بھاری بمباروں تک ، آواز کی رفتار سے زیادہ تیز اڑنےوالے جیٹ طیاروں سے لےکر بین براعظمی مسافربردار جہازوں تک — یہ ھے سوویت فضائیے کی تاریخ ۔ اور ان تین ڈیزائن‌سازوں نے اس کے کئی درخشاں باب تحریر کئے ھیں ۔

از : البرٹ گاسپریان

دوسرا جنم

فضائی کلب اسکول سے کوئی آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہ اکثر دوڑ لگا کر وھاں جایا کرتا تھا، اور کبھی تو ننگے پیر ھی۔ ایک دن اس نے بڑی ھمت کرکے پوچھ ھی لیا کہ کیا اسے بھی ھوائی چھتری سے کودنے کی اجازت مل سکتی ھے۔ جواب ظاھر ھے یہی ملا:
"میاں، ذرا بڑے ھو جاؤ پھر آنا۔"

اور وہ پھر آیا۔

"بلندی سے تمھیں ڈر تو نہیں لگتا؟"

"نہیں۔"

"تم پڑھ رھے ھو یا کام کرتے ھو؟"

"پڑھتا بھی ھوں اور کام بھی کرتا ھوں، خرادی کا کام سیکھ رھا ھوں۔"

"اچھا، تو ٹھیک ھے۔ دوست، سب سے پہلے تم الارم گھڑی خرید لو۔ اسے چابی دینا کبھی مت بھولنا۔ سمجھ گئے نا۔"

جب اس نے الارم گھڑی خریدی تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ چھوٹا آلہ اس کی تمام زندگی سے وابستہ ھو جائے گا، دوست اور "دشمن جاں" دونوں طرح۔

گھڑی ٹھیک تین بجے صبح الارم بجایا کرتی تھی، اس لئے کہ ھوائی چھتری سے چھلانگیں پو پھٹنے سے پہلے لگائی جاتی ھیں۔ یورا خاموشی سے اٹھتا اور سائیکل پر بیٹھ کر کلب روانہ ھو جاتا تھا۔ وہ ھمیشہ اپنے پورے دن کو مختلف کاموں کے لئے بڑی باقاعدگی سے بانٹ لیا کرتا تھا۔

پہلی چھلانگ لگانے کی اجازت ملنے سے پہلے زیر تربیت چھتری بازوں کا پوری طرح طبی معائنہ کیا گیا۔ یورا کی نبض دیکھتے وقت ڈاکٹر نے کہا:
"٦٢ فی سنٹ ... رفیق بیلینکو، تمھارے اعصاب برے نہیں ھیں۔"

ڈاکٹر کو کیا خبر تھی کہ گھبراھٹ دور کرنے کےلئے بیلینکو نے اپنے دانت زوروں سے بھینچ رکھے تھے۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ جہاز کے کھلے ہوئے دروازہ کے پاس کھڑا ہوا تھا اور بے کراں خاموشی اور دنیا کی شفاف‌ترین ھوا میں چھلانگ لگانے کےلئے تیار تھا۔ چند لمحے بعد اس نے تازہ ھوا کا پہلا گھونٹ پیا اور پہلی ھی بار اصلی خوشی کے لمس کی لذت محسوس کی۔

اسی سال اودیسہ کی ایک پندرہ سالہ لڑکی نے بھی جو فٹ‌بال کے استاد کی بیٹی تھی پہلی مرتبہ ھوائی چھتری سے چھلانگ لگائی تھی۔ وہ اودیسہ کے باسیوں کی طرح سرکش قسم کی تھی اور احاطے کی فٹ‌بال ٹیم میں فارورڈ کھیلا کرتی تھی۔

لوگ اسے فرانچیسکا، فرانیکا یا بعض وقت صرف فرانیا کے نام سے پکارا کرتے تھے ... یہ نام اس کے پولستانی دادا نے اسے دیا تھا۔ ظاھر ھے کہ ابھی تک یورا فرانیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

یورا کے سویرے سویرے فضائی کلب کے چکر اس کی ماں سے پوشیدہ نہیں رھے۔ ایک دن ماں نے سوال کیا:

”یہ روز صبح تم کہاں غائب ھو جاتے ھو؟“

”اماں، میں ... میں مچھلی کا شکار کرنے جاتا ھوں۔“

”یورا، جھوٹ مت بولو۔ میں خود ھوابازی کے کلب گئی تھی۔“

ھر آدمی کےلئے پہلی بار سفید جھوٹ بولنا مشکل ھوتا ھے اور ماں سے پہلی بار جھگڑنا اور بھی زیادہ مشکل۔ بھرحال یورا اپنی جگہ ڈٹا رھا۔ چنانچہ ماں نے فیصلہ صادر کیا:

”اچھا تو اب سائیکل کو ھاتھ مت لگانا۔“

اب یورا کو صبح دو بجے اٹھ کر پیدل روانہ ھونا پڑتا تھا۔ ماں کا فرمانبردار بیٹا بننے کے بجائے اس نے ھوائی چھتری سے جست کرنے کو ترجیح دی۔

مائیں بھی بیویوں سے کم جل ککڑی نہیں ہوتیں - لیکن ماؤں میں ایک خاص فہم ہوتی ہے - وہ جانتی ہیں کہ دیر سویر ان کا بیٹا گھر چھوڑ دے گا - اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خود گھر سے چلا جائے - اس کے دوست ، کام، لڑکی اسے پھسلا سکتے ہیں ...

"اچھا یورا ، میں ہاری - تم جست لگا سکتے ہو - لیکن بیٹا ، احتیاط سے کام لینا -"

ایک دن ساتھیوں نے اس سے پوچھا :

"یورا ، تم نوجوان کمیونسٹ لیگ میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے ؟"

"ابھی وقت نہیں آیا -"

"ہم تمھاری سفارش کر دیں گے -"

"میں نے کہا نا ، ابھی وقت نہیں آیا ہے -"

یورا بے حد کم گو انسان ہے - اگر کوئی اس کے دل کی بات سن سکتا تو وہ یہ سنتا : "ہاں یارو ، میں بھی بہت دنوں سے اس کا خواب دیکھ رہا ہوں - لیکن میرے خیال میں نوجوان کمیونسٹ لیگ ایسے سورماؤں کی تنظیم ہے جیسے گستیلو ، زویا ، ماتروسوف - ان کے مقابلے میں میں نے کیا کیا ہے - ممبری کا کارڈ بڑے بڑے لفظوں سے بھرنا کافی نہیں ہے -"

یورا نوجوان کمیونسٹ لیگ کا ممبر اس وقت ہوا جب وہ ۱۲۰ بار جست کر چکا تھا اور نڈر اور مشاق ہوائی چھتری باز کی حیثیت سے اس کی شہرت پھیل چکی تھی -

نیلا آسمان اس کی سب سے بڑی سفارش تھی -

"مجھے کوئی اہم کام دیجئے -"

"تم کیا چاہتے ہو ؟"

"ہمارے ہاں نئے سکھاڑی آئے ہیں - میں ان کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں ، ان کی ٹریننگ کے سلسلے میں -"

" تو پھر تم دن بھر ہوائی اڈے ھی پر جمے رھوگے - کارخانے اور اپنی پڑھائی کے بارے میں بھی سوچا ھے ؟ "

" میں سب ٹھیک کر لوں گا - مجھے نوجوانوں کے ساتھ کام کرنا بہت پسند ھے - "

کہا جاتا ھے کہ ھوائی جہاز سے کودتے وقت چھتری باز کےلئے ایک مشکل‌ترین نفسیاتی مزاحمت اس کا احساس تنہائی ھوتا ھے - اگر آدمی کا کردار ایسا ھو کہ وہ یہ بالکل محسوس نہیں کرتا تو ؟ اگر وہ دوستوں کی صحبت کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتا تب ؟ تب اس کےلئے جہاز سے چھلانگ لگانا بچوں کا کھیل ھے -

ایک سالانہ کیمپ میں فرانیکا سے اس کی ملاقات ھوئی - فرانیکا اسے دیکھ‌کر مسکرائی اور اپنے آپ سے کہا : ھاں ، ھو بہو ویسا ھی ھے جیسا میں نے تصور کیا تھا - یہ بیلینکو ... بالکل بیلکا ھے (روسی زبان میں گلہری) - اسی نام سے اسے دوست پکارا کرتے تھے ... دبلا پتلا ، پھرتیلا ، پٹسن کے ریشوں کی طرح بال جن کا ایک گچھا بے‌نیازی سے پیشانی پر پڑا رھتا تھا -

اسپورٹ کے کھلاڑی فوراً ایک دوسرے سے بے تکلف ھو جاتے ھیں - فرانیکا نے پوچھا :

" بتاؤ ، کیا تم بہت بلندی پر سے کودے ھو ؟ "

" ھوں - "

" بتاؤ نا مجھے ، میں بھی بہت بلندی پر سے کودنا چاھتی ھوں - "

" کیا بتاؤں ؟ کوئی خاص بات نہیں ھے - پہلے میں نے بیرو چیمبر میں ٹریننگ لی اور کود پڑا ... رات کا وقت تھا - "

اسے اپنی بات‌چیت کے بھونڈے‌پن پر ھمیشہ شرم آتی تھی - جب اپنے پرانے تجربات کو بیان کرنا پڑتا تو اسے الفاظ کی کمی محسوس ھوتی تھی -

" کوئی خاص بات نہیں ھے - " ذرا اس فقرے کی تفصیل ملاحظہ ھو : رات کی سیاہ تاریکی میں بارہ کلومیٹر کی بلندی سے توقف کرکے کودنا -

روشنی صرف کرانومیٹر سے آ رہی ہے جو سینے پر لٹکا ہوا ہے۔ سخت سردی سے اپنے چہرے کو بچانے کے لئے وہ پیٹھ پر لیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہوا گرم اور کثیف ہوتی جاتی ہے۔ پھر وہ مڑتا ہے۔ لیکن کوئی چیز نظر نہیں آتی ... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرانومیٹر کی سوئیاں جم گئی ہیں۔ زمین کہاں چلی گئی ؟ شاید وہ قریب آ رہی ہے اور اسے ہاتھ سے چھوا جا سکتا ہے ؟ نہیں ، ابھی نہیں ، اور انتظار کرو۔ تھوڑا اور۔ ابھی چھتری مت کھولو۔ اگر ریکارڈ قائم کرنا چاہتے ہو تو ابھی چالیس سیکنڈ باقی ہیں۔ تیس ... بیس ...

" یورا ، تم باتیں نہ بھی کرو ، پھر بھی دلچسپ انسان ہو ! "

اس نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ سامنے ایک دبلی پتلی سی لڑکی کھڑی تھی جس کی پیٹھ پر تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ جیوٹ کی معلوم ہوتی ہے ... ہے نا آخر اودیسہ کی رہنےوالی ... پھر اچانک ایک خیال آیا : اس سے پھر ملنا چاہئے۔

دونوں کی ملاقاتیں ملک کے مختلف ہوائی اڈوں پر ہوتی رہیں۔

" فرانیکا ، اب میں تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ "

" اور میں بھی نہیں چاہتی ... لیکن ... "

ہوائی چھتری‌باز کی زندگی کا مطلب ہے ڈسپلن اور سخت ٹریننگ۔ اور فوجی چھتری‌باز کےلئے تو یہ اور بھی کٹھن ہے۔

ان کے گروپ کا لیڈر بڑا پابند قسم کا آدمی تھا۔ کیا اس سے مشورہ لیا جائے؟ اودیسہ کی احاطے میں فٹ‌بال کھیلنےوالی لڑکی کےلئے تو یہ بڑی گستاخی کی بات تھی۔

لیڈر نے خود ہی پہل‌قدمی کی :

" فرانیکا ، کیا تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہی ہو ؟ بتاؤ تو ، یورا کے ساتھ کیا چل رہا ہے ؟ نتیجہ یہی نکلےگا کہ اسے کودنے کی اجازت نہیں ملےگی۔ تمہیں اس سے محبت ہے ؟ "

”ہاں۔“

”اچھا تو اب تم دونوں ایک ہی شہر میں رہو۔ باقی کام تمہارا ہے۔ شادی کی دعوت ملے گی یا نہیں ؟“

شادی نوجوانوں کے کافی ہاؤس میں رچائی گئی۔ مہمانوں میں ۱۲۰ چھتری باز تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں ”پابند“ لیڈر بھی شامل تھے۔

”ظالم“ گھڑی نے تین بجے الارم بجایا۔ میز پر ایک پرچی تھی۔ ”یورا، میں ہوائی چھتری سے کودنے جا رہی ہوں۔ سوپ چولھے پر رکھا ہے۔ اور کھانا نہیں ہے۔“ یورا کا نوٹ : ”تم اتنی گہری نیند سے سو رہی تھیں کہ جگانے کو دل نہیں چاہا۔ خدا حافظ۔“

”آخرکار آگئے !“ فرانیکا نے کہا۔

یورا : ”میں اکیلا نہیں ہوں۔ کچھ کھلاؤگی ؟“

سات بھوکے لوگوں کا پیٹ بھرنا تھا۔ (خوش قسمتی سے انہیں رہنے کی جگہ مل گئی تھی۔ ان کا ایک دوست سال بھر کے لئے کسی کام پر باہر گیا ہوا تھا اور اس نے دونوں کو اپنا فلیٹ دے رکھا تھا)۔ کھانے کی میز پر بھی بحث جاری رہی۔ وہ میز کے کپڑے پر اپنے منصوبوں کے نقشے بناتے رہے۔ فرانیکا اب خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ بھی بحث میں شامل ہو گئی۔ بحث کرنے کے لئے بے شمار باتیں تھیں۔

جہاں تک ہوائی چھتری کا تعلق ہے اسے جدید ہونا چاہئے، نئی ہونا چاہئے۔ عالمی مقابلوں نے یہ ثابت کر دیا تھا۔

ایک عام آدمی کے لئے دیکھنے میں پیراشوٹ محض ایک بڑی چھتری معلوم ہوتی ہے۔ درحقیقت مقابلوں اور نمائشی اسپورٹ کے لئے اسے ایک انتہائی پیچیدہ ڈھانچہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں لمبے شگاف ہوتے ہیں اور فلیپ بھی۔ اس کے ڈھانچے کی خصوصیات جاننے کے بعد چھتری باز ہوا کے خلاف بھی تیر سکتا ہے، وہ اپنے گرنے کی رفتار گھٹا بڑھا سکتا ہے، یہاں تک کہ پورا ایک چکر کاٹ سکتا ہے۔

مختلف تجربے گاھوں میں ملک کے بہترین ھوائی چھتری ڈیزائن کرنےوالے ایک نئی چھتری بنا رہے تھے ۔ لیکن یورا اس کا انتظار نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا شخص چیز تیار کرکے اسے پیش کرے ۔ اپنی ۲۳ ویں سالگرہ منانے تک وہ ۹ عالمی ریکارڈ قائم کر چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ آخری حد نہیں ھے ۔ وہ نئے ریکارڈ قائم کرنےوالا تھا ۔ اسے نئی چھتری کی آزمائش کرنا تھی جو خود اسی نے ڈیزائن کی تھی ۔

* * *

یورا کے بارے میں کہا جاتا ھے کہ اس نے دوبارہ جنم لیا ھے ۔ ایک دفعہ جب وہ آزمائشی جست کر رھا تھا تو ھوائی چھتری نہیں کھلی اور ناگہانی ضرورت والی چھتری بڑی چھتری کی رسیوں میں الجھ گئی ۔ وہ زمین سے صرف ایک کلومیٹر کی بلندی پر تھا ...

فرانیکا نے دیکھا کہ رسیوں نے چھتری کو جکڑ لیا ھے اور وہ یورا کے سر کے اوپر چھوٹی سی ریشمی گیند کی طرح پھڑ پھڑا رھی ھے ۔ ”ناگہانی ضرورت والی چھتری کھولو“، اس نے سرگوشی کی آواز میں کہا اور پھر وہ زور سے چلائی ”ناگہانی ضرورت والی چھتری ! “

یورا نے ناگہانی ضرورت والی چھتری کی جانب بڑھنے کی کئی بار کوشش کی لیکن ھر مرتبہ وہ رسیوں میں الجھ جاتی تھی اور کھل نہیں سکتی تھی ۔

یورا ۶۰ سیکنڈ تک بلا سہارے نیچے گرتا رھا اور ھوائی چھتری کھولنے کی جدوجہد کرتا رھا ... پھر اسے خطرے کا پوری طرح احساس ھوا ۔ چھتری کی بند تہیں اسے تیزی سے نیچے گرنے سے کسی حدتک روک رھی تھیں لیکن پھر بھی وہ ۴۰ فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے نیچے گررھا تھا ۔ تقریباً اسی رفتار سے ماسلین زمین پر گرا تھا ۔

... ” نشیبی سیکسنی (مغربی جرمنی) کے ہوائی اڈے کلاؤسھیڈ پر ایک تجربےکار فرانسیسی چھتری باز ژیرار ماسلین ہزاروں تماشائیوں کے سامنے دھم سے زمین پر آن گرا - موسم کے متعلق رپورٹ اچھی نہیں تھی لیکن ماسلین نے معاھدے کی شرطوں کے عین مطابق جست کرنے کا فیصلہ کیا - یہ کرتب ٹیلی‌وژن پر لاکھوں لوگ دیکھ رہے تھے- ماسلین نے غالباً تماشائیوں کی دلچسپی کےلئے بہت دیر میں اپنا پیراشوٹ کھولنا چاھا - اس کے کھلنے میں کافی دیر لگی اور وہ تقریباً ۵۰ فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین سے ٹکرا گیا - ،، (ایک اخبار سے اقتباس -)

ہزاروں تماشائیوں نے جنھوں نے سنسنی‌خیز منظر دیکھنے کےلئے ٹکٹ خریدے تھے اپنی آنکھوں سے اور لاکھوں لوگوں نے ٹیلی‌وژن پر ژیرار ماسلین کو مرتے ہوئے دیکھا - مشاق فوٹوگرافروں نے اور بھی تیزی دکھائی ... وہ جلد ھی اس جگہ پہنچ گئے جہاں یہ مشہور چھتری باز زمین پر گرنےوالا تھا اور ” اسکوپ ،، لے لیا -

فوٹو یقینی ” اسکوپ ،، تھے - ماسلین کے آخری لمحات کی تصویریں بیچ کر فوٹوگرافر خوب پیسہ کمانا چاھتے تھے ... اسے ستم ظریفی کہئے کہ چھتری باز کو موت سے کھیلنے کی بھی اتنی ھی بڑی رقم ملنےوالی تھی ...

ژیرار ماسلین اس وقت تک زندہ تھا جب فوٹوگرافر اس کی آخری ” قابل‌دید ،، تصویریں کھینچ رہے تھے- ان میں اس کے ھونٹ اس طرح نظر آتے ھیں جیسے وہ آخری الفاظ کہنا چاھتا ھو - کسی کو نہیں معلوم وہ کیا کہنا چاھتا تھا - ھو سکتا ھے چھتری باز کے احساس تنہائی کے بارے میں ...

فرانیکا نے یکایک دیکھا کہ اناتولی چیکردا نے ترپال اٹھایا جس میں ہوائی چھتریاں تہہ کرکے رکھی جاتی تھیں اور اسے لےکر میدان کے مرکز کی طرف بھاگا جہاں یورا کے گرنے کا امکان تھا - اور نوجوان بھی

اس کی جانب لپکے۔ وہ بھاری لباس پہنے ہوئے تھے لیکن پاگلوں کی طرح ہانپتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔

٦ چھتری باز اس جگہ پہنچ گئے جہاں یورا گرنےوالا تھا۔ یہ تھے نوجوان کمیونسٹ لیگ کے کارکن ابراھیم فصحدینوف، ماسٹر آف اسپورٹ اناتولی چیکردا، لیف بوگدانوف، وکتر کونچوکن، نکولائی ناکورینکو، ولیری پتوکن۔ ان کا تعلق اس ماھروں کی ٹیم سے تھا جسے لوگ ''شاندار سات،، کہا کرتے تھے۔ انھوں نے جلدی جلدی ترپال کو کھولا اور ٹیم کے ساتویں ممبر کو جو آسمان سے لڑھک کر نیچے گر رہا تھا اس پر تھام لیا۔

ترپال کے سرے کو یہ سب اپنی سن انگلیوں سے مضبوطی سے تھامے رہے۔ ایک سیکنڈ میں پورا قصہ ختم ہو گیا۔ جب یورا ترپال کے ایک سرے پر گرنے لگے تو اناتولی نے ان سے بچنے کے لئے ترپال بڑی تیزی سے دوسری طرف کھینچ لی۔ نتیجے میں یورا ترپال پر آسانی سے گرے۔

اعصابی تناؤ، ذھنی کرب میں مبتلا، معجزے کے انتظار میں سب کے سب بےحس و حرکت تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یورا زمین پر کس طرح کھڑا ہو رہا ہے۔

جب ڈاکٹر آیا تو یورا جنوب کے سورج کی جھلسی ہوئی سخت زمین پر بیٹھا ھوا تھا۔ اس‌نے اپنے دوستوں کو دیکھ‌کر مسکرانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر نے اپنی زندگی میں اتنے پریشان اور زرد چہرے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے کہا ''سانس لو۔،، یورا گہری سانس لینے لگا۔

کہا جاتا ھے کہ پہلا جملہ جو یورا کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا: ''دوستو، تمھارا شکریہ،،۔ یہ صحیح نہیں ھے۔ اس کے پہلے الفاظ تھے ''ذرا سگریٹ دینا۔،، اس کی آواز بھاری تھی اور جذبات سے تقریباً عاری۔

واقعی تشکر کے جذبات کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل تھا۔

فرانیکا نے دوڑ کر اس ٹیم کے پاس آنے کی کوشش کی۔ لیکن لیڈر کا حکم ملا : ”جہاز پر جاؤ ، یہ آرڈر ہے۔ “

کافی دیر کے بعد جب وہ جہاز میں بیٹھی ہوئی تھی اسے خیال آیا کہ دوست جان بوجھ کر چلائے تھے کہ وہ ہونےوالے المیے کو نہ دیکھے۔ اس نے جہاز کا دروازہ کھولا... وہ خیالات کا تسلسل توڑے بغیر کودنا چاہتی تھی۔ اسے پروا نہیں تھی کہ وہ جنگل میں گرےگی یا بجلی کے تاروں پر۔ اور خیالات کے اس ھجوم میں اس نے ایک اجنبی اور انجانی کیفیت محسوس کی : ”نتاشا ! “

اس کے خیالات کا تانا بانا اس وقت ٹوٹا جب پائلٹ نے چلا کر کہا : ”زمین نے اطلاع بھیجی ہے۔ وہ زندہ ہے۔ میں زمین پر اترنےوالا ہوں۔ “ کس نے فرانیکا کو ہوائی چھتری سے نکالا، کس نے اسے موٹر میں بٹھایا ، اسے کچھ نہیں معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ”تیز ! تیز ! “ اور جب اس نے یورا کا پیلا چہرہ دیکھا جس پر تکلیف اور کرب کے نشان اب بھی باقی تھے تو ساری دنیا اس کی آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی۔ ”فرانیکا ، فرانیکا ، فرانیکا “ ... ”یورا، یورا، یورا ... نتاشا۔ “

اس وقت اسے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ باپ بننےوالا ہے۔ یقینی لڑکی ہوگی، اپنی ماں فرانیکا کی طرح — اس نے سوچا۔

... پلاسٹر سختی سے چپکا ہوا تھا۔ ایکسرے فوٹو کا فلم سامنے تھا۔
”صرف ایک سوال ہے ، ڈاکٹر۔ “

”میں جانتا ہوں تم کیا پوچھنا چاہتے ہو : ’ڈاکٹر کیا آئندہ میں پھر ہوائی چھتری سے جست کر سکتا ہوں، ہوائی جہاز اڑا سکتا ہوں؟، ارے تم لوگ تو خبطی ہو۔ بیلینکو، تم جلد تندرست ہو جاؤ گے... مجھ سے بھی زیادہ تندرست۔ مطمئن ہو گئے؟“

”لیکن ڈاکٹر ...“

”معلوم ہے تم کہنا چاہتے ہو : ’ڈاکٹر تم کچھ نہیں سمجھ سکتے، تم کیا چھتری باز ہو؟ تم نہیں جانتے جست کیا چیز ہوتی ہے،۔ لیکن میں دوڑنا جانتا ہوں۔ اب مطمئن ہو گئے؟“

”لیکن ڈاکٹر ...“

فرانیکا یورا سے ملنے آئی اور اپنے ساتھ بہت سے اخبار بھی لائی۔ اخباروں نے تفصیلات چھاپی تھیں کہ کس طرح اس کی جان بچی۔ ”چھتری بازی کی عالمی تاریخ میں ایک ناقابل مثال واقعہ“ ”پیراشوٹ نہ کھلنے سے آدمی ایک کلومیٹر کی بلندی سے گرا اور زندہ ہے“ ”دنیا میں پہلی مرتبہ چھتری باز کو ترپال سے بچایا گیا“۔

”واقعی یہ ایک معجزہ ہے لیکن سمجھایا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اسپورٹسمین کا آہنی ڈسپلن، دوسرے اس کے دوستوں کی حاضر دماغی۔ ایک سیکنڈ کی دیر بھی ...“

”اسے صرف ایک چوٹ آئی ... ایک ٹانگ ٹوٹ گئی!“

عام لوگوں کے لئے جنھیں پہلے اس واقعہ سے سخت دھکا لگا تھا اب سوال بس ”ایک ٹوٹی ہوئی ٹانگ“ کا رہ گیا تھا۔ لیکن یورا کے واسطے یہ ناقابل تلافی المیہ بن سکتا تھا۔ ٹانگ کی ہڈی کئی جگہ ٹوٹ گئی تھی اور اس کا جڑنا آسان نہیں تھا۔

”فرانیکا، سچ بتانا، کیا میں جست کر سکوں گا؟“

”یقینی تم جست کر سکوگے، میری جان!“

” یورا ، ڈاکٹر نے مجھے تم سے بات کرنے کو کہا ہے ۔ انھوں نے شکایت کی ہے کہ تم گلوکوز کے انجکشن لینا نہیں چاہتے ... یہ اتنے تکلیف‌دہ نہیں ہوتے ۔ اسے میں لے کر دکھاؤں ؟ “

ہر چیز کی طرح بہادری کی بھی حدیں ہوتی ہیں ، اگرچہ بہت سے لوگ اس بارے میں ڈینگ مارتے ہیں ۔ انسان بہرحال انسان ہے ، کئی کمزوریوں کا شکار ۔ انجکشن لینا کوئی بھی پسند نہیں کرتا ۔ اور بےچارے یورا نے تو حادثے سے پہلے پچکاری تک نہیں دیکھی تھی ۔

” ہلو مت ۔ سب ختم ہو گیا ۔ بہت درد تھا ؟ “

جو لوگ یورا کی طرح المیے سے گزرے ہیں وہ پھر بلندی سے بہت ڈرنے لگتے ہیں ۔ یہ بیماری ناقابل علاج خیال کی جاتی ہے ۔

” ڈاکٹر ، آپ کی کیا رائے ہے ؟ “

” ابھی تک کسی نفسیاتی زخم کا کوئی بھی نشان نہیں ہے ۔ گرتے وقت وہ خطرے کے متعلق سوچنے کے بجائے چھتری کھولنے میں مصروف تھا۔ اس کی آہنی قوت‌ارادی نے اسے بچا لیا ۔ اس وقت بھی اور اب بھی ۔ “

” اور اس کی ٹانگ کیسی ہے ؟ “ کمیشن کے ایک اور ممبر نے پوچھا ۔

” وہ جست کر سکتا ہے ۔ “

” ڈاکٹر ، تم بھی چھتری بازوں کی طرح ہو ، جب چاہو جست کرنے کےلئے تیار ۔ تم ان کے جانبدار معلوم ہوتے ہو ۔ “

” جی ہاں ، میں جانبدار ہوں ۔ “

حادثے کے دس مہینے بعد یورا کو پھر چھلانگ لگانے کی اجازت مل گئی ۔ اس نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ ۸۸۸ویں ہے ۔

وہ جہاز کے کھلے دروازہ کے نزدیک کھڑا تھا اور دل کی تیز دھڑکن کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا ۔ اسے شاعر مارتینوف

کا یہ پسندیدہ شعر یاد آیا : ”کنارے پر کافی کھڑے رہے ، تاخیر گناہ کا دوسرا نام ھے ۔ ،،

دروازہ سے اس نے قدم آگے بڑھا دئے ۔

”۱۹۶۶ء کے سال نو میں نو چھتری‌بازوں نے جن میں یوری بیلینکو مشہور ماسٹر آف اسپورٹ اور نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبر بھی شامل تھے پیچیدہ اجتماعی جست کرنے میں حصہ لیا ۔ انھوں نے وہ ریکارڈ توڑ ڈالا جسے پہلے امریکی قائم کر چکے تھے ۔ یہ یورا کا دسواں سونے کا تمغہ ھے ۔ ،،

(اخبار سے اقتباس ۔)

ملک کے ایک جنوبی ھوائی اڈے پر یورا بیٹھا ھوا خط لکھ رہا ھے ۔ اڈے کے آس پاس نکیلے پہاڑ پھیلے ھوئے ھیں ۔ یہ خط مرکزی روس کے برف‌پوش شہر پہنچےگا ۔ آج یہ اس کا دوسرا خط ھے ۔

اس مرتبہ اس کے ساتھ فرانیکا کا آنا ناممکن تھا ، اسے ایک سالہ بیٹی نتاشا کی دیکھ بھال کرنی تھی ۔ غالباً فرانیکا کو وہ اخبار ابھی تک نہ ملے ھوں جن میں اس کی کامیاب جست کی خبر شائع ھوئی ھے ... وہ تار بھیجنے کا قائل نہیں ھے ۔ چھتری بازوں اور ان کے کنبوں میں یہ ایک روایت ھے کہ تار نہ بھیجا جائے ۔ یہ لوگ بےوقت دروازہ پر ڈاکیے کی دستک سننا پسند نہیں کرتے ۔

فرانیکا پریشان تھی ۔ اسے معلوم تھا کہ گروپ کی اجتماعی جست میں کتنی مشکلات اور پیچیدگیاں ھوتی ھیں ۔ ھر چیز کو سیکنڈ سے بھی کم وقت میں پورا ھونا چاھئے ۔ وہ زیادہ بلندی پر سے نہیں کودے تھے اور یکے بعد دیگرے کودے تھے ۔ ذرا سی بھی غلطی سے نیچے کے آدمی کی چھتری میں پھنسا جا سکتا تھا ۔

لیکن سب کے سب نو چھتری‌باز انتہائی کامیاب رہے۔ یورا نے بڑے فخر سے فوٹو میں اپنے آپ کو اور دوستوں کو سفید خودوں میں دیکھا۔ دوست ہموار اور سورج سے جھلسی ہوئی زمین پر کھڑے ہوئے تھے۔

فوٹو کے پیچھے اس نے بڑے بڑے حرفوں میں لکھا : ’’جان من ، میرے لئے فکر نہ کرنا ... تم دیکھ سکتی ہو کہ آس پاس دوست ہیں۔،،

از : وکتر اسمرنوف

سپاہی کا بیٹا

سبز رنگ کے راکٹ کا رخ آسمان کی طرف تھا۔ راکٹ چھوڑنے کے اڈے پر بالکل خاموشی تھی۔ سب لوگ پناہ‌گاھوں میں چلے گئے تھے۔ آخری دفعہ جانچ پڑتال کی جا رہی تھی۔ سب کچھ تیار تھا۔

خاموشی میں توپ خانے کے کمانڈر کی آواز گونجی :

” تیار ! “

پھر سگنلر نے دھرایا :

” تیار ! “

کمانڈر کی گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ فوجی مشقوں کا ساحول جنگ کی طرح تھا ...

” راکٹ چھوڑو ! “

” راکٹ چھوڑو ! “ سگنلر نے مائیکروفون پر چلا کر کہا۔

ایک زبردست گرج ہوئی اور دھوئیں اور شعلے کو چیرتا ھوا راکٹ آھستہ آھستہ اوپر اٹھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ بلند ھوتا گیا اس کی رفتار بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ھوکر آسمان کی گہرائیوں میں غائب ھو گیا۔

اب سگنلر نئے حکم دے رہا تھا۔ جونیئر سارجنٹ ولودیا سیدوف، سارجنٹ میجر کونستانتین سیدوف کا بیٹا راکٹ‌بازوں کے ساتھ رابطہ قائم کئے ھوئے تھا۔

ولودیا نے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں اس کی پیدائش ھوئی تھی۔ جنگ کا یہ وہ سال تھا جب بہت کم باپ گھروں میں رہ گئے تھے۔ ۵ جولائی کو ولودیا پیدا ھوا اور دو ھی دن بعد — ۷ جولائی کو اس کا باپ ایک لڑائی میں کام آیا۔ کونستانتین کو بھی مرتے وقت تک نہیں معلوم تھا کہ ان کا تیسرا بیٹا پیدا ھوا ھے۔

لیکن ولودیا جانتا ہے کہ اس کا باپ کس طرح مارا گیا تھا۔ اس کے پاس محاذ کے اخبار کا ایک تراشا ہے جو اسے تقریباً حفظ یاد ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ریلوے اسٹیشن پونیری کے قریب ایک لڑائی میں سارجنٹ میجر سیدوف کے توپ‌خانے اور جرمن ٹینکوں کے درمیان جھڑپ ہوئی۔ جرمنوں کی طاقت کہیں زیادہ تھی۔ پہلی بار سوویت توپخانے کو دشمن کے نئے ٹینکوں — ''شیر،، ''چیتا،، اور ''فرڈینانڈ،، کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا اور انہیں پسپا کرنا مشکل تھا۔ پرانے ٹینک مار گولے جرمن ٹینکوں کی مضبوط فولادی دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر پڑتے تھے۔

اس لڑائی میں ولودیا کے باپ نے ثابت کر دیا کہ رعب ڈالنےوالے ''شیر،، ٹینک جرمنوں کے دوسرے اسلحات سے زیادہ خطرناک نہیں ہیں۔ وہ انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ٹینک ایک سو میٹر کے فاصلے تک آ گئے۔ پھر انھوں نے توپوں سے ان پر گولہ‌باری شروع کر دی۔

جرمن ٹینک چاروں طرف سے انہیں گھیرے ہوئے تھے اور آگ اگل رہے تھے۔ لیکن سوویت توپ‌خانے کا دستہ اس وقت تک گولہ‌باری کرتا رہا جب تک کہ آخری توپ کام کرتی رہی۔ پورے دستے میں صرف تین آدمی زندہ بچے تھے۔ لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور آخری لمحے تک جرمن ٹینکوں کی پیش‌قدمی روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ٹینکوں نے آگے بڑھنا چاہا تو سیدوف نے دستی بم لئے اور بڑھتے ہوئے ٹینکوں پر اپنی پوری قوت سے پھینک کر مار دئے۔

اس لڑائی میں سوویت دستے نے دشمن کے آٹھ ٹینک تباہ کئے اور کونستانتین کو ان کی غیرمعمولی بہادری کے صلے میں موت کے بعد طلائی ستارے کا اعزاز عطا کیا گیا۔

اب خاندان میں ان کی بیوی اگرافینا سیدووا کے علاوہ تین لڑکے اور ایک چھوٹی لڑکی ماروسیا تھی۔ زندگی مشکل تھی۔ جنگ نے تولا علاقے

کو بالکل تباہ کر دیا تھا جہاں ان کا پنچائتی فارم واقع تھا۔ فارم خاندان کی ضرورتیں مشکل سے پوری کر سکتا تھا۔ انسان کی فطرت اور خاص کر بچوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رنج‌والم کی باتیں جلد بھلا دیتے ہیں۔ ولودیا کو بھی اب اس مشکل زمانے کی باتیں یاد نہیں ہیں۔ اسے بس یہ یاد ہے کہ جب کسی تقریب پر مقامی کونسل کے لوگ فوجیوں کے بچوں کےلئے تحفے لاتے تھے تو وہ کتنے خوش ہوا کرتے تھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ لوگ تقریبیں منانے کےلئے کیا کیا کرتے تھے۔ اور تحفے تو وہ کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔

بعد میں لڑکے جب ذرا بڑے ہو گئے تو پنچائتی فارم پر اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے لگے۔ ولودیا کا بڑا بھائی پیوتر اس کےلئے ہیرو تھا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگا پھرتا تھا۔ اس وقت پیوتر ٹریکٹر چلانے کی ٹریننگ لے رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے ''بیلوروس،، ٹریکٹر پر چھوٹے بھائی کو بٹھا لیتے تھے۔

سب سے چھوٹی اولاد ہونے کی وجہ سے ولودیا کو کافی لاڈ پیار نصیب ہوا۔ اس نے بیریوزووا کے مقامی اسکول سے سات جماعتیں ختم کرلیں۔ لیکن تعلیم حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔ گھر پر اسے مویشی کی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی، چارہ دینا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ پانی کا انتظام اور باڑے کی صفائی بھی اس کے ذمے تھی۔ پڑھائی کےلئے اسے کافی وقت نہیں ملتا تھا۔

بہرحال اس نے اسکول کا سرٹیفکٹ حاصل کر لیا۔ اب اسے فیصلہ کرنا تھا کہ آئندہ کون سا راستہ اختیار کرے۔

جب اس کی ملاقات فارم کے صدر سے ہوئی تو اس نے کہا: ''ولودیا، اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ فارم میں کافی کام ہے۔ میں یہاں سے تمہیں نہیں جانے دوں گا۔،،

صدر ولودیا کو اچھی طرح جانتا تھا۔ پانچویں کلاس ختم کرنے

کے بعد چھٹیوں میں وہ فارم میں چھوٹا موٹا کام کرنے لگا تھا۔ اس کا خاص کام گھوڑوں کی نگہداشت تھا — جاڑوں میں لید صاف کرنا اور چارہ دینا اور گرمیوں میں متفرق کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا۔ ایک مرتبہ اپنے اچھے کام کے عوض ولودیا کو سو روبل ملے۔ وہ گھر بھاگ کر آیا اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ رقم اپنی ماں کو دیدی۔

اس کی ماں بھی نہیں چاہتی تھی کہ ولودیا گھر چھوڑ دے۔ اس وقت گھر میں وہی باقی رہ گیا تھا۔ ماروسیا بھی قریب دوسرے گاؤں کے یتیم خانے میں کام کرنے چلی گئی تھی۔

ولودیا کا ایک دوست تھا، ساشا میلنیکوف۔ وہ شہر تولا کے حرفتی اسکول میں پڑھ رہا تھا اور ولودیا سے اس کا اکثر ذکر کیا کرتا تھا۔ وہ خوش قسمت تھا۔ اسے سب چیزیں ملنےوالی تھیں۔ پانچ سال کی تعلیم کے بعد وہ اچھا پیشہ حاصل کر سکتا تھا اور ثانوی ٹکنیکل اسکول کا ڈپلومہ بھی۔ ولودیا کے لئے تو ایک اور فائدہ تھا۔ اگر اسے تولا میں پڑھنے کا موقع مل جائے تو اس کے تمام اخراجات حکومت دےگی اور ماں بہت سی مالی مشکلات سے آزاد ہو جائےگی۔

یہ دن ولودیا کےلئے آسان نہیں تھے۔ بعض وقت اس کے منصوبے پورے ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے۔ آخرکار اسے حرفتی اسکول میں داخلہ مل گیا۔

پانچ سال بڑی تیزی سے گزر گئے۔ ولودیا نے ڈپلوما حاصل کر لیا اور خودکار روٹر لائنوں پر کام کرنےوالا مستری بن گیا۔ جب وہ اسکول کی پہلی کلاس میں تھا تب نوجوان کمیونسٹ لیگ میں شامل ہوا اور اس کی سرگرمیوں میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لینے لگا۔ یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ جس گروپ کا ولودیا رہنما تھا اس نے مسلسل تین سال تک پہلی پوزیشن حاصل کی۔

ان تمام برسوں میں ولودیا نے کبھی وقت نہیں گنوایا۔ دن میں وہ تعلیم حاصل کرتا اور ورکشاپ میں کام سیکھتا اور شام کو فنون کی شوقیہ منڈلیوں کے ساتھ ریہرسل کرتا اور ریڈیو، فوٹوگرافی کے کلبوں میں حصہ لیتا تھا۔ اس کی زندگی ایسے تفریحی مشغلوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ ابھی تک بچپن کی ایک عادت نہیں بھولا تھا — رات کو دیر تک کتابیں پڑھنا۔

دسویں جماعت میں ولودیا نے پہلی بار ایک ٹکنیکی کام کو بہتر طور پر اور آسانی سے کرنے کی تجویز کی۔ اس نے اپنے مزدور ہونے کی اہمیت پر بڑا فخر محسوس کیا۔ اس وقت وہ اور اس کے ساتھی گھرے سمندر کےلئے پمپ بنا رہے تھے۔ اس کام میں صحت کی بےحد ضرورت تھی۔ شروع شروع میں نتائج اچھے نہیں نکلے۔ خرابی کی جڑ یہ تھی کہ پہیوں کے اوپری حصے آپس میں ٹھیک نہیں جڑ پاتے تھے۔ اس مسئلے پر ولودیا نے کئی بار غور کیا۔ اس کا حل ضرور ہونا چاہئے۔ آخرکار اسے حل مل گیا۔ اور جب حل مل گیا تو لوگوں نے تعجب سے کہا کہ انھوں نے یہ پہلے کیوں نہیں سوچا تھا۔ پمپ میں دو مختلف جگہوں کے پہیوں میں سوراخ دو الگ الگ مشینوں پر کئے جاتے تھے۔ ولودیا نے مشورہ دیا کہ دونوں کام ایک مشین پر کئے جائیں — ایک ہی برما بیک‌وقت دونوں حصوں میں سوراخ کرے۔

اس کے بعد پمپ بہت ہی اچھے تیار ہونے لگے۔

حرفتی اسکول سے ٹریننگ ختم کرنے کے بعد ولودیا نے چند مہینے کام کیا۔ پھر وہ لازمی فوجی خدمت کے لئے چلا گیا۔ اسے براہ‌راست راکٹ دستے میں شامل کر لیا گیا۔

یہاں سے ولودیا کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا۔

نوجوان رنگروٹ نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ اس نے سارجنٹ کی ٹریننگ کا کورس بڑی کامیابی کے ساتھ ختم کیا اور اسے جلد سگنلر

بنا دیا گیا۔ ابھی تک جو چیز اس کےلئے شوقیہ تھی وہ اب پیشہ بن گئی تھی۔ جونیر سارجنٹ سیدوف ایک فوجی دستے میں متعین تھا۔

ولودیا کا نیا مقام زیادہ کام اور زیادہ تعلیم کا متقاضی تھا۔ شروع شروع میں جب معائنے اور چاند ماری میں بہت اچھے نمبر ملے تو اس نے اسے کوئی غیرمعمولی بات نہیں سمجھی۔ غالباً غیر شعوری طور پر نوجوان سگنل والوں پر غفلت اتنی چھا گئی تھی کہ وہ بہت اچھے نمبروں کو گویا اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے تھے۔

لیکن جب میعادی استحان آئے تب ان کی آنکھیں کھلیں۔ اب بہت اچھے نمبروں کے بجائے انھوں نے محض اچھے نمبر پائے۔

ولودیا نے نوجوان کمیونسٹ لیگ کے گروپ کے رہنما کی حیثیت سے میٹنگ کی۔

''کیا ہم میں سے ہر ایک نے مسئلہ سمجھ لیا ہے؟ اگر سب کچھ صاف ہے تو میں تجویز کرتا ہوں کہ ہم جلد از جلد اپنی غلطی ٹھیک کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں پڑھنے لکھنے پر زیادہ وقت صرف کرنا چاہئے۔ پڑھتے وقت اونگھنا ہم پر حرام ہے۔ ہمیں ایک ایک لمحے کو پوری طرح استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے ضمیر کو گواہ بنائیے۔''

جو بھی فوج میں رہ چکا ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ سپاہی کا دن کتنا مصروف ہوتا ہے۔ لیکن ولودیا اور اس کے دوست پڑھنے کےلئے زیادہ ہی وقت نکال لیتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو مدد دیتے تھے، ایک دوسرے کی نگرانی کرتے تھے اور نوجوان کمیونسٹ لیگ اور اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ تھے۔

ولودیا سے اکثر پوچھا جاتا تھا:

''سخت جسمانی ٹریننگ تم کب شروع کروگے؟''

اس نے یہ بطور ''ضد'' شروع کردی۔ لوگ جانتے تھے کہ ولودیا کا جسم کمزور ہے اور اس کےلئے جسمانی ٹریننگ بہت مشکل

ہوگی۔ لیکن وہ ٹالنےوالا آدمی نہیں تھا۔ دوست اس کی مدد کرنے لگے۔ اور اگر کسی آلے کی ساخت کے سلسلے میں انھیں کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ہمیشہ ولودیا کے پاس آتے تھے۔ وہ ہر مسئلے پر دانشمندانہ مشورہ دیتا اور ان کی غلطیاں درست کرنے میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے نکولائی نکیشن کو بہت مدد دی جس نے امتحان میں تیسری ڈویژن پائی تھی۔ خود ولودیا کو دوسری ڈویژن ملی تھی۔ اب ساتھی ترقی کرنے لگے اور انھیں بہت اچھے نمبر ملنے لگے۔

گروپ کے سب لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کام میں ڈھیل نہیں ڈالیں گے۔ سیدوف نے جو اب گروپ کا رہنما ہے اپنا وعدہ پورا کر لیا — اس نے پہلی ڈویژن حاصل کی۔ دستے میں اس کا کام نہایت ہی ذمےداری کا ہے — وہ کمانڈر اور راکٹ بازوں کے درمیان رابطہ قائم رکھتا ہے۔

"کیا تم یہ رابطہ قائم رکھ سکوگے؟"، ایک مرتبہ اس سے پوچھا گیا۔

"بالکل۔ جیسے ہی کمانڈر حکم دیتے ہیں فوراً سگنل کے ذریعے اسے راکٹ‌بازوں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔"

جنگ سے پہلے ولودیا کے باپ کا نہایت ہی پر امن کام تھا — اناج اگانا۔ لیکن جب ملک کو ضرورت پڑی تو اپنے ملک کی، اپنے خاندان اور ولودیا کی مدافعت کے لئے جسے وہ جانتا بھی نہیں تھا اس نے ہل کو الگ رکھ دیا اور بندوق سنبھال لی۔

خود ولودیا تمام عمر فوج میں ملازمت کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اکثر کہا کرتا ہے: "لازمی فوجی خدمت کے بعد میں ریڈیو الیکٹرونکس کے انسٹی‌ٹیوٹ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

لیکن اگر ضرورت پڑی تو ولودیا بلا پس و پیش مورچے پر موجود ہوگا اور باپ کی طرح اس کا نشانہ بھی کبھی خالی نہیں جائے گا۔

از: یوری ازیوسوف

بلندیوں پر

۱

ڈرائیور کی کیبن سے ٹیک لگائے ایک نوجوان کھلی لاری پر کھڑا ہوا تھا اور کسی سوچ میں سامنے دیکھ رہا تھا۔ کہر میں لپٹے ہوئے ماسکو کے مضافات کے دھندلے دھندلے نقش اسے نظر آ رہے تھے۔

سرد ہوا اور برف سے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ لیکن وہ دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے اپنی پشت جھکا رکھی تھی اور گرم ٹوپی اتنی نیچی کر لی تھی کہ اس کی کور آنکھوں تک آگئی تھی۔ لاری کھڑکھڑاتی ہوئی گڑھوں پر سے تیزی سے گزر رہی تھی۔ پھر وہ اچانک سڑی اور مورچہ‌بندی کی ایک تنگ گزرگاہ میں داخل ہو گئی۔

مورچہ‌بندی! پہلے یہ لفظ نہ صرف شاگرد فٹروں بلکہ ۲۷ سالہ فورمین پروخور تارونتائیف کےلئے بھی محض انقلاب کا رومانوی نشان تھا۔ اور اب مورچہ‌بندیاں ماسکو میں موجود تھیں۔ سامنے بندوقوں کے موکھے، ریت سے بھرے ہوئے تھیلے اور فولادی رکاوٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔

ماسکو کتنا بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اب یہاں پہلے کی طرح چہل پہل نہیں تھی۔ ہر طرف سخت عزم کا ماحول تھا۔ ۱۹۴۱ء کا سال۔ عظیم مدافعت کی جنگ جاری تھی۔ دارالحکومت کے لوگوں نے دشمن کے خلاف ہتیار اٹھا لئے تھے۔ وہ اپنا فریضہ پورا کرنے کےلئے تیار تھے۔ محاذ جنگ پر سپاہیوں کی طرح انھیں بھی اپنی طاقت پر بھروسہ تھا۔

سڑکوں پر بچوں کی ہنسنے کھیلنے کی آوازیں سنائی نہیں دیتی تھیں۔ جگہ جگہ طیارہ‌شکن توپوں کے دھانے آسمان کو تکتے رہتے تھے۔ دوکانوں کی کھڑکیوں کو تختوں اور ریت کے تھیلوں سے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ چوراہوں پر ملیشیا والے ڈیوٹی کے وقت کاندھے پر بندوق لٹکائے اور خود پہنے رہتے تھے۔

ہوائی حملے سے خبردار کرنےوالے سائرن دیر تک بجتے رہتے۔ لوگوں کو گشتی‌محافظ جلدی جلدی پناہ گاھوں میں لے جاتے اور سڑکوں پر سناٹا چھا جاتا تھا۔ لیکن فٹروں‌والی لاری جس کا کام ماسکو کی مدافعت کو مضبوط کرنا تھا اجڑی ہوئی سڑکوں پر تنہا گھومتی رہتی تھی۔ لاری کے سامنےوالے شیشے پر ایک خاص پاس چسپاں تھا جو ہر جگہ پروانہ راھداری کا کام انجام دیتا تھا۔

کولیا کوروستیلیوف کو یاد ھے کہ جب پہلی بار اس نے لال چوک دیکھا تو کیا محسوس کیا تھا۔ ماسکو کے اس قدیم مرکز سے ھی محاذ جنگ تک سڑک جاتی تھی۔ اور ماسکو سے باھر اس سڑک پر فٹر چھوٹے زمیں‌دوز قلعے بنانے میں مصروف تھے۔ دشمن کے ٹینک روکنے کےلئے سڑک کے آرپار دور دور تک رکاوٹوں کی لائن چلی گئی تھی جو قدیم جانوروں کے ڈھانچوں کی طرح معلوم ھوتی تھیں۔ کولیا کو اس پر فخر تھا کہ تارونتائیف کی ٹیم نے کئی رکاوٹیں تیار کی تھیں۔ فٹر ریل کی پٹریوں اور گارڈروں کے ٹکڑے جوڑ کر ایسی رکاوٹیں بنانے میں مصروف تھے۔ اس نے سوچا کہ سامنےوالی رکاوٹیں شاید تارونتائیف اور اس کے نوجوان شاگردوں نے بنائی ھوں۔ لیکن اپنی اور دوسروں کی بنائی ہوئی رکاوٹوں میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ پھر یہ کوئی اھم بات بھی نہیں تھی۔ اھم بات یہ تھی کہ ماسکو کے چاروں طرف میدانوں اور جنگلوں میں اتنی رکاوٹیں کھڑی کردی جائیں کہ دشمن کے ٹینکوں کےلئے آگے بڑھنا مشکل ھو جائے۔

۲

ایک صبح تارونتائیف نے اپنے نوجوان شاگردوں پر ممتحن کی طرح نظر ڈالی جب وہ ملاقات کی جگہ کھڑے تھے اور لاری میں کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ وہ مستقبل کے کام کے سلسلے میں انھیں

جانچ رہا تھا۔ ماسکو میں کام کرنا ایک بات تھی لیکن کالینن میں بالکل محاذ کے نزدیک ایک پل کی دوبارہ تعمیر کرنا دوسرا معاملہ تھا۔

''لڑکو، یہ تمہارے کھیلنے کودنے کے دن تھے ... لیکن کیا کیا جائے، جنگ جاری ہے۔ مشکل کام تمہارا انتظار کر رہا ہے،، تارونتائیف نے اس طرح ان کی ہمت افزائی کی۔ انہیں کولیا کی پختگی اور برداشت کرنے کی صلاحیت پسند تھی۔ چنانچہ وہ ان کے منتخب کئے ہوئے لڑکوں میں سے ایک تھا۔

شہر کالینن کو دیکھتے ہی پتہ چل گیا کہ حال میں یہاں کئی دنوں تک گھمسان کی لڑائی ہوئی ہے۔ محلے کے محلے تباہ و برباد تھے۔ اب وہاں ملبے کے ڈھیر، آگ اور دھواں نظر آتا تھا۔ مرکزی چوک کو دیکھ کر کولیا خاص طور پر متاثر ہوا جس کے آس پاس جلے ہوئے سیاہ کھنڈر ہی کھنڈر تھے۔ ایک مقامی باشندے نے بتایا کہ نازیوں نے محض نفرت کے جذبے میں کس طرح لینن کے مجسمے پر مشین گن سے گولیاں چلائیں جو وہاں چوک میں کھڑا تھا۔ یہ سن کر کولیا نے دل میں کہا: ''نازی لینن کے مجسمے کے ریزے ریزے کر ڈالیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ لینن کی تعلیمات اور شبیہہ لافانی ہیں۔،، اسے پورا یقین تھا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد لینن کا مجسمہ پھر اسی چوک میں کھڑا ہوگا، اس لئے کہ کسی بھی سوویت شہر کا تصور لینن کے مجسمے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

فٹروں کا کام اس پل کو ازسرنو تعمیر کرنا تھا جسے نازیوں نے اڑا دیا تھا۔ اس کا ایک حصہ ٹوٹ کر دریا میں گر پڑا تھا اور دوسرے حصے میں صرف گارڈریں باقی رہ گئی تھیں۔

جنگ سے پہلے اس پل پر سے ٹرام گزرتی تھی۔ یہ والگا کے دو اہم کناروں کو ملاتا تھا۔ محاذ کے اس خطے میں سوویت یونین کی فتح کا دارومدار اس پل کی تعمیرنو پر تھا۔ بہار کا موسم شروع

ہونےوالا تھا اور پل کے بغیر محاذ کو رسد بھیجنے میں کافی دقت ہو سکتی تھی۔ جب والگا میں برف پگھلنے لگتی ہے تو اسے کشتی کے ذریعے پار کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

کئی بار جرمن بمبار ہوائی جہاز ٹوٹے ہوئے پل کے اوپر منڈلائے۔ انھوں نے تین بم بھی گرائے جو برف پر گرےاور اس میں تین بڑے بڑے سوراخ کر دئیے۔

محاذ آہستہ آہستہ مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس لئے جرمن ہوائی جہازوں کی پروازیں ادھر ختم ہو گئی تھیں۔

اپنی زندگی میں پہلی بار کولیا ٹوٹے ہوئے پل کی گارڈروں پر تقریباً ۶۰ فٹ کی بلندی پر کھڑا ہوا۔ نیچے برف سے جمی ہوئی والگا کی سطح صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ پل کا عادی ہوتا گیا اور روز بروز اس کی ہمت بڑھتی گئی۔

آخرکار پل کی ساری تعمیر ختم ہو گئی۔

اس زبردست کام کو پورا کرنے پر جن لوگوں کو محاذ کی کمان کی جانب سے مبارکباد دی گئی ان میں کولیا اور اس کے ساتھی فٹر بھی شامل تھے۔

سب سے پہلے ایک بکتربند گاڑی پل پر سے گزری۔ اس کے بغلی تختے پر کمانڈر کھڑا ہوا معماروں کو سلامی دے رہا تھا۔

اس کی جلو میں فوجیوں کی گاڑیاں، ایمبولنسیں، سامان سے لدی ہوئی برف گاڑیاں، گایوں کے گلے اور پناہ گزینوں کے غول چھکڑوں پر سامان لادے ہوئے آ رہے تھے۔ پل زندگی کے شور و غل سے گونجنے لگا۔

فٹروں نے اسی کھلی ہوئی لاری پر بیٹھ کر کالینن کو خدا حافظ کہا۔ کولیا اب پھر پروخور تارونتائیف کے مضبوط شانوں سے ٹیک لگائے جھکا ہوا بیٹھا تھا۔

اس کے بعد کولیا نے یاخروما مقام پر ماسکو والگا نہر کے آرپار

پل کی دو بارہ تعمیر کرنے میں حصہ لیا۔ پھر ایک غمگین واقعہ پیش آیا -- کولیا اور تارونتائیف کو ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا۔ انجنیروں اور فٹروں کے ایک گروپ کے ساتھ پروخور محصور لینن گراد بھیج دئے گئے۔

کولیا کے لئے لینن گراد کا محاذ بہت کچھ تھا۔ اسی محاذ پر اس کے والد دمتری کوروستیلیوف دشمن کے خلاف سرخ فوج کے صفوں میں لڑ رہے تھے۔

دوستوں کا ساتھ چھوٹنے کا اسے بےحد قلق تھا۔ لیکن کولیا کوروستیلیوف جانتا تھا کہ ابھی وہ تجربےکار نہیں ہے اور ذمےدار کام کے لئے پختہ‌کار فٹروں کے گروپ میں اسے فی الحال شامل نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں تقریباً جرمنوں کی نظروں کے سامنے کیروف کارخانے سے بڑے کرین اکھاڑنے تھے جن کی اورال میں سخت ضرورت تھی۔

۳

انسان کے ذہن میں نئے تاثرات ہمیشہ اچھی طرح محفوظ رہتے ہیں۔ کولیا کو بھی اپنی پہلی پرواز کی ایک ایک تفصیل یاد ہے۔ پروخور کے ساتھ وہ ماسکو سے وارسا روانہ ہوا تھا۔ ہوائی جہاز اڑتے وقت کبھی یکایک نیچے آ جاتا اور کبھی بلند ہو جاتا۔ مسافروں کا برا حال تھا۔ کولیا کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر مسافر اتنے بدحال کیوں ہیں۔ خود وہ ہاتھوں کے سہارے جہاز پر چل سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہوائی جہاز کا فرش کبھی نیچے چلا جاتا تھا اور کبھی اوپر اور بعض وقت تو وہ پیروں تلے غائب سا ہو جاتا تھا۔ لیکن اس میں بھی دل لگی تھی، بلندی پر کام کرنےوالے کو ''فضائی،، بیماری نہیں ستاتی۔

جنگ کے شعلے بجھ رہے تھے۔ جرمن رائخستاغ پر سرخ جھنڈا

لہرا رہا تھا۔ یہ فتح کا نشان تھا۔ لیکن ۱۹۴۵ء کی گرمیوں میں بھی آگ اور دھواں دیکھا جا سکتا تھا۔ شہر اور دیہات تباہ و برباد تھے اور ابھی زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

جب کولیا نے حرفتی اسکول ختم کیا تو جنگ بالکل ختم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جنگ کے خاتمے تک اس کی عمر فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں تھی۔ اس نے جنگ کے بعد ھی لازمی فوجی خدمت انجام دی۔

کوروستیلیوف نے جہاز سے وارسا کا جو منظر دیکھا اسے وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ جہاز کے بازو کے نیچے ایک لامحدود قبرستان پھیلا ہوا تھا، ایک وسیع پتھریلا صحرا۔ اور جب فٹر موٹروں میں بیٹھ کر شہر سے گزرے تو منظر اور بھی زیادہ دردناک ہوگیا — دیواریں دھوئیں سے سیاہ تھیں، ملبے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، ٹوٹے ہوئے پتھروں کے ٹیلے کھڑے تھے اور ان پر گھاس اگ آئی تھی۔ پہلے کبھی جو چوڑی چوڑی سڑکیں ہوا کرتی تھیں اب دریا کی تہہ کی مانند تھیں اور ان کی دونوں جانب پتھریلے کنارے تھے۔ ادھر ادھر لوگ کھنڈروں کو کھودنے میں مصروف تھے۔ جابجا صلیبوں اور جلتی ہوئی سوم بتیوں سے پتہ چلتا تھا کہ بموں سے تباہشدہ مکانوں کے نیچے ھی ان کے باسیوں کے مدفن ھیں۔

وارسا ریڈیو اسٹیشن کا ٹاور نازیوں نے اڑا دیا تھا۔ وارسا کی آواز گھونٹ دی گئی تھی، وہ پولینڈ کے لوگوں سے مخاطب نہیں ہو سکتا تھا۔ فٹروں اور سرنگیں ہٹانےوالوں کا کام یہ تھا کہ ٹاور کی ازسرنو تعمیر کریں۔

نووارد مضافات میں مقیم تھے۔ یہ شہر کے مرکز سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر دور تھا اور ریڈیو اسٹیشن کے بالکل ھی نزدیک۔

کولیا کی خواہش تھی کہ اس کام کےلئے اسے تجربےکار اور آزمودہ شخص سمجھا جائے۔ چنانچہ اس نے فٹروں کی ایک چوڑی پیٹی

کس لی، اس میں اپنے دستانے کھرس لئے اور سر پر خاص خود چڑھا لی۔ آس پاس بوجھ اٹھانے کی بےشمار چرخیاں اور کرین موجود تھے لیکن ریڈیو اسٹیشن کے ٹاور کی مرمت آسان نہیں تھی۔

فٹروں کو اس قسم کے کام کا خاصا تجربہ تھا۔ حال ھی میں وہ بارانووچی میں تباہشدہ ٹاور دوبارہ کھڑا کر چکے تھے۔ لتھوانیا میں انھوں نے یوم فتح کے موقع پر ایک بڑا ریڈیو ٹاور تعمیر کیا تھا۔

وارسا ریڈیو اسٹیشن کے ٹاور کی تعمیرنو ایک روز صبح پانچ بجے شروع ھوئی۔ اس میں بوجھ اٹھانے کی ۲۰ چرخیاں استعمال کی گئیں۔ کولیا کے ذمے ایک اھم ترین چرخی تھی۔ اسے یہ نگرانی کرنا تھی کہ چرخی کے بیچ میں تار کا رسہ ٹھیک طرح لپیٹا جائے۔ یہاں بھی تارونتائیف اس کی رھنمائی کر رھے تھے۔ کام ختم کرنے میں پورے دس گھنٹے صرف ھوئے۔ ایک مرتبہ پھر پولینڈ کا قومی ترانہ تمام ملک میں گونجنے لگا۔

۴

شہر ماسکو کی ۸۰۰ ویں سالگرہ کے اعزاز میں بہت ھی بلند نئی عمارتوں کی تعمیر شروع ھوئی۔ اس کام کےلئے بلندی پر کام کرنےوالے کئی سو فٹروں کی ضرورت تھی۔ جلد ھی ماسکو کی چھتوں کے اوپر بلندی پر کام کرنےوالے فٹر نظر آنے لگے۔

کولیا کوروستیلیوف دونباس سے ماسکو آ گیا۔ وھاں اس نے اپنا کیئوو میں دھوئیں اور سیل کچیل سے گھری ھوئی دو بھٹیوں کے درمیان انجن بھٹی کھڑی کی تھی۔ اب وہ ماسکو کے مرکز میں تعمیری کام میں مصروف تھا۔

اسمولینسکایا چوک میں کئی منزلہ عمارت کا فولادی ڈھانچہ آھستہ آھستہ آسمان کی جانب اٹھایا گیا۔ اور پھر لوھے کی کھٹا کھٹ ،

پٹے دار چرخیوں کی چرخ چوں، بلولیمپوں کی سی سی، سیٹیاں، چیخ پکار — غرض کہ اتنا شور مچتا رہا جو ماسکو میں پہلے کبھی نہیں سنا گیا تھا۔

کولیا اپنے نیچے تمام شہر کو دیکھ سکتا تھا۔ اربات سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی اربات چوک سے مل جاتی تھی۔ اس پر موٹرکاروں کا غیرمتناھی سلسلہ جاری رھتا تھا اور موٹریں ماچس کی ڈبیہ کے برابر نظر آتی تھیں۔

بعد میں بلندی پر کام کرنےوالے فٹر ماسکو یونیورسٹی کی جائےتعمیر پر اکٹھا ہوئے۔ یہاں کام کے حالات زیادہ مشکل تھے۔ اسمولینسکایا چوک پر جو کئی منزلہ عمارت کھڑی کی گئی تھی اس کا مینار ۳۸۱ فٹ بلند تھا لیکن یونیورسٹی زمین سے ۷۱۱ فٹ اونچی تھی — تقریباً دو گنی سے زیادہ۔

بلندی پر کام کرنے کےلئے آدمی کو فولادی اعصاب چاہئے۔ اس کےلئے نہ صرف ھنر اور ٹریننگ بلکہ انتہائی تحمل، ضبط اور بعض وقت بےجگری کی بھی ضرورت ھوتی ھے۔

اکثر لوگ بعض بلندیوں کو ''سر چکرا دینےوالی،، بلندیاں کہتے ھیں۔ بارھا کولیا اور اس کے ساتھی مزدوروں کو بڑی بلندی پر ایسی گارڈر پار کرنا پڑی جو سگریٹ کی ڈبیہ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی، انھیں ایسے چھجوں اور چھتوں کے سروں پر چڑھنا پڑا جہاں مشکل سے قدم رکھنے کی جگہ تھی۔ اونچے محفوظ چبوترے پر کام کرنے سے پہلے جس کے گرد حفاظتی کٹھرا ھوتا ھے آخر آدمی ھی حفاظتی کٹھرا کھڑا کرتے ھیں۔ اسی طرح حفاظتی پیٹی استعمال کرنے سے پہلے غیر محفوظ آدمی ھی گارڈر کو جماتے ھیں۔

یونیورسٹی کی عمارت پر کام کرتے ہوئے نکولائی کوروستیلیوف کو کئی مہینے گزر گئے۔ ایک پختہ‌کار اور لائق مزدور کی حیثیت

سے ان کی عزت کی جانے لگی۔ لیکن انھیں مزید تعلیم کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ اور پروخور خود انھیں کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔

جب یونیورسٹی کی عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اسی دن سے وہاں شام کا اسکول کھل گیا تھا۔ جو نوجوان مزدور اسکول کا سرٹیفکٹ حاصل کرکے آئندہ یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتے تھے وہ کام کے بعد یہاں پڑھ سکتے تھے۔ تعلیم کا سرچشمہ تعمیر کرنے سے معماروں کی علم کی پیاس بڑھنا قدرتی بات تھی۔

کئی مرتبہ نکولائی بےچینی کے عالم میں نوٹس‌بورڈ کے سامنے کھڑے ہوئے جس پر جائےتعمیر کے اسکولوں اور نصاب کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جائے تعمیر کے دفتر پر یہ نوٹس بھی چسپاں دیکھا: ’’جو نوجوان معمار آئندہ یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنی درخواستیں ابھی بھیجدیں۔ ،،

لیکن نکولائی کےلئے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شام کے اسکول میں وہ صرف چھٹی کلاس سے ہی اپنی پڑھائی شروع کر سکتے تھے۔ پھر جب وہ دو مختلف پالیوں میں کام کر رہے تھے تو پابندی سے شام کو تعلیم کیسے حاصل کر سکتے تھے۔ ہر روز انھیں کام پر بہت دور سے آنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابھی ابھی اپنے لڑکپن کی دوست سنہرے بالوں والی، نیلی آنکھوں والی زینا سے شادی کی تھی۔

ماسکو میں کئی منزلہ عمارتیں بنانے کے بعد نکولائی کوروستیلیوف سائبیریا چلے گئے۔ وہاں انگارا دریا کے کنارے گھنے جنگل میں کارخانوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ایک نیا شہر ابھر رہا تھا۔ اس وقت نقشے پر شہر انگارسک کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ لیکن وہاں بلند رھائشی مکان اور کارخانوں کی عمارتیں نظر آنے لگی تھیں۔

۵

وہ وقت بھی آ گیا جب سوویت معمار اکثر دوسرے ملکوں کو جانے لگے۔ وہاں انھوں نے اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کے شانہ بشانہ عمارتیں تعمیر کرنے میں اپنا تجربہ استعمال کیا۔

نکولائی کوروستیلیوف بھی ان میں سے ایک تھے۔ اسے دلچسپ اتفاق کہئے کہ سات سال کے بعد وہ پھر وارسا آئے جو جانا پہچانا تو تھا ھی لیکن بدلا ہوا بھی۔

جنگ کو ختم ہوئے سات برس ہو چکے تھے لیکن ابھی تک وارسا میں کھنڈر موجود تھے اور سڑکیں کی سڑکیں غیرآباد تھیں۔

عمارتیں تعمیر کرنے کی ضرورت تھی اور ان میں سائنس اور ثقافت کے محل کو اہم مقام حاصل تھا جسے سوویت حکومت بطور تحفہ بنا رہی تھی۔ نکولائی یہیں کام کرنےوالے تھے۔

۲۶ مئی ۱۹۵۲ء کو پہلے دن نکولائی جائےتعمیر پر آئے۔ اس وقت عمارت اٹھنا بھی شروع نہیں ہوئی تھی تو ظاھر ھے بلندی پر کام کرنےوالوں کی ضرورت کیوں ہوتی۔ اسے دل لگی سمجھئے کہ بلندی پر کام کرنےوالے معماروں نے اپنا کام عمارت کی بنیاد ڈالنے سے شروع کیا!

آخرکار عمارت کا ڈھانچہ تعمیر کر لیا گیا اور اس پر ایک اونچا مینار کھڑا کیا جانے لگا۔ سب سے بلندی پر کام کرنے کےلئے کئی معماروں کے ساتھ نکولائی بھی چنے گئے۔ وہ دن بھی آگیا جب تقریباً ۷۰۰ فٹ بلند مینار کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس عالیشان مینار کے متعلق لوگوں نے بہت کچھ پڑھا تھا۔ وہ نیچے سڑکوں پر کھڑے ہو جاتے اور سر اٹھا اٹھاکر اسے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔

۲۱ جولائی ۱۹۵۰ء نکولائی کی زندگی میں اہم تاریخ ہے ۔ اس دن سائنس اور ثقافت کے محل کے بڑے بڑے ستونوں پر سرخ اور سفید فیتے لپٹے ہوئے تھے اور درمیان میں میتسکیوچ اور کوپرنیکس کے مجسمے نصب تھے ۔ اس افتتاحی تقریب میں بہترین کام کرنےوالوں کو اعزاز دئے گئے ۔نکولائی کے سینے پر ''پولینڈ کے احیا کے کمانڈر،، کا تمغہ چمک رہا تھا ۔ اسی روز انھیں آرڈر آف لینن بھی عطا کیا گیا ۔ ایسے انمول انعام ملنے پر نکولائی نے اپنی خوشی ظاہر کرنے میں مطلق تکلف سے کام نہیں لیا ۔

۶

ہر نئے ملک کی آب و ہوا کا عادی ہو جانا آسان نہیں ہے، خاص کر جہاں گرمیوں میں پارہ ۱۰۴ ڈگری تک پہنچ جاتا ہو ۔ بھلائی میں سوویت انجنیر اور معمار نہ صرف اس درجۂ حرارت میں رہتے تھے بلکہ کام بھی کیا کرتے تھے ۔ احتیاطاً ڈاکٹروں نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ ایک گھنٹہ دھوپ میں کام کرنے کے بعد پندرہ منٹ آرام کیا کریں ۔

وہ سورج نکلتے ہی اٹھ جاتے اور دھوپ کی عینک اور کینوس کے لباس کے علاوہ چار سوراخوں والا موٹا ہیٹ بھی پہنتے تھے ۔ جب نکولائی بھلائی آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ہندستانی مزدور اپنے سروں پر رومال کانوں تک اس طرح باندھتے ہیں کہ وہ جھلستی ہوئی گرمی سے بچے رہیں ۔ رومال کو تہہ کرکے سر کے پیچھے سے گزار کر پیشانی کے اوپر اس کی گرہ باندھ لی جاتی ہے ۔ اس طرح پسینہ چہروں پر مستقل بہنے کے بجائے رومال میں جذب ہو جاتا ہے ۔ اس بھیگے ہوئے رومال سے ذرا خنکی بھی محسوس ہونے لگتی ہے ۔

تھرماس ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتے تھے جن میں عام طور پر ٹھنڈا لیمو کا پانی یا ٹھنڈی چائے بھری رہتی تھی۔ بعض سوویت انجنیر اور مزدور بلاشکر گرم چائے پسند کرتے تھے۔

جب بارہ بجے سورج سر پر آتا اور تمام آسمان بےرحم سخت گرمی سے تپنے لگتا تو جائے تعمیر خالی ہو جاتی تھی۔ سب لوگ دھوپ سے بچنے کےلئے سایہ‌دار جگہ چلے جاتے تھے۔

لیکن دشواریاں صرف موسم تک محدود نہیں تھیں۔ یہ بھی ضروری تھا کہ نئے طور طریقوں، عادتوں، رسم ورواج، رہن سہن کے حالات غرض کہ ایک پورے نئے نظام حیات کو اپنایا جائے۔

وھاں ایک بڑی دقت زبان کی بھی تھی۔ جب لوگ کسی مشترکہ زبان کے بغیر پیچیدہ کام کر رہے ہوں اور اس کے علاوہ ھدایتیں بھی دینی ہوں تو مشکلات کا اندازہ اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے۔ بہت سے مقامی مزدور ایسے بھی تھے جو انگریزی نہیں جانتے تھے۔ ایسی صورت میں انگریزی اور روسی زبانوں میں لکھے ہوئے کام کے منصوبوں سے کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔ وھاں مختلف بولیوں کا شور مچا رہتا تھا، اس لئے کسی کو اپنی بات سمجھانا تقریباً ناممکن تھا۔ انگریزی اور روسی کے علاوہ جائےتعمیر پر ھندستان کی کئی زبانیں بولی جاتی تھیں — اردو، بنگالی، گجراتی، ملایالم، پنجابی اور خاص کر ھندی۔ صرف روسی کا ایک لفظ ہر قوم کے لوگ سمجھتے تھے یہ تھا ”داوائی،، (”جلدی کرو،،)۔

مصیبتیں یہیں پر ختم نہیں ہوئیں۔ نکولائی کےلئے انگریزی ناپ اور وزن کے پیمانے درد سر بن جاتے خاص کر جب انھیں مچان‌بندی کے سلسلے میں حساب کتاب لگانا پڑتا تو بڑی ھی پریشانی ہوتی تھی۔ ایک اور بھی مشکل تھی — وھاں لوگوں کا اصرار تھا کہ فولاد کے موٹے تاروں کے بجائے سنیلا کے رسے استعمال کئے جائیں جن کے کس بل سے وہ خوب واقف تھے۔

بھلائی میں جس بڑے پیمانے پر جسمانی محنت استعمال کی جاتی تھی نکولائی کبھی اس کے عادی نہیں ہو سکے — مزدور پھاوڑوں سے زمین کھودتے تھے، عورتیں سر پر مٹی سے بھری ہوئی ٹوکریاں لے جاتی تھیں، چار مزدور مل کر ڈنڈوں پر بھاری پتھر لٹکاتے تھے۔

شروع میں نکولائی کھلی بھٹی پر کام کرتے رہے، پھر انھیں انجن بھٹی پر لگا دیا گیا اور یہاں وہ ترچھے پل کے نگراں مقرر کر دئے گئے۔ یہ کام انتہائی صبرآزما تھا اور اس میں بڑی مہارت کی ضرورت تھی۔ انجن بھٹیوں کی تعمیر کے سربراہ، ایوان فادئیف نے نکولائی کے بارے میں لکھا:

"غیر معمولی جرأت کا مالک۔ ہندستانی انھیں بلندیوں کا فاتح کہتے ہیں۔"

انجن بھٹی کی افتتاح کا وقت قریب آتا گیا۔ ایک ہفتہ پہلے وہاں ایک خوبصورت خیمہ نصب کر دیا گیا جس میں پروہت براجمان ہو گئے۔ آس پاس کی فضا صندل کی لکڑی کے دھوئیں سے معطر رہنے لگی اور اس میں اشلوک گونجنے لگے۔

ترچھے پل پر سے جسے نکولائی کوروستیلیوف نے کھڑا کیا تھا اب بھاری ڈبے جانے لگے۔

جب تعمیر کا سب کام ختم ہو گیا تو بھٹیاں چالو کر دی گئیں — پگھلے ہوئے لوہے کی دھار سانچوں میں گرنے لگی اور آگ کی روشنی سے لوگوں کے چہرے تمتمانے لگے۔ ہندستانیوں نے جوش میں آ کر کئی زبانوں میں نعرے بلند کئے۔ اس شوروغل میں روسی الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے — "خروشو" (اچھا)، "لینن"، "داوائی"، "اسپوتنک"۔ پھر لوگوں نے چلانا شروع کر دیا "ہندی روسی — بھائی بھائی"۔

کئی ہندستانی نکولائی کوروستیلیوف کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ کر بڑی عزت سے نمستے کیا۔ سب لوگ نکولائی کو "روسی

16—328

ماهر،، کہا کرتے تھے۔ ایک نوجوان لڑکے نے بھی جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں انھیں مبارکباد دی۔ پہلے یہ اپنے دبلے پتلے ھاتھوں سے سامان ادھر سے ادھر اٹھایا کرتا تھا۔ اس کی یومیہ اجرت ایک روپیہ تھی جس سے وہ اپنا پیٹ مشکل سے بھر سکتا تھا۔ ''روسی ماھر،، کے آنے کے بعد اس کی کایا پلٹ گئی۔ نکولائی نے دوسرے نوجوان مزدوروں کی طرح اس لڑکے کےلئے بھی نئے ھنر کا دروازہ کھولدیا۔ وہ سب انھیں دیوتا سمجھنے لگے۔ نکولائی نے اسے تحمل اور دوستانہ طریقے سے ٹریننگ دی۔ اب لڑکا روزانہ سات آٹھ روپیے اجرت پانے لگا۔ اس کے علاوہ وہ تربیت‌یافتہ بن گیا۔ یوں کہنا چاھئے کہ اس لڑکے نے دو بارہ جنم لے لیا۔ بھلائی میں انجن بھٹیاں تعمیر کرتے وقت ''روسی ماھر،، نے بےشمار لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

* * *

نکولائی کوروستیلیوف تین سال تک ماسکو سے باھر رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے ھندستان کے گرم سورج کے نیچے کام کیا اور سخت حالات میں ھزاروں من وزنی فولادی ڈھانچے کھڑے کئے۔

جب نکولائی ماسکو لوٹے تو انھوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک نئی دنیا میں آ گئے ھیں۔ اب انھیں پھر سخت پالے اور سرد ھواؤں کا عادی ھونا پڑا۔ گرم آب و ھوا میں رہ کر وہ یہ سب تقریباً بھول گئے تھے۔ انھیں مشکل سے یقین آتا تھا کہ وہ انگارہ کی جائے تعمیرات پر برفیلی ھواؤں کا مقابلہ کر چکے ھیں۔

خاص طور پر ان کے بچوں کےلئے ماسکو پریوں کی دنیا کی طرح تھا۔ جب وہ ماسکو آئے تو غیرمعمولی برفباری ھو رھی تھی۔ شاید شہر میں یہ تنہا ایسے بچے تھے جو نہ اسکیٹنگ کر سکتے تھے اور نہ اسکی‌انگ۔ سب سے چھوٹی نتاشا نے ابھی تک سمور کا کوٹ،

دستانے اور نمدے کے جوتے نہیں دیکھے تھے۔ اور جہاں تک برف کا تعلق ہے تو اس نے صرف ریفریجریٹر کے اندر ہی اسے دیکھا تھا۔

نکولائی کوروستیلیوف پھر سرگرم زندگی گزارنے لگے۔ وہ ایک جائے تعمیر سے دوسری جائے تعمیر جاتے، کبھی ہوائی جہاز کےلئے سائبان یا گیس کے ٹینک بناتے اور کبھی ٹیلی‌وژن کے ٹاور یا بجلی گھر تعمیر کرتے تھے۔

اپنے دو بیرونی سفروں کے درمیان انھوں نے تعلیم کےلئے وقت نکال لیا۔ چھ مہینے کے بعد انھیں ڈگری مل گئی۔ اب وہ فورمین کی حیثیت سے فولادی ڈھانچے کھڑے کرنے کی نگرانی کرتے ہیں۔

طیارے باز کا تجربہ معلوم کرنا آسان ہے۔ صرف یہ حساب لگانا ہوتا ہے کہ اس نے کل کتنے گھنٹے پرواز کی۔ لیکن بلندی پر کام کرنےوالے تعمیری مزدور کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی بار جان پر کھیلا۔ ایک بات یقینی ہے — نکولائی کوروستیلیوف نے کام پر کئی ہزار گھنٹے صرف کئے ہیں، ایسے کام پر جو سخت محنت طلب بھی تھا اور خطرناک بھی۔ اپنی زندگی میں وہ جتنے مستولوں، چمنیوں، ٹاوروں، میناروں، پلوں، گنبدوں، کرینوں، ڈھلانوں، گھنٹہ گھروں، سائبانوں، گیس کے ٹینکوں، چھتوں اور پانی کی ٹنکیوں پر چڑھے ہیں ان کا شمار کرنا تقریباً نا ممکن ہے۔

اگر نکولائی کوروستیلیوف ان تمام تعمیرات کو دیکھنے کا فیصلہ کریں جن میں ان کی محنت بھی شامل ہے تو یہ ایک لامتناہی سفر ہوگا۔

از : یوگینی وورو‌بیوف

خلانورد کی منزلیں

یہ ۱۲ اپریل ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ ایک نیلے رنگ کی بس سنسان استیپی میدان سے گزر رہی تھی اور اس میں دو غیرمعمولی مسافر الگ الگ خاص نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کا لباس بھی غیرمعمولی تھا — سوٹ، بہت چست اور ھوابستہ سوٹ۔ سر پر سفید ایسی خودیں تھیں جنھیں عام طور پر غوطہ خور استعمال کیا کرتے ھیں اور ان پر بڑے بڑے حرفوں میں ''سوویت یونین،، لکھا ھوا تھا۔

دنیا ابھی تک ان کے ناموں سے ناواقف تھی۔ یہ صرف ان کے کنبےوالے اور ساتھی کارکن جانتے تھے۔ بس طویل و عریض خلائی اڈے کی جانب جارھی تھی جو بعد میں کافی مشہور ھو گیا ھے — بائیکانور۔

بس تھوڑی دیر کے بعد ایک دیوپیکر نقرئی راکٹ کے قریب آکر رک گئی جس کے اردگرد دھات کی جھالروں جیسا پیچیدہ جنگلا تھا۔

جو لفظ ان دونوں افراد کےلئے استعمال کیا جاتا تھا اسے بھی ھم اس وقت تک نہیں جانتے تھے، یعنی ''خلانورد،،۔ ابھی تک انھوں نے یا کسی اورنے بھی خلا میں قدم نہیں رکھا تھا۔ آج کے دن ان میں سے ایک خلا کا کولمبس بننےوالا تھا اور انسانیت کےلئے ستاروں سے آگے اور جہانوں کا راستہ کھول رھا تھا۔

دونوں تربیت حاصل کر چکے تھے اور خلا میں جانے کےلئے تیار تھے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک ھی خلا میں بھیجا جا رھا تھا۔ سرکاری کمیشن اسے منتخب کر چکا تھا۔ دوسرا شخص ضرورت کے وقت قائم مقام بن سکتا تھا۔

چند ھی گھنٹے بعد تمام کرۂ ارض پر ریڈیو اسٹیشن اپنے حسب‌معمول پروگرام بدل دیں‌گے اور تمام دنیا میں تحسین، خوشی اور فخر کی لہر دوڑ جائےگی۔ ماسکو کے ھزاروں باسی فوراً لال

چوک میں کھچا کھچ بھر جائیں گے۔ ہمارے سیارے پر صرف ایک نام گونجے گا — ''یوری گاگارین۔،،

یہ انسانیت کے عروج کا لمحہ ہوگا جب ۱۰۸ منٹ تک دنیا کا پہلا انسان، سوویت نوجوان، پہلا خلانورد یوری گاگارین خلا میں کرۂارض کے گرد پرواز کرکے اپنے وطن کی سرزمین پر اترے گا۔

اور دوسرا شخص؟ اس دن ہم ان کا نام نہیں سنیں گے۔ صرف بعد میں جب گاگارین کی پرواز کے سلسلے میں خبریں اور رپورٹیں شائع ہوں گی تو ان کا ذکر کیا جائے گا: پہلی خلائی پرواز کے وقت خلانورد نمبر ۲ نے گاگارین کو خدا حافظ کہا۔ اگر ضرورت پڑتی تو وہ یوری کی جگہ لے سکتے تھے۔

اس ناقابل فراموش دن کے متعلق خلانورد نمبر ۲ کہتے ہیں: ''ان لمحوں میں مجھ پر بہت کچھ گزری۔ یوری گاگارین کے ڈسپلن اور قوت ارادی نے مجھے کافی متاثر کیا۔ میں نے راکٹ کے حسن کو حیرت کی نظر سے دیکھا جس نے پہلے زمین کی قوت کشش پر عبور حاصل کیا اور پھر انسان کی پہنچ سے بہت آگے خلا میں جانے لگا۔ غالباً ہم خلانورد جو زمین پر تھے اپنے دوست یوری سے زیادہ تلاطم میں تھے جو بے پناہ رفتار سے زمین کے گرد گھوم رہا تھا اور سخت آزمائش سے گزر رہا تھا۔ یہ تھا ہماری دوستی اور رفاقت کا اظہار۔،،

اس ''پراسرار،، خلانورد نمبر ۲ کا نام گیرمن تیتوف ہے۔ انھیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ پہلے انسان تھے جو ۲۵ گھنٹے تک خلا میں رہے۔

گاگارین کی پرواز کے چار مہینے بعد، ۶ اگست ۱۹۶۱ء کو دنیا نے ایک بار پھر سوویت سائنس اور ٹکنیک کی داد دی۔ کوسموناوٹ گیرمن تیتوف نے خلائی جہاز ''وستوک — ۲،، میں دنیا کے گرد سترہ چکر لگائے اور ۲۵ گھنٹوں میں ۷ لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔

مجھے اس پر فخر ہے کہ جب گیرمن تیتوف کا ماسکو میں خیرمقدم کیا گیا تو ٹیلی‌وژن پر اس کی رپورتاژ میں نے کی اور ٹیلی‌وژن کیمرے کے سامنے ان کا انٹرویو لیا۔

گفتگو سے پہلے گیرمن تیتوف جو منکسر اور جاذب نظر انسان ہیں کچھ گھبرائے ہوئے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ انھیں بہت نمایاں نہ دکھایا جائے اور یہ بھی کہ ''میرے تمام مراتب بیان مت کیجئے، بس خلا نورد کہئے۔''

میں ان کی ذہنی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ لیکن بعد میں ٹیلی‌وژن انٹرویو کے دوران وہ کیمرے کو بالکل بھول گئے، بڑے دلچسپ انداز میں باتیں کرنے لگے اور میرے سوالوں کے جواب بلاتکلف دئے۔ یہی نہیں بلکہ ایک اہم ذاتی راز بھی کھول دیا:

''میں بہت خوش ہوں لیکن میرا ضمیر ایک بات پر ملامت کر رہا ہے۔ جب خلابازی کی تعلیم و تربیت سے پہلے میرا طبی معائنہ کیا گیا تھا تو میں نے ڈاکٹروں کو دھوکہ دیا۔''

''یہ کیسے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''لڑکپن میں ایک بار میں سائیکل سے بری طرح گرپڑا تھا اور میرا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ اس کا اقبال میں کیسے کر لیتا؟ جب مجھے طیارہ‌باز کےلئے چنا جا رہا تھا تو اس وقت بھی میں نے یہ نہیں بتایا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ قبول نہیں کریں‌گے۔ آخری بار پھر میں گونگا بنا رہا۔ اب میں یہ دل کھول‌کر کہنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر آپ کا ''نیک‌نیت'' دھوکہ معاف کر دیں‌گے۔''

تیتوف نے ہنس کر کہا: ''مجھے بھی ان کی دریادلی پر یقین ہے۔''

سچ پوچھئے تو اسی وقت سے میں تیتوف کا گرویدہ ہو گیا اور مجھے یہ معلوم کرنے کا تجسس اور شوق پیدا ہوا کہ یہ شخص کہاں اور کیسے بڑھا پلا؟ اس کا غیرمعمولی کردار کس طرح ڈھلا؟ اس

کے بعد هم دونوں کئی بار ایک دوسرے سے ملے۔ اب میں اپنے زمانے کے ایک هیرو کی داستان سنا سکتا هوں۔

گیرمن تیتوف سائبیریا میں پیدا هوئے۔ ان کا بچپن التائی میں گزرا۔ یه وه علاقه هے جہاں بلند پہاڑوں کے نیچے زرخیز وادیاں پھیلی هوئی هیں، جہاں گھنے جنگلوں کے بعد ایسے وسیع میدان شروع هو جاتے هیں جن پر کبھی هل نہیں چلا۔ جب جاڑے آتے هیں تو پالے اور برف کی بھرمار رهتی هے، هواؤں کے جھکڑ اٹھتے هیں اور برف کے طوفان سڑکوں اور راستوں کو ڈھانک دیتے هیں۔ لیکن اس کے باوجود سائبیریا کی آب و هوا بڑی صحت افزا هے اور اس کی خشک اور خنک فضا همیشه صاف اور تازه رهتی هے۔ گرمیوں میں هوا دھوپ سے گرم هو جاتی هے اور اس میں گھاس کی مہک اور جنگلوں اور استیپی میدانوں کے پھولوں کی خوشبوئیں بس جاتی هیں۔ اس بے کراں سائبیریا میں بڑے بڑے دریا خاموشی سے بہتے رهتے هیں۔ پہاڑوں میں شفاف اور بلور جیسے چشمے قلقل مینا کو بھی مات کرتے هیں۔ روس کے باهر ایک عام تصور کے برعکس سائبیریا انسان کے لئے فیاض اور دریا دل هے۔

گیرمن ژوراولیخا گاؤں میں ایک دیہی ٹیچر استیپان تیتوف کے گھر پیدا هوئے۔ ایک روسی کہاوت هے: ''سیب اپنے درخت کے پاس هی گرتا هے،،۔ تو یه معلوم کرنا ضروری هے که کس قسم کے درخت سے مستقبل کا خلانورد پھولا پھلا۔

سائبیریا کے لوگ مضبوط اور جفاکش هوتے هیں۔ جب روس میں انقلاب نے پیش‌قدمی کی تو انھوں نے سوویت اقتدار کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ ابھی تک لوگوں کو سائبیریا کے چھاپےماروں کے بہادر کارنامے یاد هیں۔ انھوں نے جاپانی مداخلت کرنےوالوں کے دانت کھٹے کئے، زار کے امیرالبحر کولچاک کے خلاف لڑے جس نے اپنے آپ کو سائبیریا کا حاکم مطلق اعلان کر دیا تھا۔ وه انقلاب‌دشمن روسیوں کی ٹولیوں کے خلاف صف آرا هوئے اور مقامی مالدار زمینداروں

کا قلع قمع کیا جو کسانوں کو زمین نہیں دینا چاہتے تھے۔ ژوراولیخا گاؤں نے بھی اس جدوجہد میں حصہ لیا۔ یہاں کے غریب کسان خواب دیکھ رہے تھے کہ جدوجہد ختم ہونے کے بعد وہ ایک نئی زندگی شروع کریں گے، الگ الگ نہیں بلکہ اجتماعی طور پر کمیون کی شکل میں۔ چنانچہ انھوں نے صنوبر کے جنگل اور سفیدے کے کنج کے درمیان جو زمین تھی اس پر مل کر آباد ہونے کا فیصلہ کیا اور اپنے کمیون کو ''مئی کی صبح،، کا نام دیا۔

خلانورد کے نانا میخائل نوسوف کمیون قائم ہونے سے پہلے ایک غریب کسان تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے سوویت اقتدار کی حمایت کی تھی۔

کمیون کے ممبروں نے جانفشانی سے کام کیا اور اچھی فصل حاصل کی۔ پہلی رقم جو ان کے ہاتھ میں آئی اسے انھوں نے غریبوں کی زندگی بہتر کرنے کے لئے خرچ کیا۔ کل کے پسماندہ اور ان پڑھ کسان ایک بہتر زندگی شروع کرنے لگے۔ اسی لئے انھوں نے سوویت اقتدار کے لئے جدوجہد کی تھی۔

کمیون نے ایک اسکول کھول دیا۔ اس وقت خلانورد کے باپ لڑکے تھے۔ وہ نہ صرف اس نئی زندگی کے شاہد بلکہ اس کی تعمیر میں حصہ لینے والے بھی بن گئے۔ جب کمیون نے کتب خانہ قائم کیا تو اس کی ذمے داری اسکولی طالب علم استیپان تیتوف کو سونپ دی گئی۔ لڑکے میں بہت سی صلاحیتیں تھیں۔ وہ ڈرائنگ میں مشاق تھا، اسکول کے بینڈ میں وائلن بجاتا تھا اور اسے بڑھئی کے کام میں بھی شدبد تھی۔ بعد میں وہ اپنے گاؤں کا پہلا ٹریکٹر چلانے والا اور موٹر ڈرائیور بنا۔ اپنا مکان اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ یہیں خلانورد نے پرورش پائی۔ اور گھر کے قریب استیپان تیتوف نے جو باغ لگایا اس کے حسن اور بار آوری کی تعریف لوگ آج بھی کرتے ہیں۔

خلانورد کے باپ اس قسم کے انسان ہیں ۔ ان تمام کاموں کے ساتھ ساتھ وہ اسکول میں پڑھاتے بھی رہے : اسکول ختم کرنے کے بعد وہ ہیڈ ماسٹر کے معاون بن گئے ۔ اس طرح ایک ٹیچر کی زندگی شروع ہوئی ۔

گیرمن تیتوف آٹھ برس کے تھے جب ان کے باپ نازیوں کے خلاف لڑنے کےلئے فوج میں بھرتی ہوئے ۔ یہ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے ۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں اور چھوٹی بہن زیمفیرا کے ساتھ نانا کے گاؤں مائیسکی آ گئے ۔ اس وقت کمیون اجتماعی فارم میں بدل گیا تھا ۔ ان کی ماں وہیں کام کرنے لگیں ۔ گیرمن اکثر اپنی ماں کے ساتھ کھیت آیا جایا کرتے تھے ۔

اس زمانے کے بارے میں خلانورد کہتے ہیں : ''یہ مشکل دن تھے اور ان ہی دنوں میں نے سمجھا کہ سرد ہونے کا کیا مطلب ہے — ہر رات کو سوتے وقت دکھتے ہوئے ہاتھ اور پیر اور کسکتی ہوئی پیٹھ، دوسرے روز صبح سے پھر کھیت میں کام کرنا لیکن کبھی ریں ریں نہ کرنا ۔ جنگ کی وجہ سے مشکلیں بڑھ رہی تھیں ۔ جوتے پہنتے پہنتے بالکل پھٹ جاتے تھے لیکن نئے جوتے خریدنا تقریباً ناممکن تھا ۔ سگریٹ اور تمباکو کہیں نظر نہیں آتے تھے ۔ نانا تمباکو کےلئے ترس گئے تھے ۔ چنانچہ احاطے میں ہم نے تھوڑی سی تمباکو بو دی ۔ شام کو میں نانا کےلئے تمباکو کی سوکھی پتیاں کاٹا کرتا تھا ۔ ''

۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں استیپان تیتوف نے مشرقی پروشیا کی سرحد پر فتح جنگ منائی ۔ اور خزاں میں وہ اپنے وطن لوٹ آئے ۔

اب تیتوف خاندان پھر پولکوونیکووا گاؤں میں اپنے مکان میں رہنے لگا ۔

گیرمن اسکول کی فٹ بال ٹیم میں کھیلا کرتے تھے اور سردیوں میں اسکیٹینگ کرتے تھے ۔ ان کے اسکول کی ادبی انجمن ہاتھ سے لکھا ہوا ایک رسالہ ''ہماری تخلیق'' شائع کیا کرتی تھی ۔ اس کی جلدیں

اب بھی محفوظ ھیں - ان میں گیرمن کی لکھی ھوئی کہانی ''فوجی سراغ رسانی،، شائع ھوئی تھی - یہ انھوں نے اپنے باپ کی جنگ کے زمانے کی یادوں کی بنا پر تحریر کی تھی - اسی رسالے میں ان کا باتصویر لفظوں کا معمہ بھی شامل ھے جس کا حل یہ ھے: ''طوطے کی طرح کلاس میں شور مت کرو - ،،

ایسے کئی رسالے خود گیرمن نے شروع سے آخر تک لکھے تھے - اور اگر یہ ذھن میں رکھا جائے کہ ایک رسالہ ۲۷ صفحوں اور دوسرا ۱۱۰ صفحوں پر مشتمل تھا تو یہ کوئی معمولی بات نہ تھی -

ان کی دلچسپیاں بےشمار تھیں - وہ ھر چیز کو جاننا چاھتے تھے اور ھر کام کو کرنے کےلئے بےتاب رھتے تھے - کبھی وہ تمام شام فلم پروجیکٹر کی کیبن میں بیٹھے رھتے - اور اس وقت تک وھاں جاتے رھے جب تک کہ انھوں نے پروجیکٹر خود چلانا نہ سیکھ لیا - اس کے بعد انھوں نے اجتماعی فارم کے ڈرائیور چچا تیشا سے دوستی شروع کردی - وہ انھیں ٹرک کی صفائی کرنے، پیٹرول ڈالنے اور پہیہ بدلنے میں مدد دینے لگے - اکثر وہ بلا جھجک پوچھتے: ''یہ کیا ھے؟ یہ کس لئے ھے؟،، اس تیز لڑکے کو دیکھ کر ڈرائیور تیشا مسکراتا اور دریافت کرتا: ''گاڑی کے آس‌پاس نمدا لے کر گھومنے سے تھکتے تو نہیں ھو؟،،

''نہیں چچا تیشا، بالکل نہیں،، گیرمن بڑی سچائی سے جواب دیتے - ''بس...،،

''بس... میں جانتا ھوں تم کیا چاھتے ھو - تم مجھ سے پوچھنا چاھتے ھو کہ تمھیں گاڑی چلانا کب سکھاؤں‌گا؟،، ڈرائیور لڑکے کا جملہ کاٹ کر کہتا - ''ارے، تم تو لڑکیوں کی طرح شرمانے لگے - چلو ٹرک کی اگلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھو - ،،

گیرمن نے لڑکپن ھی میں موٹر چلانا بھی سیکھ لیا - ان کے اسکول میں ایک چھوٹا سا پرانا بجلی گھر تھا - یہ کمیون کے زمانے

17*

میں بنایا گیا تھا۔ بچوں کا ایک گروپ اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ گیرمن ان کے لیڈر تھے۔

ویسے گیرمن عام لڑکوں جیسے تھے۔ جو چیز انھیں اپنے ھمجولیوں سے ممتاز کرتی تھی وہ ان کی دلچسپیوں کی وسعت تھی۔

ایک شام کو گیرمن گھر پر جرمن زبان کا سبق یاد کر رہے تھے۔ وہ کتاب کے صفحے پر ھاتھ رکھ کر مشق کے الفاظ اونچی آواز سے کہتے اور پھر صفحے سے اپنا ھاتھ ھٹا کر دیکھتے تھے کہ انھیں جرمن لفظ صحیح یاد ھیں یا نہیں۔

ان کے باپ، جو قریب ھی بیٹھے ھوئے اپنے بیٹے کو توجہ سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح سبق یاد کر رہا ھے، بولے: ''گیرمن، کیا خیال ھے تمھارا اگر ھم کوئی چیز ایجاد کریں؟،،

''ابا، کیا مطلب ھے آپ کا؟،،

''یہاں دیکھو،، استیپان نے کہا اور کاغذ پر ایسا نقشہ بنانے لگے جیسے کسی تعمیر کا خاکہ ھو۔ پھر باپ اور بیٹا سرگوشی سے باتیں کرنے لگے تاکہ متجسس بہن زیمفیرا انھیں نہ سن سکے۔ یہ ایک ''حیرت‌انگیز،، چیز کی ابتدا تھی۔

سب سے پہلے انھوں نے لکڑی کا ایک بڑا تختہ بنایا۔ تختے پر ڈرائنگ‌پن لگانے پر گیرمن نے کئی شامیں صرف کیں۔ پھر انھوں نے اس پر باریک تار ٹکڑے کے جال کی طرح چپکا دیا۔ اور آخر میں حروف لکھے۔

ایک دن اسکول میں جب بچے جرمن زبان سیکھ رہے تھے تو انھوں نے کلاس میں ایک عجیب و غریب تختہ دیکھا۔ اس پر ایک طرف روسی لفظ لکھے ھوئے تھے اور دوسری طرف جرمن لفظ۔ ساتھ ھی بہت سے ڈرائنگ پن بھی تھے۔ تختے کی ایک جانب بجلی کے دو تار تھے جن کے سرے دھات کے تھے۔

میں شور مچنے لگا۔
''تمھیں ہر چیز معلوم ہو جائےگی،، مسکرا کر ٹیچر نے کہا۔ ''اچھا، بتاؤ، گھر پر یاد کرنے کےلئے تمھیں کیا دیا گیا تھا؟،، اب بڑی دلچسپ چیزیں شروع ہوئیں۔ ایک شاگرد بورڈ کے پاس آیا۔ اس نے دونوں تار ہاتھوں میں لئے اور ایک سرا روسی لفظ کے قریب ڈرائنگ‌پن سے چھوا (ٹیچر کی ہدایت کے مطابق) اور دوسرا خود جرمن لفظ کے نزدیک والے ڈرائنگ پن سے۔ پہلا لڑکا جو یہ تجربہ کر رہا تھا گھبراہٹ کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے جرمن لفظ ''دخانی جہاز،، نہیں دکھا سکا۔ اسی وقت جب تختے کے مرکز میں چمکتا ہوا ہندسہ (سوویت اسکولوں میں امتحان کے سب سے اچھے نمبر ۵ ہوتے ھیں اور سب سے کم ۱) نظر آیا تو سب دنگ رہ گئے۔
لڑکے ''واہ، واہ،، چلانے لگے اس لئے کہ خود لڑکے نے یہ نمبر اپنے آپ کو دیا تھا۔
اس تختے کو اسکول کے لڑکے ''تیتوف کی خودکار مشین،، کہنے لگے۔ وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں گھومنے لگا، یہاں تک کہ ایک مقامی نمائش میں بھی اسے دکھایا گیا۔ وہ اتنا مقبول ہوا کہ پڑوسی گاؤں کے اسکول کےلئے تیتوف کو ایک اور ایسا تختہ بنانا پڑا۔
گرمیوں میں باپ کی پرانی سائیکل گیرمن کے ہتھے چڑھ گئی۔ لیکن انھوں نے اپنی زوردار ٹریننگ راز میں رکھی۔
یہ امتحان کا زمانہ تھا۔ دوستوں نے ان سے قریب کے قصبے سے ریاضی کا نقشہ لانے کو کہا۔ گیرمن فوراً سائیکل پر بیٹھ کر گاؤں کی سڑکوں پر فراٹے بھرنے لگے۔ اچانک ایک مرغی باڑ پر سے اڑی اور سائیکل کے عین سامنے تقریباً پہیے کے نیچے آ گئی اور سائیکل نے بڑی تیزی سے یکایک دوسری طرف موڑ لیا۔ اب سب قابو سے باہر

تھا۔ گیرسن ھینڈل کے اوپر سے اڑے اور زمین پر دھڑ سے گر گئے۔ جب ھوش و حواس ٹھیک ھوئے تو انھوں نے سائیکل کھڑی کرنا چاھی لیکن درد سے ان کی چیخ نکل گئی۔ بائیں بازو کی آستین احتیاط سے چڑھا کر وہ ھاتھ کو آھستہ چھوتے ھی چیخ اٹھے۔

آخرکار ھینڈل کو صرف دائیں ھاتھ سے پکڑ کر وہ سائیکل پر بیٹھ گئے۔ شدید درد کی وجہ سے وہ چلانا چاھتے تھے لیکن چیخ کو روکنے کے لئے انھوں نے دانت بھینچ لئے۔ اس طرح وہ ھسپتال پہنچے۔

ڈاکٹر نے معائنے کے بعد کہا: ''ھاں، تمھارے بازو کی ھڈی ٹوٹ گئی ھے۔'' چہرے سے معلوم ھوتا تھا کہ ان کے دل میں لڑکے کی بڑی عزت ھے اس لئے کہ طویل معائنے کے دوران وہ ایک مرتبہ بھی نہیں چلایا تھا۔

اور جب ڈاکٹر نے ان کا بازو پلاسٹر میں باندھا تب بھی وہ خاموش رھے۔

جب وہ گھر آئے تو اپنے ماں باپ کو تسلی دینے کی کوشش کی:
''کوئی خطرے کی بات نہیں ھے۔ میں جلد ٹھیک ھو جاؤں گا۔''

لیکن خود وہ بہت پریشان تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر ھڈی اچھی طرح نہیں جڑی تو بازو آزادی سے نہیں ھل سکے گا اور پہلے کی طرح وہ کھیل کود میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔

دو ھفتے گزر گئے۔ ایک دن جب گھر میں کوئی نہیں تھا تو تسلے میں پانی ڈال کر انھوں نے اپنی کہنی اس میں ڈبو دی تاکہ پلاسٹر نرم ھو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنی سے پلاسٹر الگ ھو گیا۔ گیرسن نے سوچا: ''اب بازو کو ھلانا چاھئے۔ یہ ٹھیک سے نہیں ھل رھا ھے۔ اسے ھلانے میں میں اور زور لگاتا ھوں۔ اف، کتنا درد ھے۔ کوئی بات نہیں۔ ایک مرتبہ اور...''

گیرسن روزانہ سب سے چھپا کر اپنے بائیں بازو کو ھلانے کی مشق کرنے لگے تاکہ وہ آزادی سے حرکت کر سکے۔ اور جب ان کے

بازو سے پلاسٹر الگ کر دیا گیا تو ڈاکٹر کی ہدایت کے خلاف وہ زیادہ زور لگا کر بازو ہلانے کی مشق کرنے لگے، یہاں تک کہ کئی بار انھوں نے باسکٹ بال بھی کھیلی۔

جب ہاتھ اچھا ہو گیا تو شاموں میں انھوں نے ایک نیا مشغلہ شروع کیا۔ اپنے باپ کی مدد سے انھوں نے ماسکو کے کریملن کے اسپاسکی مینار کی ہوبہو نقل بنائی۔ اس میں ایک اصلی گھڑی بھی تھی۔ اسکول میں ان کی دلچسپی کے سامان دوسرے تھے۔ وہاں انھوں نے اسکول کے ریڈیو کےلئے پرزے جوڑ کر لاؤڈ اسپیکر بنایا اور طبیعیات کے تجربوں کے واسطے کئی آلات تیار کئے۔

اسکول کی تعلیم ختم ہو رہی تھی۔ خاندان کے لوگ گیرمن تیتوف کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگے۔ بات چیت کی ابتدا اکثر باپ ھی کیا کرتے تھے۔ انھیں اپنے بیٹے پر ناز تھا کہ وہ بہت سرگرم اور مستقل مزاج ھے۔ لیکن وہ گیرمن کی ضدی طبیعت سے ذرا پریشان بھی تھے۔ انھیں یہ خیال ستایا کرتا تھا کہ اگر ان کے بیٹے کو اپنی پسند کا کام نہیں ملا تو وہ ھمیشہ کام بدلتا رھےگا اور نتیجہ نقصان‌دہ ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ملائم لہجے میں دوست کی طرح گیرمن کو سمجھایا کہ جو بھی پیشہ وہ اختیار کرے اسے تمام عمر نبھائے۔

”مجھے اپنے باپ سے بڑی محبت ھے،، گیرمن تیتوف اپنی تصنیف ”خلا میں ۷ لاکھ کلومیٹر،، میں لکھتے ھیں۔ ”میرے لئے پہلے بھی وہ نمونہ تھے اور اب بھی مشعل راہ ھیں، اس لئے کہ وہ مضبوط قوت‌ارادی کے حامل، بامقصد انسان ھیں اور معلومات کا خزانہ۔ وہ اپنے ھاتھوں سے ہر چیز بنا سکتے ھیں۔ ان کی تمام عمر علم حاصل کرنے میں گزری ھے۔ میرے باپ نے مجھے اس قسم کے لوگوں کی عزت کرنا سکھایا ھے۔ ان لوگوں نے وطن کےلئے بہت کچھ کیا ھے — ملک

میں انھوں نے ھی اعلی قسم کی اشتراکی صنعت قائم کی، اجتماعی فارم کھولے اور فاشست جرمنی کو شکست دی۔

''ایک دفعه میں نے اپنے باپ سے پوچھا:

''بتائیے، جب آپ نوجوان تھے تو کہاں سے اتنی توانائی حاصل کرتے تھے؟،،

''انھوں نے الماری میں سے لینن کی ایک جلد نکالی اور اسے کھول کر وہ صفحه دکھایا جہاں یه الفاظ تحریر تھے:

''علم حاصل کرو، اور علم حاصل کرو، پھر اور علم حاصل کرو۔ ،،

''صدیوں تک کئی نسلیں اس پر عمل کر سکتی ھیں۔ لینن کی ھدایت کے مطابق میں نے بہت کچھ پڑھا ھے اور آئندہ بھی اس پر کافی وقت صرف کروں گا۔ ،،

سوال یه تھا که گیرمن تیتوف کون‌سا پیشه اختیار کریں۔ عام طور پر وہ لڑکے جو طیارہ‌بازی سے تعلق رکھنے‌والے لوگوں کو ذاتی طور پر جانتے ھیں یا ان کے خاندان میں کوئی طیارہ‌باز ھوتا ھے تو بچپن سے ھی اس پیشے کے خواب دیکھنے لگتے ھیں۔ گیرمن کے بھی ایک رشتےدار طیارہ‌باز تھے، ان کے ماموں ساشا۔ وہ گھنٹوں ان کے قصے دلچسپی سے سنتے رھتے تھے، خاص کر جنگ کے زمانے میں طیارہ‌بازوں کے بہادر کارنامے۔ لیکن ان کا خواب دوسرا تھا۔

''...لڑکپن میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا که ایک دن میں طیارہ باز بنوں‌گا۔ اس وقت تو میری آرزو انجنیر بننے کی تھی۔ میں نئی نئی مشینیں تیار کرنا چاھتا تھا۔ یه مشینیں کیسی ھوں‌گی اس کا مجھے بالکل پته نہیں تھا۔ مجھے ھر وہ مشین بھلی لگتی تھی جس میں پہیے ھوں، وہ چل سکے اور لوگوں کی محنت آسان کرے۔ ،،

اس علاقے میں سوویت فوج میں بھرتی کرنے کا ایک مرکز تھا۔ اس کا نگراں عرصے سے ٹیچر کے بیٹے پر نظر رکھے ھوئے تھا۔ اسے

معلوم تھا کہ گیرمن سائنس کے مضامین اچھی طرح جانتا ہے، اسے مشینیں پسند ہیں اور انہیں وہ سمجھتا بھی ہے۔ جسمانی طور پر وہ مضبوط اور ایک باعزم لڑکا ہے۔ جب لڑکا اسکول سے فارغ ہوا تو نگراں نے مشورہ دیا کہ وہ فوجی فضائی کالج میں داخلہ لے۔ اور یہ کہہ کر اس نے داخلے کا فارم بھی دیدیا جو پورے علاقے کے لئے صرف ایک تھا۔ یہ فارم اور فضائی کالج میں داخلے کی تجویز دونوں غیرمتوقع باتیں تھیں۔ گیرمن نے سوچا:

''وہاں بھی میں ٹکنیک سے قریب رہوں گا جو جدید بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ ''

اس داخلے کے فارم پر سوچ وچار کرنے کےلئے خاندان جمع ہوا۔ باپ نے فورا ہی ''ہاں'' نہیں کہا۔ وہ دیر تک سوچتے رہے کہ ان کا بیٹا اس کےلئے موزوں ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تیزمزاج ایسے پیشے کےلئے مفید نہ ہو۔ شروع میں ماں بھی ڈریں۔ ہوائی جہاز چلانا آسان نہیں ہے۔ اس میں خطرے ہیں۔

گیرمن اس نئے خیال کو پسند کر چکے تھے اور انہوں نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ طیارہ‌باز بنیں‌گے۔

اب ان کا مقصد واضح تھا — فضائی کالج میں پڑھنا۔ وہ بس ایک ہی خواب دیکھ رہے تھے — جتنی جلد ممکن ہو ہوا میں اڑیں۔

کالج کا نصاب آسان نہیں تھا۔ شروع میں انہیں وہ تمام پیچیدہ چیزیں سیکھنا تھیں جو معمولی سپاہی کی تعلیم میں شامل ہوتی ہیں۔

تعلیم کے زمانے میں ایسے لمحے بھی آئے جب گیرمن کا دماغ بالکل الجھ جاتا تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تمام نئی چیزوں کو کیسے سنبھالیں۔ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ وہ سپاہیوں کے دستور العمل پر صحت سے عمل نہیں کر سکے اور فوجی کمانڈر نے انہیں سزا دی۔

شروع میں وہ کبھی تیز مزاجی اور کبھی بےصبری کے شکار رہتے تھے۔ لیکن انھوں نے جلد ھی سمجھ لیا کہ جو چیزیں انھیں سکھائی جا رھی ھیں وہ ان کےلئے قطعی ضروری ھیں اور ان کے کمانڈر اپنے شاگردوں پر بڑی توجہ دیتے ھیں اگرچہ بظاھر وہ سخت گیر ھیں۔

آخرکار روز کی قواعد ختم ھو گئی اور بھاری سامان سے لدے ھوئے مارچ بھی۔ نشانہ‌بازی کی آزمائش پوری ھو گئی اور فوجی قاعدوں کا امتحان بھی۔

''اب ھم پرواز شروع کریں‌گے،، ھونےوالے طیارہ‌بازوں نے خوش ھوکر کہا۔

''ابھی تو ھم تمھیں سکھانا شروع کر رھے ھیں،، ٹریننگ کے انچارج نے کہا۔ نوجوانوں نے محسوس کیا کہ ان پر بالٹی بھر ٹھنڈا پانی ڈالدیا گیا ھے۔ ''اب تم ھوائی جہاز کی ساخت اور اس کی تمام تفصیلات کے بارے میں سیکھوگے۔ اس کے علاوہ تمھیں انجن کے مختلف حصوں کو جاننا ھوگا اور انھیں بالکل حفظ یاد کرنا پڑےگا۔ مطلب یہ ھے کہ تم انجنوں کا نظریہ سیکھنےوالے ھو...،،

چنانچہ نظریاتی سبق شروع ھو گئے۔ مستقبل کے پائلٹ اب یہ سیکھ رھے تھے کہ نقشے پر اپنی پرواز کا راستہ کیسے تلاش کیا جاتا ھے، اور یہ کس طرح معلوم کرتے ھیں کہ ھوا کب طیارہ‌باز کےلئے مفید ھوتی ھے اور کب مضر۔ وہ ریڈیو رسل و رسائل اور فضا میں نشانہ بازی کے اصولوں کی بھی تعلیم حاصل کر رھے تھے۔

صبر کی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد وہ دن بھی آگیا جس کا نوجوان عرصے سے خواب دیکھ رھے تھے: پرواز کرنا۔

ٹریننگ کےلئے جو ھوائی جہاز ''یاک—۱۸،، استعمال کیا جاتا ھے اس میں آگے پیچھے دو نشستیں ھوتی ھیں اور کنٹرول کےلئے صرف دو پہیے۔ اگلی نشست پر معلم جہاز چلا رھے تھے اور گیرسن دوسری سیٹ پر بیٹھے ھوئے اپنے پہیے پر ھاتھ رکھے تھے جو

خود بخود معلم کی نقل کر رہا تھا۔ وہ جہاز کی مسلسل اور پراسرار نقل و حرکت کو سمجھنا چاہتے تھے۔ پیڈل پر بھی ان کے پیر اپنے معلم کی جنبشیں دھرا رہے تھے۔

''کچھ پلّے نہیں پڑا،، اپنی پہلی پرواز کے بعد گیرمن نے دوستوں کے سامنے اعتراف کیا۔ ''کیا میں بالکل الو کا پٹھا ہوں؟،،

''ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا،، ساتھیوں نے تسلی دینے کی کوشش کی۔ ''یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔،،

کئی پروازوں کے بعد گیرمن کے ہاتھ محسوس کرنے لگے کہ جہاز کی نقل و حرکت کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ معلم نے انہیں ایک سطح پر ہوائی جہاز اڑانے کی اجازت دیدی۔ او خدا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ جہاز یکایک نیچے چلا جاتا ہے اور یکایک اوپر اٹھتا ہے۔ وہ سیدھا اڑنے کے بعد چکر لگانا چاہتا ہے!

پروازیں جاری رہیں۔ معلم اور شاگرد نے پہیے تبدیل کر لئے۔ اب معلم پچھلی نشست پر بیٹھنے لگے اور گیرمن کے کام میں کم سے کم مداخلت کرنے لگے۔

پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جسے پائلٹ تمام عمر یاد رکھتے ہیں — پہلی تنہا پرواز۔ اسے نئے طیارہ باز کی پیدائش کا دن کہا جاتا ہے۔

معلم گونیشیف تیتوف سے زیادہ خوش نہیں تھے۔ ان کے شاگرد جہاز کو یکسانی سے نہیں چلاتے تھے۔ وہ پرواز کے نئے نئے طریقے آزمانے کی کوشش کرتے جو اکثر کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ اس سے گیرمن کا دل ٹوٹ جاتا تھا اور وہ سوچنے لگتے تھے کہ وہ کبھی طیارہ باز نہیں بن سکتے، ان میں جہاز پر قابو پانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ایسے بھی لمحے آئے جب انہوں نے طیارہ بازی کو الوداع کہہ کر گھر لوٹنا چاہا۔ گونیشیف گیرمن کی ہمت بڑھاتے رہے لیکن اپنے شبہات کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ دراصل وہ اپنے پراسرار شاگرد کا کردار اور اس کی قابلیت سمجھنا چاہتے تھے۔ اور جب وہ گیرمن

کو اچھی طرح سمجھنے لگے تو پھر انھوں نے شاگرد کے ساتھ اپنے رویے میں بڑی احتیاط برتنا شروع کردی۔ انھوں نے کوشش کی کہ گیرمن کا اپنی صلاحیت پر اعتماد بڑھے۔

ایک مرتبہ گیرمن جہاز میں بیٹھے ہوئے اپنے معلم کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئیں اور اپنی نشست پر بیٹھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گونیشیف کو کوئی جلدی نہیں۔ گیرمن اس کا سبب نہیں سمجھ سکے۔ معلم نے ایک بار اور جہاز کا چکر لگایا اور اندر آنے کے بجائے وہ بازو پر چڑھ گئے اور گیرمن کے اوپر جھک کر کہا:

"تیتوف، اب تم تنہا پرواز کرو، چکر لگاتے ہوئے۔" معلم گیرمن سے بیٹے کی طرح بےتکلفی سے باتیں کرنے لگے۔ "سب کام اطمینان سے کرو جیسے کہ میں ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسے انجام دوگے۔"

"جی ہاں، رفیق معلم میں انجام دینے کی کوشش کروں گا،" گیرمن نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"شروع کرو۔"

"ہوائی جہاز کے پنکھے سے دور رہئے،" گیرمن چلائے اور انجن چلانا شروع کردیا۔ ان کی بائیں ہتھیلی میں سمت معین کرنےوالے دستے کی پیلی گیند تھی، سیدھا ہاتھ پہیے کو پکڑے ہوئے تھا اور پیر پیڈل پر جمے تھے۔

"روانہ ہونے کی اجازت ہے؟"

"ہاں، جاؤ!"

جہاز حرکت میں آیا اور ذرا لرزتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ معلم بھی جہاز کے ساتھ ساتھ اس کا بازو پکڑے ہوئے چلنے لگے۔

دونوں کشاکش کی حالت میں تھے لیکن ایک دوسرے سے چھپا رہے تھے۔ گیرمن کی گھبراہٹ صرف اپنے لئے تھی۔ معلم اس لئے پریشان تھے کہ ان پر نہ صرف شاگرد کی جان بلکہ اس کے مستقبل

کی بھی دوھری ذمےداری عائد ھوتی تھی۔ پہلی پرواز کی نا کامی ان کی تمام کوششوں اور گیرمن پر صرف کی ھوئی محنت پر پانی پھیر سکتی تھی۔ پھر گونیشیف نے اپنے آپ سے کہا: ''نہیں، میں نے غلطی نہیں کی۔ گیرمن تیتوف تیار ھے، وہ اپنے اعصاب پر قابو پا رھا ھے۔،،

گیرمن نے جب آخری بار اپنے معلم کو دیکھا تو ان کے چہرے پر ھمت بڑھانےوالی مسکراھٹ تھی۔ انھوں نے اپنا دایاں ھاتھ اوپر اٹھایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ زمین سے اوپر اٹھنے کی اجازت چاھتے ھیں۔ سگنل دینےوالے نے لال جھنڈی لہرا دی — یعنی ''اجازت ھے،،۔

گیرمن آھستہ آھستہ رفتار بڑھاتے گئے۔ ھوائی جہاز تیز سے تیزتر چلنے لگا۔ پھر انھوں نے گیر بدلا۔ جہاز کی چونچ اوپر کو اٹھی اور پہیے زمین سے اوپر اٹھنے لگے۔ غیرشعوری طور پر گیرمن نے ٹھیک لمحے آھستگی سے گیر (gear) کو واپس کرلیا۔ اب جہاز ھوا میں اڑ رھا تھا۔ اس کی رفتار تیز ھوتی گئی۔ سبز ھوائی اڈہ جہاز کے بازوؤں کے نیچے الٹا دوڑنے لگا۔ گیرمن نے جلد بورڈ پر نظر ڈالی۔ سوئی ۱۰۰ کلومیٹر دکھا رھی تھی۔ ھوائی جہاز اونچا ھوتا جا رھا تھا... زمین نیچے تیر رھی تھی... گیرمن نے جہاز کو ایک طرف جھکا دیا۔ جہاز مڑنے لگا۔

اب پھر جہاز بالکل سیدھا پرواز کر رھا تھا۔

''اڑ رھا ھوں! اڑ رھا ھوں! اڑ رھا ھوں!،، گیرمن کا پورا وجود چیخ رھا تھا۔ انھوں نے زمین پر نگاہ ڈالی۔ وھاں چار بینچیں مربع کی شکل بنائے ھوئے تھیں اور ان پر دوست اور معلم بیٹھے تھے۔ ظاھر ھے کہ ھر ایک کی نظر ان کے ھوائی جہاز پر جمی‌ھوئی تھی۔ اس وقت کوئی جلدی جلدی دیواری اخبار تیار کر رھا ھوگا۔ اس پر مبارکبادیں لکھی ھوں‌گی۔ فضائی کالج کی یہ ایک روایت ھے۔

سب سے زیادہ خوش نصیب انسان زمین کے اوپر اڑ رھا تھا — فضا کا فاتح، گیرمن تیتوف... ھاں، وہ طیارہ‌باز بن چکا تھا۔

لیکن ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔ تیز رفتار ''یاک — ۱۱،،
پر، پھر لڑاکو جیٹ ہوائی جہاز ''میگ،، (M. I. G.) پر پروازیں۔ تیتوف
نے یہ بھی سیکھ لیا۔ اب وہ طیارہ‌بازی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

...لینن گراد کے نواح کے اوپر نیلگوں بلندیوں میں روپہلے تیر
کی طرح ایک جہاز چمکا اور غائب ہو گیا۔ اس کے پیچھے زبردست
شور سنائی دیا جیسے کوئی غیر مرئی اور غضبناک چیز فولادی
پرندے کا تعاقب کر رہی ہو۔

یہ جیٹ انجن کی آواز تھی جو جیٹ ہوائی جہاز کے پیچھے پیچھے
چل رہی تھی۔ جہاز آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز اڑ رہا تھا۔
یہی سبب تھا کہ پہلے جہاز نظر آتا تھا اور پھر اس کی آواز سنائی
دیتی تھی۔

اب نوجوان آزمائشی پائلٹ لفٹننٹ تیتوف ایسے ہی جہازوں پر
پرواز کیا کرتے تھے۔ اور انہیں وہ خوبصورتی سے اڑاتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سوویت اسپوتنکوں نے خلا میں داخل ہو کر
کرۂارض کے اردگرد چکر لگانا شروع کر دیا تھا۔ اور ہزاروں لوگ
راکٹ میں اڑنے کا عجیب و غریب لیکن جری خواب دیکھ رہے تھے۔

گیرمن تیتوف بھی ان میں سے ایک تھے۔ لیکن انہیں شائبہ تک
نہ تھا کہ وہ ان چند لوگوں میں ہوں گے جنھیں مادروطن پہلے خلائی
جہازوں میں سفر کرنے کا فریضہ سپرد کرے گی۔

''میرا خواب پورا ہو گیا،، تیتوف لکھتے ہیں۔ ''میری صحت اور
قابلیت کام آئی۔ تمام انتخابی کمیشنوں نے مجھے منظور کر لیا۔ اب
میں خلانوردوں کے گروپ کا ایک رکن تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا
کہ میں ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہوں۔،،

جی ہاں، پھر انہیں ایک نئے کام کی ابتدا کرنا تھی۔ گیرمن
ماسکو کے قریب خلانوردوں کی بستی ''ستاروں کے شہر،، میں رہنے
لگے۔ یہاں وہ اپنے نئے ساتھیوں اور معلموں سے ملے۔

انھیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ ان کے ایک کمانڈر وہ شخص ہونگے جو سب سے پہلے سوویت یونین کے ھیرو کا خطاب پانے والے لوگوں میں تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۴ء میں تباہ‌شدہ برف توڑ جہاز ''چلیوسکن،، کی مشہور امدادی مہم میں حصہ لیا تھا۔ تیتوف پڑھ چکے تھے کہ کس طرح بہادر طیارہ بازوں نے چھوٹے ھوائی جہاز جو اس کام کے لئے موزوں نہیں تھے ان کو بچے کھچے لوگوں کا کیمپ تلاش کرکے بحرشمال کی برف پر اتارا اور لوگوں کو نہ صرف جہازوں کے اندر بٹھایا بلکہ لکڑی کے بکسوں میں بٹھا کر انھیں جہاز کے بازوؤں پر بھی لٹکا دیا تاکہ کوئی آدمی چھوٹ نہ جائے۔

اس طرح قطبی مہم کے تمام لوگ بچا لئے گئے جن میں مہم کے سربراہ، عالمی شہرت کے مالک اکادمیشن اوٹو شمیدت بھی شامل تھے۔

یہ اس وقت کی بات ھے جب ایسے عظیم اور بےمثال طیارہ بازوں کےلئے سوویت یونین کے ھیرو کا اعزاز قائم کیا گیا تھا۔ اس اعزاز کو پانےوالوں میں نوجوان ھوا باز نکولائی کامانین بھی تھے۔ کامانین جو اب جنرل ھیں خلانوردوں کی ٹریننگ کے نگراں ھیں۔

''ستاروں کے شہر،، میں تقریباً سب ھی نوجوان زندہ‌دل اور ھنس مکھ لوگ تھے۔ جلد ھی ان کی آپس میں دوستی ھو گئی۔ وہ اس طرح رھنے لگے جیسے ایک خاندان کے فرد ھوں اور آپس میں سگے بھائی۔ گیرمن کے سب سے گہرے دوست بے حد دلچسپ، نیک دل اور صحت‌مند نوجوان یوری گاگارین تھے۔

اب پھر سخت ٹریننگ اور مسلسل پڑھائی کا سلسلہ شروع ھو گیا۔ گیرمن کو چیف ڈیزائن‌ساز، اکادمیشن کورولیف سے اپنی پہلی ملاقات ھمیشہ یاد رھےگی۔

اسی دن انھوں نے پہلی مرتبہ خلائی جہاز ''وستوک،، دیکھا۔

خلانوردوں نے خلائی جہاز کی کیبن میں گھنٹوں بیٹھنا شروع کر دیا۔ وہ اس کی تمام تفصیلات کا خوب مشاہدہ کرتے تھے اور ھونےوالی پرواز کی زمین پر مشق۔

ایک دن تیتوف کیبن میں اپنے ساتھیوں سے زیادہ دیر تک بیٹھے رہے ۔ انھوں نے محسوس کیا کہ خلائی جہاز میں کنٹرول‌بورڈ پائلٹوں کےلئے کافی آرامدہ نہیں ہے ۔ شام کو گھر لوٹنے کے بعد وہ پھر اس کے بارے میں سوچتے رہے ۔ اس کے حل کی انھوں نے کئی اسکیمیں سوچیں ۔ آخرکار انھوں نے اپنی رائے اکادمیشن کورولیف کو بتانے کا فیصلہ کیا ۔

چیف ڈیزائن‌ساز نے نوجوان پائلٹ کو توجہ سے سنا، ان کے خاکے کو غور سے دیکھا اور پھر اپنے مددگاروں سے کہا:

''تیتوف ٹھیک کہتے ہیں ۔ کچھ تبدیلیاں ضروری ہیں ۔''

بچپن میں ٹکنیک سے گیرمن تیتوف کی دلچسپی کا آخر کچھ نتیجہ نکلنا ضروری تھا ۔

خاص ٹکنیکی کونسل نے جو خلائی‌جہازوں کے ڈیزائن، ان کی ساخت اور پیچیدہ الکٹرونک آلات کا بڑی صحت سے مطالعہ کرتی ہے اور انھیں جانچتی ہے گیرمن تیتوف کو اپنے کام میں شریک ہونے کی دعوت دی ۔

خلانوردوں کی ٹریننگ زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہوتی گئی ۔ خاص کر سرکزگریز چکر پر جسے وہ ''شیطان کی چرخی'' کہتے تھے آخر تک گھومنا تقریباً ناقابل برداشت تھا ۔

دھات کے ایک لمبے شہتیر پر ڈبے کی طرح ایک کیبن تھی... اس میں نرم اور ڈھلوان کرسی پر خلانورد نیم‌دراز ہو جاتا تھا ۔ دروازہ بند ہونے کے بعد جب انجن چالو کیا جاتا تو کیبن پاگلوں کی طرح گردش کرنے لگتی تھی ۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے خلانورد کو کوئی ناقابل‌بیان قوت دبا رہی ہو ۔ اس حالت میں ہاتھ پیر ہلانا ناممکن تھا ۔ سر ایسا ہو جاتا تھا جیسے اس کے اندر پگھلا ہوا سیسہ بھرا جا رہا ہو...

ایسی غیرمعمولی قوت کشش برداشت کرنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں - لیکن مستقبل کے خلانوردوں کو قیامت کے یہ تجربے سہنا پڑتے ہیں - اس کے علاوہ انہیں روشنی کے کمان دینےوالے سگنلوں پر نظر رکھنا پڑتی ہے اور کمان کو پورا کرنا ہوتا ہے -

اس طرح کی قوت کشش راکٹ کی پرواز شروع ہونے کے وقت محسوس ہوتی ہے جب دو کروڑ گھوڑوں کی طاقت والے انجن خلائی‌جہاز کو زمین سے اوپر اٹھاکر دور ستاروں کی طرف لے جاتے ہیں -

ٹریننگ کے دوران ایک اور کٹھن چیز تھی، پہلی سے بھی زیادہ سخت - یہ تھی روٹر کی مشق - اس کے اندر کیبن اس طرح نصب ہوتی ہے کہ ایک ساتھ تین دھریوں پر چکر لگایا جا سکتا ہے - گیرمن اس کی ناقابل تصور گردشوں کو بھی سہہ گئے -

تیتوف دھات کی ایک بڑی گول میز کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے تھے - میز کے پایوں کی جگہ پیچیدہ لیور تھے - ڈاکٹر جو تمام آزمائشوں اور مشقوں میں خلانورد پر نظر رکھتے تھے انجن چالو کر دیتے تھے - میز جہاز کے ڈیک کی طرح ڈگمگانے لگتی تھی - گیرمن کا جگہ سے ہٹے بغیر توازن قائم رہتا تھا - لرزش اتنی زیادہ تیز ہو جاتی تھی جیسے کہ ڈیک کے نیچے کوئی زبردست طوفان آگیا ہو - لیکن تیتوف کسی جادو کی طاقت سے توازن نہیں کھوتے تھے - وہ اس طرح کھڑے رہتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں -

جب راکٹ کے انجن چالو کئے جاتے ہیں تو اس کا جسم کچھ دیر تک شدت سے تھرتھراتا ہے - ٹریننگ کے زمانے میں خلانوردوں کو ایک خاص پلیٹ‌فارم (vibrostanol) پر اس کی بھی مشق کرنا پڑتی ہے - وہ پاگلوں کی طرح تھرتھراتا ہے اور آدمی کو ناخوشگوار کپکپاہٹ سے جھنجھوڑ ڈالتا ہے - گیرمن نے یہاں بھی ہار نہیں مانی - دوسری بار یہاں وہ اپنے ساتھ کتاب لائے - پہلے چند منٹ تک حروف آنکھوں

کے سامنے اچھلتے رہے اور لہروں کی طرح اوپر نیچے ہوتے رہے۔ لیکن پھر تیتوف اپنے پسندیدہ شاعر پوشکن کی نظمیں آسانی سے پڑھنے لگے۔

تربیت کے وقت صرف ایک چیز میں لطف آتا تھا۔ یہ تھا لچکیلے ربر کا بنا ہوا چوڑا جال۔ اس پر اچھلا جاتا تھا۔ اس پر ذرا زور سے کودے اور آپ ہوا میں اتنے اونچے چلے جائیں گے کہ سرکس والوں کی طرح قلابازیاں کھاسکتے ھیں۔

ٹریننگ کے پروگرام میں چھتری‌بازی کا اسپورٹ بھی شامل تھا۔ تیتوف پہلے عام ھوائی‌جہازوں سے کودے ۔ کبھی کھیت پر تو کبھی پانی میں۔ پھر انھیں جیٹ ھوائی جہاز سے جست لگانا پڑی۔ اس میں خلانورد کیبن کے باھر سیٹ کے ساتھ بڑی تیزی سے چھوڑا جاتا ھے۔

بےوزنی کی حالت والے چیمبر میں پرواز بڑی پرمذاق ھوتی ھے۔ حالانکہ یہاں بھی کش مکش کم نہیں۔ خلانورد ھوا میں تیرتے ھیں۔ چاھتے ھیں کہ پیروں پر کھڑے ھوں لیکن اپنے آپ کو سر کے بل کھڑا پاتے ھیں۔ یہاں مشق کی اور اپنے بدن کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ھوتی ھے تاکہ ایسی حالت میں بھی آدمی کام کر سکے۔

آخری چیز تنہائی برداشت کرنے کا تجربہ تھا جو شاید سب سے زیادہ مشکل اور پیچیدہ بھی تھا۔ دراصل یہ خلائی پرواز کا ریہرسل کہا جا سکتا ھے۔

”خدا حافظ،، تجربے کے نگراں ڈاکٹر نے کہا۔ ”واپسی پر ملاقات ھوگی۔،،

خلانورد بےآواز چیمبر میں داخل ھوئے اور اس کا بھاری فولادی دروازہ بند کر دیا گیا۔ اندر کیبن میں کرسی تھی، اس کے سامنے کنٹرول بورڈ۔ قریب ھی کھانے پینے کی چیزیں اور ڈائری تھی۔ یہیں ٹیلی‌وژن کیمرہ کی آنکھ بھی تھی جو خلانورد کی دیکھ بھال کرنے میں ڈاکٹروں کی مدد کرتی ھے۔ چیمبر میں بالکل سکوت کا عالم

تھا، یہاں تک کہ خاص گھڑی کی ٹک ٹک بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

تیتوف تنہا تھے۔ ''پرواز،، شروع ہونےوالی تھی لیکن کسی منزل کےلئے نہیں۔ یہ بہت طویل ہوگی، شاید کئی دنوں کےلئے۔

یہاں تیتوف کی زندگی اصل پرواز کی زندگی کی طرح تھی — مقررہ پروگرام کو ٹھیک ٹائم‌ٹیبل کے مطابق پورا کرنا، ڈائری میں اندراج کرنا، خاص خلائی غذا کھانا اور مقررہ وقت پر سو جانا۔

چیمبر میں کوئی بھی آواز داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں عجیب سی افسردہ خاموشی چھائی رہتی تھی۔ گیرمن پابندی کے ساتھ ''زمین،، کو آلات کا مطالعہ بتاتے تھے اور اپنی صحت کے بارے میں اطلاعات دیتے تھے۔ باہر لوگ گیرمن کو دیکھتے تھے، انھیں سنتے تھے لیکن جواب نہیں دیتے تھے... سخت صبر آزما کام تھا۔

اس ''پرواز،، کے وقت تیتوف اپنے پسندیدہ شاعر پوشکن کا مجموعہ ساتھ لے گئے تھے۔

خالی وقت میں وہ پڑھتے تھے، گاتے تھے یا تصویریں بناتے تھے،

''پرواز،، ختم ہو گئی۔ بےآواز چیمبر سے گیرمن تیتوف باہر نکلے۔ ان کی گھونگریالی سنہری ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی، وہ تھکے ہوئے نظر آتے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح پرسکون۔ صرف ان کے پیر ذرا لڑکھڑائے — اس آدمی کی طرح جو کئی دن تک بستر پر لیٹا رہا ہو...

پھر ایسا وقت بھی آیا جب گیرمن یوری گاگارین کے ساتھ ایک کمرے میں سوئے تاکہ دونوں میں سے کوئی ایک صبح کو ستاروں تک پہنچنے کا پہلا راستہ ہموار کرے...

یوری گاگارین اپنے دوست کے متعلق لکھتے ہیں: ''خلانورد نمبر ۲ کو بھی میری طرح ٹریننگ دی گئی تھی۔ شائد وہ مجھ سے زیادہ لائق تھے۔ غالباً انھیں پہلی پرواز کےلئے اس لئے نہیں چنا گیا کہ وہ دوسری پرواز کےلئے محفوظ رہیں جو زیادہ پیچیدہ تھی۔،،

اس وقت قائم مقام خلانورد کا نام کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ کسی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ پہلی پرواز کی تیاری اور خلائی جہاز کا ڈیزائن بہتر کرنے کے سلسلے میں گیرمن تیتوف کو ملک کا سب سے بڑا اعزاز آرڈر آف لینن مل چکا ہے۔

٦ اگست کو نیلے رنگ کی بس پھر خلائی اڈے کی جانب جا رہی تھی۔ اس بار اس میں خلانورد نمبر ۲ اور خلانورد نمبر ۳ بیٹھے ہوئے تھے۔

ہر چیز اسی ترتیب سے ہوئی جیسی کہ گاگارین کی پرواز کے وقت ہوئی تھی۔ تیتوف نے دوستوں اور ساتھیوں کو الوداع کہا، انھیں گلے لگایا۔ پھر وہ لفٹ پر چڑھکر راکٹ کے اوپر خلائی جہاز میں داخل ہوئے اور کیبن کے اندر مقررہ جگہ پر بیٹھ گئے۔

''کیبن گھر کے کمرہ کی طرح آرامدہ تھی،، تیتوف نے بعد میں لکھا۔ ''پائلٹ کی کرسی ایسی کوچ کی طرح تھی جس پر میں بیٹھ سکتا تھا، لیٹ سکتا تھا اور کام بھی کر سکتا تھا۔ ہر چیز نزدیک ہی رکھی ہوئی تھی۔ ہر بٹن اور لیور کو آسانی سے دبایا جا سکتا تھا... روانگی کےلئے دس منٹ کی تیاری کا اعلان ہوا۔ سرکاری کمیشن کے صدر نے میری طبیعت پوچھی۔

''میں بالکل چاق چوبند ہوں۔ ،، اگلے چند منٹوں میں جو ہونے والا تھا بےتابی سے اس کا انتظار کرتے ہوئے میں نے جواب دیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

''ٹھیک نو بجے کمان دی گئی:

''روانہ ہو!،،

ایک انجانی خوشی کے جذبے سے بےقابو ہوکر میں نے کہا:

''جی ہاں، روانہ ہو رہا ہوں...،،

خلائی اڈے میں زبردست گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ راکٹ کی دم سے ایک طوفانی شعلہ نکلا اور فولادی سگار آہستہ زمین سے اوپر اٹھنے لگا۔

پھر پل بھر کےلئے اس کی رفتار رک سی گئی گویا گیس کا فوارہ اپنی ھتھیلی پر راکٹ کا وزن تول رھا ھو۔ دوسرے ھی پل میں راکٹ فضا میں داخل ھونے لگا۔

خوشی کے مارے تیتوف چلائے: ''چل پڑے، میرے پیارے!،، ان کی پرمسرت آواز لاؤڈاسپیکر پر سن کر زمین پر بھی لوگ خوشی سے مسکرا دئے۔

پہلے لمحوں میں گیرسن بالکل ساکت بیٹھے رھے۔ وہ تمام باتوں کو اپنے ذھن میں نقش کر لینا چاھتے تھے — خلائی جہاز کی بےپناہ رفتار، پیچھے بھاگتے ھوئے کھیت، شہر اور روشندان سے دکھائی دینےوالے چمکیلے بادل...

ٹیلیوژن پر صاف نظر آ رھا تھا کہ خلانورد مضبوطی سے کرسی پر جم کر بیٹھے ھیں۔

''تیتوف کی نبض تیز ھو رھی ھے: ۱۱۸ ... ۱۳۴ بار فی منٹ،، ڈاکٹر نے سرکاری کمیشن کے صدر کو رپورٹ دی۔

''سمجھ گیا۔ مدار میں داخل ھوتے وقت یہی سب سے مشکل حصہ ھے، سب سے زیادہ دباؤ کا وقت،، صدر نے کہا۔

''میں زمین کے اوپر جا رھا ھوں، اپنے وطن کے اوپر،، تیتوف کی پرسکون آواز پھر سنائی دی۔

دھوپ میں نہائے ھوئے، مصور کی رنگ برنگی نرالی تختی کی طرح ھمارے کرۂارض کے ناقابلتصور نظارے کو اس سے پہلے دنیا میں ایک ھی انسان نے دیکھا تھا۔

...خلائیجہاز مدار میں داخل ھوگیا۔ انجن خاموش ھو گئے۔ راکٹ کا آخری حصہ الگ ھو گیا۔ تیتوف بےوزنی کی حالت محسوس کرنےلگے اور اس لمحے کو نوٹ کرنے کےلئے تیار ھوئے... یکایک ان کی آنکھوں کے سامنے ھر چیز چکرانے لگی۔ ایسا لگا کہ کسی انجانی قوت نے خلانورد کو الٹ دیا ھے... تیتوف نے بڑی قوتارادی سے اپنا

سر گھمایا۔ اب پھر ہر چیز حسب‌معمول تھی۔ پہلی کی طرح اب بھی وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کنٹرول بورڈ تھا... نہیں، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پہلے کی طرح بیٹھے نہیں ھیں بلکہ کرسی کے اوپر تیر رہے ھیں!

”عقاب! عقاب!،، تیتوف نے اپنا خلائی نام سنا۔ ”آپ مدار پر ٹھیک پہنچ گئے ھیں،، زمین سے پیغام ملا۔

خلائی جہاز کرۂارض کا اسپوتنیک بن گیا۔ ان بلندیوں میں نہ بارش ھے نہ برف اور نہ بجلی کی کڑک۔ یہاں خلا کے علاوہ اور کچھ نہیں ھے۔

کچھ ھی دیر بعد خلائی جہاز زمین کے سایے میں تیرنے لگا۔ تیتوف نے لیمپ جلایا۔ غیر محدود سیاہ اندھیرے کے پس‌منظر میں ستاروں کی ٹھنڈی ٹمٹماھٹ نظر آنے لگی۔

پرواز کو ایک گھنٹہ گزر گیا اور اسی ایک گھنٹے میں خلاباز نے زمین کے گرد پورا ایک چکر لگایا جو ان کے خیال میں بس ایک پل کے برابر تھا۔

”عقاب! عقاب! میں طلوع بول رہا ھوں،، تیتوف نے زمین کی آواز سنی۔ ”تم دستی کنٹرول استعمال کر سکتے ھو۔،،

”میں عقاب ھوں۔ سمجھ گیا،، تیتوف نے گھبراھٹ پر قابو پاتے ھوئے جواب دیا۔

”دنیا کے کسی انسان نے ابھی تک خلائی جہاز کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں چلایا ھے۔ کیا میں اس طرح جہاز کو چلا سکوں گا؟،، تیتوف نے سوچا اور عزم کے ساتھ اپنا ھاتھ کنٹرول بورڈ پر رکھدیا۔

جہاز نے سبک روی سے اپنی پوزیشن بدلی۔ حساس آلات نے فوراً اس بتدیلی کو نوٹ کرلیا۔ تیتوف نے اسی قسم کی مسرت محسوس کی جیسی انھوں نے فوجی پائلٹ کی ٹریننگ کے زمانے میں پہلی تنہا پرواز کے وقت کی تھی۔ دستی کنٹرول کو اپنے ھاتھ میں لئے ھوئے وہ اپنے آپ کو خلائی‌جہاز کا اصلی ناخدا سمجھ رہے تھے۔

ان کے عزیز ترین دوست یوری گاگارین اس وقت کناڈا میں تھے۔ وہاں سے انھوں نے خلائی جہاز کو یہ تار بھیجا: ''پیارے گیرمن، میرا دل تمھارے ساتھ ہے۔ پیارے دوست، میں تمھیں گلے لگاتا ہوں اور پیار کرتا ہوں۔ میں بڑی بےچینی سے تمھاری پرواز کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمھاری پرواز کامیاب رہےگی، اور ایک بار پھر ہمارے عظیم وطن اور سوویت عوام کی شہرت بڑھائےگی۔ ہم جلد ملیں‌گے۔''

گیرمن نے فوراً شکریے کا جوابی تار بھیجا۔

تیتوف نے جب ریڈیو کھولا تو خوشی اور حجاب کے ساتھ سنا کہ ساری دنیا میں ان کا چرچا ہو رہا ہے۔

خلائی جہاز زمین کے گرد ایک کے بعد دوسرا چکر لگاتا رہا۔

افق پر چمکتی ہوئی نارنجی رنگ کی ایک پٹی سی جھلک اٹھی۔ اس کے اوپر دوسرے رنگ کی پٹی۔ قوس‌قزح کے تمام رنگوں کی پٹیاں وہاں تھیں... زمین کے چاروں طرف نیلگوں ہالہ تھا۔ اور دور نیچے پہاڑوں کی چوٹیاں، باریک فیتوں کی طرح دریا، جنگل، ریگستان، کھیت اور تیرتے ہوئے بادل دکھائی دے رہے تھے... پریوں کی کہانی کا ایک منظر تھا!

خلانورد نے ہوا میں تیرتا ہوا فلمی کیمرہ اپنی طرف بڑھایا۔ اب وہ بالکل روشن‌دان کے سامنے تھا۔ دنیا میں پہلی مرتبہ خلائی کیمرہ‌مین نے ہمارے سیارے کی متحرک فلمیں لیں۔

جہاز مدار پر ۲۸ ہزار کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اڑتا رہا۔ ہر چکر میں دن اور رات دونوں آتے تھے۔ تیتوف بڑی لگن سے کام میں مصروف رہے: اپنے مشاہدے ڈائری میں لکھے، ریڈیو کے ذریعہ پرواز کے متعلق رپورٹیں بھیجیں اور مقررہ وقت پر ورزش بھی کی۔

دوپہر کے کھانے کا وقت آ گیا۔ ''کھانا'' ٹیوبوں کے اندر تھا۔ انھیں منہ میں لےکر تیتوف نے سوپ پیا، پسی ہوئی کلیجی کھائی اور آخر میں پھلوں کا رس نوش کیا۔ اتفاق سے رس کی ایک بوند منہ سے

پھسل گئی اور فضا میں تیرنے لگی۔ تیتوف نے ھوشیاری سے اسے ٹیوب کے ڈھکن میں لیا اور ھنستے ھوئے منہ میں ڈال لیا۔ یہ بڑا ھی دلچسپ منظر تھا!

اگر ٹائم‌ٹیبل پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت نہ ھوتی تو شائد تیتوف روشن‌دان سے اپنی نظر کبھی نہیں ھٹاتے۔ اس شاندار بلندی سے انھیں کیا کیا نظر نہیں آ رھا تھا — بحیرے اور بحر، پورے کے پورے براعظم: جنگلوں کے ھرے دھبوں‌والا پیلا افریقہ، طویل پہاڑی‌چوٹیوں کے سلسلے سے دو حصوں میں بٹا ھوا شمالی امریکہ، بڑے شہروں کے سنہرے قمقموں سے جھلملاتا ھوا یورپ...

نیچے زمین پر لوگ بےتابی سے خلائی خبریں سن رھے تھے۔ یہاں تک کہ ماسکو کے لوگوں کے نام یہ بظاھر معمولی سا تار بھی پلک جھپکتے ھی ساری دنیا کو معلوم ھو گیا: ''اب میں سونےوالا ھوں، آپ چاھیں یا نہ چاھیں۔ ''

درحقیقت یہ سائنس کی تاریخ میں ایک اھم واقعہ تھا۔ زمین کے ایک چھوٹے سے اسپوتنیک کے اندر آدمی سونےوالا تھا!

اب جب کہ خلانورد ستاروں کے سایہ میں ھفتے گزار چکے ھیں، آدمی چاند پر قدم رکھ چکا ھے، سوویت خودکار اسٹیشن نے چاند سے مٹی حاصل کرلی ھے اور ''لوناخود'' نمبر ۱ چاند پر دوڑ لگا چکا ھے اس واقع پر کسی کو شاید ھی تعجب ھو۔ لیکن اس وقت یہ پہلی بار تھا۔

''وستوک — ۲'' نے کرۂارض کے سترہ سے زیادہ چکر لگائے۔ چیف ڈیزائن‌ساز نے تیتوف سے پوچھا:

''اترنے کےلئے تیار ھو؟''

''جی، تیار ھوں۔ ''

بریک‌والے انجن چلنے لگے۔ زمین کے اسپوتنیک نے اپنی رفتار کم کر دی اور ھمارے سیارے کی جانب روانہ ھو گیا...

زمین کی کشش نے نہ معلوم کب خلانورد کو کرسی پر جما کر بٹھا دیا - ہوا میں معلق سب چیزیں بھی اپنی اپنی جگہ پر آ گئیں - خلائی جہاز فضا کی گھنی تہوں میں داخل ہونے لگا - یہ ایک اور اہم آزمائش تھی -

خود خلاباز اس کے متعلق کہتے ہیں:

''اترنے والے جہاز پر گرمی روکنے والا غلاف فوراً انگارہ کی طرح گلابی ہو گیا اور آس پاس چنگاریاں اڑنے لگیں - پھر یہ اور گہرا ہو کر پہلے سرخ، گہرا سرخ اور آخر میں ارغوانی نظر آنے لگا - لیکن کیبن میں تھرمامیٹر کو دیکھا تو درجہ حرارت معمول پر تھا، یعنی ۲۲ ڈگری سینٹی گریڈ - میں نے آنکھ میچ کر باہر دیکھا تو جہاز کے آس پاس آگ سی لگی ہوئی تھی - یہ منظر حسین بھی تھا اور دہشتناک بھی!''

واقعی اس انسان کے احساسات کا اندازہ صرف سطحی طور سے ہی لگایا جا سکتا ہے جو تیز شعلوں کے ہالے سے گھرے ہوئے، تپش سے سرخ جہاز میں اڑ رہا ہو - وہ جانتا ہے کہ جہاز کی ہر چیز قابل اعتماد ہے، ہر چیز کی پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال ہو چکی ہے لیکن پھر بھی ایمانداری سے کہتا ہے کہ منظر ''دہشتناک'' بھی تھا -

خیر، یہ آزمائش بھی بخیر و عافیت پوری ہو گئی - جہاز مقرر کی ہوئی جگہ کی جانب ٹھیک طرح بڑھتا رہا - جب وہ اتنا نیچے پہنچ گیا کہ اس میں سے کودا جا سکتا تھا تو تیتوف نے بٹن دبا دیا - فوراً ہی کرسی تیزی سے جہاز سے باہر خارج ہو گئی اور خلانورد کے سر کے اوپر ہوائی چھتری کا نارنجی گنبد پھیل گیا -

نیچے زمین تھی، اس پر گیہوں کے کھیتوں کے وسیع سنہرے قطعے پھیلے ہوئے تھے - ان کے درمیان چاندی کے فیتے کی طرح پیارا والگا تھا - اور عظیم روسی دریا کے کنارے مشہور شہر ساراتوف اور اینگلس تھے -

تیتوف نے دھرتی کی زندگی بخش مہک محسوس کی۔ کہیں ایک کھیت میں لال کمبائن سکون کے ساتھ چل رہا تھا۔ ریلوے لائن پر مال گاڑی دوڑ رہی تھی۔ اس کا ڈرائیور انجن کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ یہ ہماری پیاری زمین تھی۔

تیتوف نے گھڑی دیکھی اور جلدی سے اپنے ذہن میں حساب لگایا کہ پرواز کتنی دیر تک جاری رہی — ۲۵ گھنٹے اور ۱۸ منٹ، یعنی ایک دن اور ایک رات سے بھی زیادہ۔

''ان گھنٹوں نے میری ساری زندگی کو حق بجانب ثابت کر دیا،،۔ خلاباز نے بعد میں کہا۔

یہاں پر ہماری داستان ختم ہوتی ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہ بھی ایک پرواز تھی۔ خلا کے پہلے باسی نے اپنے تجربے اور علم سے دوسری پروازوں کے لئے راہ کھولی اور اسی سلسلے میں اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق انھوں نے فضائی انجنیرنگ کی سب سے اعلیٰ اکادمی، ژوکوفسکی نامی فوجی فضائی انجنیرنگ اکادمی سے ڈگری حاصل کی۔

دنیا کے کئی ملکوں میں خلانورد نمبر ۲ کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ ہمارے کرۂارض کے کونے کونے میں لوگ تیتوف کے دوست بنے۔ بہت سے ملکوں نے انھیں اپنے خطاب دے کر عزت بخشی۔ لیکن تیتوف کو سب سے زیادہ فخر اس سونے کے ستارے پر ہے جو انھیں بہادر ویت‌نام نے دیا ہے۔ وہاں وہ سوویت ویت‌نامی دوستی کی انجمن کے صدر کی حیثیت سے کئی بار جا چکے ہیں۔

اپنی زندگی میں گیرمن تیتوف نے بہت کچھ کیا ہے اور ابھی انھیں بہت کچھ کرنا ہے۔

از : یوری گالپیرن

کلاسیکی اور
جدید موسیقی
کا امتزاج

اگر ایک شہر میں پیتروف نام کے ۴۰ ہزار لوگ رہتے ہوں تو ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہونے کے لئے آدمی کو غیرمعمولی ہونا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ آندرئی پیتروف کو کسی دوسرے سے خلط ملط نہیں کیا جاتا۔ لوگ انھیں پہچانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ کنسرٹ ہالوں میں اور ریڈیو پر ان کی موسیقی سنی جاتی ہے، ملک میں اور ملک سے باہر بھی ان کے بیلے پیش کئے جاتے ہیں، ان کے گیت ولادیوستوک سے وارسا تک اور ارخانگلسک سے سوفیا تک گونجتے ہیں... اس کے علاوہ وہ لینن گراد کے موسیقی‌نگاروں کی انجمن کے صدر ہیں۔

تخلیق کی راہ

بچپن بہتے ہوئے پانی کی طرح گزر جاتا ہے
لیکن اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے
یہ ہیں بچپن کے گیت...

وہ لوگ بڑے خوش‌قسمت ہیں جو لڑکپن ہی میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ آئندہ کیا بنیں‌گے اور کس طرح۔ ان کے نزدیک مستقبل ایک طےشدہ خواہش کی تکمیل ہے۔ ایسے لوگوں کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ قوت ارادی؟ صلاحیت؟ یا زمانے کے محض اتفاقات؟

وجہ کچھ بھی ہو لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے: محض خیالی پلاؤ پکانے سے دیرینہ خواب کبھی پورا نہیں ہوتا۔

میں‌ایک سائنس‌داں کو جانتا ہوں۔ دس برس کی عمر سے ہی انھیں علم فلکیات سے بےحد دلچسپی تھی۔ پچیس برس کے بعد اسی شخص نے خلا میں چکر لگائے... ان کا نام اب تمام دنیا میں مشہور ہے۔ یہ ہیں خلا نورد کونستانتین فیاکتستوف۔

یہ مثال میں نے اس لئے پیش کی کہ آندرئی پیتروف کی داستان حیات بھی ایسی ھی ھے - وہ چودہ برس کے تھے جب انھوں نے قطعی طور پر اپنی زندگی کی منزل مقرر کرلی تھی اور مسلسل کوششوں کی بدولت اس تک پہنچ بھی گئے -

محاصرے کے زمانے میں دوسرے بچوں کے ساتھ انھیں ایک چھوٹے سے قصبے میں منتقل کر دیا گیا تھا - وہ پھر لینن گراد آ گئے - اس وقت کی یادیں، جو ان کے ذھن پر اب بھی نقش ھیں، یہ ھیں — چراغ کی مدھم جھلملاتی ھوئی روشنی میں طویل شامیں، اور گیت ''رات تاریک ھے،، کی موسیقی - ھزاروں لوگوں کی طرح ان کےلئے بھی یہ گیت محض اچھی موسیقی اور موزوں الفاظ کا ھی مجموعہ نہیں ھے، بلکہ یہ بچپن کے تمام غموں اور خال خال خوشیوں، جنگ کے زمانے کی تلخ روٹی اور ماؤں کی تنہائی کی تصویریں خیال کے سامنے لا کھڑی کرتا ھے -

آندرئی نے پہلی بار سینما ۱۹۴۴ء میں دیکھا - اس وقت لینن گراد میں ''عظیم والز،، فلم دکھایا جا رھا تھا - اس میں مشہور موسیقی‌نگار اشتراؤس کی سوانح پیش کی گئی تھی - اسے دیکھنے کے بعد ھی آندرئی نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا - لڑکے کو فلم میں موسیقی کی تخلیق کی پہلی جھلک مل گئی - جنگ سے پہلے آندرئی وائلن بجانا سیکھ رھے تھے اور جانتے تھے کہ موسیقی کے ذریعے کسی خیال کی تشریح کرنا کتنا مشکل کام ھے - اب انھیں موسیقی لکھنے کی دلکشی بھی محسوس ھونے لگی -

پیتروف کو سخت افسوس تھا کہ انھوں نے پیانو بجانا چھوڑ دیا ھے - چنانچہ پورے جوش و خروش سے وہ پیانو بجانے میں مہارت حاصل کرنے لگے اور وائلن‌نوازی بھی جاری رکھی - ان کی محنت بارآور ثابت ھوئی - موسم خزاں میں انھیں موسیقی کے کالج میں داخلہ مل گیا - کالج کے نصاب میں ان کی خوش‌قسمتی سے موسیقی‌نگاری بھی شامل تھی -

толь_ко тай_га кру _ гом.

یہاں آندرئی کا بچپن ختم ہو گیا ۔ اس کے بعد کے نو سال مسلسل مشقت کے سال تھے ۔ اس میں موسیقی کی تعلیم اور کنسرویٹری میں ٹریننگ شامل تھی جہاں وہ کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں ہی سے دو چار ہوئے ۔

تعلیم حاصل کرکے آندرئی ایسی چیز کی تلاش میں مصروف ہو گئے جو موسیقی‌نگاری کی دنیا میں بالکل نئی اور انوکھی ہو ۔

جانا پہچانا نغمہ

اے انسان، اگر تو اپنا نشان چھوڑے بغیر گزر رہا ہے
تو ایسے جینے سے کیا فائدہ؟

دو سال ہوئے میں تالین میں تھا ۔ اگست کا مہینہ تھا اور بارش تھی کہ رکنے کا نام نہیں لیتی تھی ۔ کہر خاموش سمندر کو لپیٹے رہتا تھا ۔ میرے پڑوس میں ایک نوجوان لڑکی رہتی تھی ۔ تمام دن اس کا کام ایک ہی ریکارڈ کو بار بار بجانا تھا ۔ یہ فلم ''لنگرگاہ کی راہ،، کا ایک گیت تھا ۔ اس گیت میں جہاز کی گھنٹیاں بجتی تھیں اور سمندر کے اوپر کہر کی دبیز چادر سے ایک ملاح کا نغمہ ابھرتا تھا جس میں وہ اپنی ناکام محبت پر آہیں بھرتا ہے ۔

میں جانتا ہوں کہ اگر دس برس کے بعد یہ گیت سنوں تب بھی وہ مجھے گیلی گودیوں، کہر میں لپٹے ہوئے سمندر اور ان تمام باتوں کی یاد دلائے گا جو مجھ پر اس اگست میں گزری تھیں ۔ اس نغمے سے بہتر اور کوئی دوسری چیز میرا ماضی پوری طرح نہیں جگا سکتی ۔

اس وقت میں بالکل نہیں جانتا تھا کہ آندرئی پیتروف ہی اس گیت کے خالق ہیں ۔ لیکن اب میں ان کے نغمے فوراً پہچان لیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ انہیں موسیقی کی دنیا میں اتنا بلند مقام کیوں حاصل ہے ۔

انھیں ایک مرتبہ سننے کے بعد بھی آدمی محسوس کر سکتا ہے کہ ان کی موسیقی میں صرف وضاحت ہی نہیں بلکہ انتہائی گہرائی بھی ہے۔ میں اس مقابلے کی معذرت چاہتا ہوں: آندرئی کے نغمے ان کئی منزلہ بلند عمارتوں کی طرح ہیں جو پیچیدہ بھی ہوتی ہیں اور ساتھ ہی جدید تعمیر کے انوکھےپن اور سادگی کی حامل بھی۔

اس پیچیدگی اور تازگی کا سرچشمہ کیا ہے؟ بنیادی طور پر آندرئی پیتروف سمفنی‌نواز ہیں اور ان کے نغموں کی جڑیں کلاسیکی موسیقی میں پیوست ہیں۔ ان کے نغموں میں ''خالص،، موسیقی جدید موسیقی کے نسبتاً زیادہ آسان ڈھانچے میں جڑ جاتی ہے۔ موسیقی کی دو مختلف صنفیں ان کی تخلیقات میں ہم‌آہنگ ہو جاتی ہیں۔ اگر ایک طرف ہمیں سمفنی کی موسیقی میں ہلکے گیتوں کا شوخ رنگ ملتا ہے تو دوسری طرف ہلکے پھلکے گانوں میں کلاسیکی موسیقی کی گہرائی محسوس ہوتی ہے۔

اس کے متعلق خود آندرئی پیتروف نے مجھے بتایا کہ وہ ایک گیت میں دہرائی جانےوالی موسیقی کے پابند رہنا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے گیتوں پر رزمیہ نظم یا رومان کا رنگ چڑھانا پسند کرتے ہیں۔ نغمہ لکھتے وقت وہ یہ پیش‌نظر رکھتے ہیں کہ اس کا ایک مکمل منظرنامہ یا خاکہ ہو اور اس میں ڈرامہ، خطاب اور نقل سب ہی سموئے ہوئے ہوں۔

آندرئی کے ایک گیت نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ نوجوان ٹرام کنڈکٹر خاتون کے بارے میں ہے۔ گانےوالی کی آواز موسیقی کی شکل میں کنڈکٹر کی زندگی اور تمناؤں کا بہترین اظہار کرتی ہے۔ آواز پہلے رکی رکی اور گھٹی گھٹی سی ہے جو اس کے روزمرہ کے بےرنگ کام کی عکاسی کرتی ہے۔ پھر یکایک لے اوپر اٹھتی ہے اور کنڈکٹر کے گرد مصنوعی دیوار کو گراتی ہوئی ستاروں سے بھی آگے پہنچ جاتی ہے۔ سننےوالا اب کنڈکٹر

کی امیدوں، اس کے خوابوں کی اندرونی لطافت محسوس کر سکتا ھے ... ”اب میں ستاروں تک جانے کا تمھیں ٹکٹ دوں گی،،۔ کیا اس نمایاں تقابل کا تاثر محض ٹکنیکی چالاکی یا گانےوالی کے مصنوعی جذباتی اور ڈرامائی انداز کا نتیجہ ھے؟ ایسا نہیں ھے۔ خود موسیقی نگار نے اپنی تخلیق میں ”اثرات،، اس طرح بٹھائے ھیں کہ اجزا سے ایک ایسی سالم چیز بن جاتی ھے جو اس کے موضوع کا پورا مطلب دل نشین کرا دیتی ھے۔

میں ان کے یہ گیت اکثر سنا کرتا ھوں: ”گرمیوں کی فضا خوشبو سے عطر آگیں ھے،، ”ماسکو میں چہل قدمی،، ”خرگوش،،۔ آخرالذکر گیت اس انسان کے بارے میں ھے جو دنیا میں اپنے نقوش چھوڑتا ھے اور اس بادل کی طرح نہیں ھے جو ایک بار نظر آنے کے بعد آسمان میں غائب ھو جاتا ھے۔ میں نے آندرئی سے پوچھا:

”آپ کی موسیقی کی بنیاد کیا ھے؟ کیا اس کا سرچشمہ فن کی مہارت ھے؟،،

”ابتدائی خیال بلاشبہ وجدانی ھوتا ھے۔ لیکن موسیقی کو ٹھوس شکل دینے کا انحصار بڑی حد تک ٹکنیکی مہارت اور ذاتی قابلیت پر ھوتا ھے۔ آپ کا غالباً سوال یہ ھے کہ کیا نغمہ گری کا ماھر موسیقار مصنوعی طور پر نغمہ ترتیب دے سکتا ھے؟ میری ناچیز رائے میں یہ ناممکن ھے۔ اگر ایسا کیا بھی جائے تو ماحصل بالکل بےجان ھوگا — ٹکنیکی لحاظ سے بےداغ لیکن فنی اعتبار سے بےروح۔ وجدان کے تحت باشعور عنصر کو فن پارے کی مکمل شکل دینے کےلئے یقینی موسیقانہ مہارت کی ضرورت ھے۔ یہ شطرنج کی طرح ھے — کوئی بھی ابتدائی چال اچھی چل سکتا ھے۔ لیکن سوچے سمجھے ھوشیار منصوبے کے مطابق پھر آگے بڑھنے اور بازی جیتنے کےلئے ایک اچھا ماھر ھونا چاھئے۔

"شاذونادر ہی میرے ذہن میں دھن بلا تصور وارد ہوتی ہے۔ عام طور پر اس کا تعلق کسی خیال یا موضوع سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں رنگ، کردار، نفسیات اور سوزوں استعارے بھی دھن کو ڈھالنے میں مدد دیتے ہیں۔"

"ایک اور سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ پیشتر ہی محسوس کر لیتے ہیں کہ آپ کا فلاں نغمہ کامیاب رہےگا؟"

"اس کا مجھے کبھی پیشتر اندازہ نہیں ہوتا۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لینن گراد کی شاہراہ نیفسکی پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ وہاں میں نے پہلی دفعہ اپنا ایک گیت کسی کو سیٹی پر بجاتے ہوئے سنا۔ ایک غیر شعوری تجسس نے میرے پیر وہیں روک دئے۔ میں نے سوچا کہ گیت جانا پہچانا معلوم ہوتا ہے۔ پھر اچانک خیال آیا کہ یہ تو میرا اپنا لکھا ہوا گیت ہے۔ پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ میرے گیت سڑکوں پر بھی سنائی دیں گے۔ حیرانی اور خوشی سے میں ہکا بکا رہ گیا۔

روسی ٹوایسٹ

"کیا بات ہے، تمھیں ٹوایسٹ ناچ پسند نہیں؟"
"نہیں، پسند ہے! لیکن اس
سے کوئی یاد وابستہ ہے۔"

اگرچہ نوجوان موسیقی‌نگار گیتوں کی دھنیں لکھنا پسند ضرور کرتے ہیں لیکن ان پر وہ اپنا زیادہ تخلیقی وقت صرف نہیں کرتے۔ ان کی فنی تخلیقات کا میدان بہت وسیع ہے۔ وہ تین بیلوں اور کئی فلموں کےلئے موسیقی لکھ چکے ہیں اور بہت سی گانےوالی سمفنی نظموں اور رومانوں کے مصنف بھی ہیں۔

لینن گراد میں موسیقی‌نگاروں کا کلب ایک عالیشان محل میں واقع ہے۔ اس کے کنسرٹ‌ہالوں کی دیواروں پر ایک خاص قسم کی لکڑی چسپاں کی گئی ہے تاکہ آواز اچھی طرح سنائی دے۔ یہاں میں نے آندرئی پیتروف کی سمفنی کا سلسلہ سنا جو ''ہمارے وقت کے گیت،، کے نام سے مشہور ہے۔

ہو سکتا ہے کہ میں موسیقی کو خیالی مناظر کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بہرحال میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس فن پارے کی موسیقانہ تصویروں نے مجھ پر گہرا تاثر چھوڑا ہے۔ ''طوفان،، کے حصے میں آپ برف کے شدید طوفان کی چیخوں میں سے گزرتے ہوئے انقلابی دستوں کا مارچ ''دیکھ،، سکتے ہیں۔ اس کے بعد بہار کی آمد پیش کی گئی ہے۔ سننےوالا برف پگھلنے، منجمد درختوں کی چھال سے زمین پر قطرے گرنے، آسمان کی بلندیاں ابھرنے کے منظر تصور میں دیکھ سکتا ہے۔ چوتھے اور پانچویں حصوں میں موسیقی جشن کی موسیقی کی طرح ابھرتی ہے۔ یہاں ہم والز اور مارچ کی دھنیں سنتے ہیں جو بار بار خاص موضوع سے آہنگ ہو جاتی ہیں۔ پھر یکایک موسیقی بکھر جاتی ہے اور تلخی اور غم کا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ جنگ شروع ہو گئی ہے اور اپنے ساتھ تباہی لا رہی ہے: ''جہاں پہلے گھر تھا اب وہاں مٹھی بھر راکھ کے سوا اور کچھ نہیں۔،،

پیتروف کی موسیقی میں بلا کی صحت اور بےحد واضح منظرنگاری ملتی ہے۔ اسی‌لئے ہم ڈرائنگ سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

''روسی ٹوایسٹ،، ناچ نے بھی مجھے بہت متاثر کیا ہے، اور دوسری وجوہات کی بنا پر۔ پہلے میں مزاحیہ موسیقی سن کر بس مسکرا دیتا تھا۔ لیکن پھر اس ناچ نے تو مجھے قہقہے لگانے پر مجبور کر دیا!

اس کا مزاح ستھرا ہے اور کسی کا مذاق نہیں اڑاتا۔

اس کی دھن گڈریوں کی بانسری، بالالائیکا اور مختلف قسم کے

لوک سازوں پر بجائی جاتی ہے... نتیجہ ایک شوخ ظرافت کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

"آپ نے یہ کیسے تحریر کیا ؟"

آندرئی نے ہنس کر جواب دیا :

"آپ نے محسوس نہیں کیا کہ اس ٹواسٹ کی تال ہمارے روسی چاستوشکا* سے کتنی ملتی جلتی ہے؟"

کامیابیوں کے بعد

میں اپنی قسمت سے مطمئن ہوں
لیکن میرے دل میں نئی نئی امنگیں کروٹیں لیتی رہتی ہیں...

ہم دونوں موسیقی‌نگاروں کے کلب کے ایک وسیع ڈرائنگ روم میں آتش‌دان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں سوال کر رہا تھا اور آندرئی جواب دے رہے تھے۔

"میرے خیال میں جدید موسیقی کو ترقی دینے کے لئے اظہار کے نت نئے اسلوب ڈھونڈھنے کے بجائے، ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے اس کے سب سے زیادہ مضبوط اور خوش‌آئند عناصر کو استعمال کرنا چاہئے۔ مختصر الفاظ میں یہ عناصر ہیں — لے، ہم‌آہنگی، کئی سر، تال اور آرکسٹرا کےلئے نغمے کی ترتیب۔ بیسویں صدی میں موسیقی کے ان تمام عناصر نے انتہائی ترقی کی ہے۔ میری رائے میں اب وقت آگیا ہے کہ ان عناصر کا ایک نیا امتزاج کیا جائے۔ مثال کے طور پر روایتی اوپیرا کی جگہ اوپیرا اور سمفنی، اوپیرا اور بیلے کا موسیقانہ امتزاج کرنا چاہئے۔ یہ ناممکن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ریڈیو اور سینما اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔

---

* ایک مزاحیہ روسی لوک گیت۔

''فن کا بنیادی معیار جوہر ہوتا ہے۔ جوہر کے بغیر فن زندہ نہیں رہتا۔ ،،

یکایک ہماری گفتگو رک گئی۔ قریب ہی کے کمرے میں کسی نے پیانو بجانا شروع کر دیا — ابتدا میں احتیاط سے اور پھر اعتماد کے ساتھ۔

''میں اس شخص پر رشک کرتا ہوں جو مہارت سے کوئی ساز بجا سکتا ہے،، اچانک آندرئی نے کہا۔ ''اس کا مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اتنا ماہر نہیں ہوں کہ پبلک میں کوئی ساز بجاؤں... اسی طرح میں تقریر بھی نہیں کر سکتا۔ جب میرے سامنے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے تو میری سٹی گم ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ میں نے عہد کیا تھا کہ اس خامی کو دور کروں گا... لیکن یہ کب ہوگا، پتہ نہیں۔ ،،

''آپ نے پوچھا ہے کہ میری کامیابیاں کس کی مرہون منت ہیں؟،، پھر آندرئی سوچنے لگے۔ ''میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں۔ موسیقی کا اسکول جہاں میں نے تعلیم حاصل کی ایک سابق محل تھا۔ میں ینگ پائنیروں کے محل جایا کرتا تھا جہاں پہلے کوئی رئیس رہتا ہوگا۔ اور اب جس وسیع عمارت میں میں کام کرتا ہوں اس کے مالک خطاب یافتہ مختلف امیرزادے تھے... میرے سچے محسن وہ مجاہد ہیں جنھوں نے ۱۹۱۷ء میں جدوجہد کرکے یہ محل عوام کے حوالے کئے۔ اگر حالات مختلف ہوتے تو شاید میں موسیقی نگار نہیں بن سکتا تھا۔

''میں خاص طور پر نوجوان کمیونسٹ لیگ کا بھی ممنون ہوں۔ اس تنظیم کی رکنیت کے زمانے ہی میں مجھے کئی دلچسپ شخصیتوں سے ملنے کا موقع میسر ہوا، میں نے مفید کام کئے اور ماحول کے گہرے تاثرات حاصل کئے۔ ان ہی برسوں میں میں نے لوگوں سے اور ان کی زندگی سے محبت کرنا سیکھی۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بہت سے گیت نوجوانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ،،

از : وکٹر بوخانوف۔

لوک کہانیاں
اور مصوری

کوئی شخص دلچسپ ہے یا نہیں اس کا انحصار اس کے فلسفہ زندگی پر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انسان فلسفہ زندگی کے ذریعے سے ہی اپنے آپ کو فرسودہ رواجوں اور گھٹیا باتوں سے بلند رکھ سکتا ہے۔

تمارا یوفا اس اصول کی زندہ مثال ہیں۔ ان کا نام ملک کے اکثر اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا ہے۔ وہ اتنی مشہور ہیں کہ خط بھیجنے کےلئے لفافے پر صرف ان کا نام اور شہر پیتروزاوودسک لکھنا کافی ہے، سڑک اور مکان کے نمبر کی بالکل ضرورت نہیں۔

اس نوجوان مصور کی مقبولیت روزافزوں بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی ہر نئی تصویر، ہر نئی نمائش شہرت کا نیا باب کھولتی ہے۔

تمارا کی تصویریں ہر قسم کے لوگ پسند کرتے ہیں — ان میں مقامی ماہی‌گیر بھی شامل ہیں جو پہلی‌بار نمائش میں ان کے شاہ‌کار دیکھنے آتے ہیں اور پیشہ‌ور نقاد بھی جو بہت کچھ دیکھ چکے ہیں۔

لوک کہانیوں کا رنگ

تقریباً ایک صدی پہلے جب بریولوف کی تصویر ''پومپئی کا آخری دن،، پیٹرسبرگ کے عجائب گھر ایرمیتاژ میں دکھائی جا رہی تھی تو گوگول نے اس سے مرعوب ہوکر مصور کے بارے میں لکھا تھا:
''وہ تمام فطرت کو اپنے قوی ہیکل بازوؤں میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور جذباتی عاشق کی طرح اسے زور سے بھینچتا ہے۔،،

قوی‌ہیکل بازوؤں میں لینا... اگر ہم اپنی ابتدا اس کے برعکس پہلو سے کریں (اور دعوے بھی کریں کہ یہ صحیح ہے) تو ہمیں تمارا یوفا کے فنی طرز کی ایک سب سے ممتاز خصوصیت کو سمجھنے میں مدد ملےگی— یہ ہے ان کا زندگی کا حیرت انگیز مدھم اور غنائی تصور۔

تمارا زندگی اور دنیا کو جب اپنی تصویروں میں پیش کرتی هیں تو ان کی ترتیب آزاد اور بےقید هوتی هے۔ یہاں همیں لوک کہانیوں اور دیوسالاؤں کا اثر صاف نظر آتا هے۔

جہاں هر چیز ممکن هے

تمارا یوفا لینن گراد آرٹ اسکول کی گریجوئیٹ هیں۔ انہوں نے قدیم کریلیا کے ایک گاؤں لادوا میں فنون کی استانی کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

وہ کون سی کشش تھی جو انهیں کریلیا لائی؟

اب وہ اس کا جواب یقین کے ساتھ دے سکتی هیں۔ کریلیا کی لوک کہانیاں اور خاص کر اس کی قومی رزمیہ کہانی ''کالیوالا،، اور اس کی هیروئن آئینو۔

تمارا اب اچھی طرح محسوس کرتی هیں کہ وہ کیوں کریلیا آئی تھیں۔ یہ شدید موسم کی سرزمین بھی هے اور شاعرانہ حسن کی بھی۔ یہاں هر جگہ گیت اور لوک کہانیاں سنی جا سکتی هیں۔ اور شاید دنیا میں سب سے زیادہ گہری برف اسی علاقے میں هوتی هے اور سب سے زیادہ نیلی اور بلور کی طرح شفاف جھیلیں بھی۔

تمارا گرافک آرٹ کی ماهر هیں اور کتابوں کےلئے تصویریں بناتی هیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ هوگا کہ ان کا فن محدود هے۔ وہ اپنے آپ کو کتاب کی عبارت میں مقید نہیں رکھتیں۔ یہ درست هے کہ لوک کہانیوں کی ایک خاص مقبولیت کی وجہ سے نئے رنگ میں ان کی تشریح کرنا بہت مشکل کام هے۔ لیکن تمارا کی تصویروں میں اکثر ایک بالکل نیا زاویہ ملتا هے۔ اور یہی تخلیقی فن کی نشانی هے۔

”کالیوالا،، کی وضاحت کئی طرح سے کی جا سکتی ہے۔ ایک فن کار اسے المیے کے طور پر پیش کرےگا جس کے تمام ہیرو بدنصیب ہیں۔ دوسرے مصور کو اس میں رزمیہ ڈرامہ اور بہادری کے کارنامے نظر آئیں گے۔ تمارا یوفا کے لئے ”کالیوالا،، میں سب سے دلچسپ چیز عورتیں اور ان کا اداس مقدر ہے۔

نوجوان مصور نے ”کالیوالا،، کو جو شبیہی معنی عطا کئے ہیں ان کے ظاهری روپ سے اگر هم ذرا آگے دیکھیں تو همیں زندگی کا ان کا مفرد تصور نظر آئےگا۔ ان کی تشبیہات بڑی غیرمعمولی ہوتی ہیں۔ ان کی ایک ہی تصویر کے پس منظر میں سورج اور چاند دونوں ساتھ دکھائے گئے ہیں اور پانی میں جادو کی مچھلیاں آئینو کا مردہ جسم اٹھائے ہوئے ہیں۔ تمارا یوفا کی تخلیقی دنیا جولانی تخیل کی دنیا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ لوک کہانیوں اور پریوں کے قصوں کے متعلق تصویریں بنانا پسند کرتی ہیں۔ آج کل وہ سیلویا اور سیلویسٹر کی تصویرکشی میں مصروف ہیں جو زخاریاس توپےلیوس کی کتاب ”جاڑوں کی کہانی،، میں دو ہیرو بچے ہیں۔ تمارا یوفا کو یہ بچے خاص کر اس لئے پسند ہیں کہ وہ سردیوں میں جہاں بھی جاتے ہیں وہاں برف کی جگہ ہریالی پھیل جاتی ہے اور پھول کھلنے لگتے ہیں۔

زندگی

تمارا کو دیومالاؤں اور ”کالیوالا،، سے آخر اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ اس کا جواب همیں ان کے بچپن سے ملتا ہے۔ وہ ذادونسک اور یلیتس قصبوں میں پیدا ہوئیں اور پلی بڑھیں۔ یہ روس کا وہ علاقہ ہے جو اپنی قدیم تاریخ اور رزمیہ روایات کےلئے مشہور ہے۔ یہاں کا ایک ایک پتھر ماضی کی بہادر داستانیں سنا سکتا ہے۔ بچی تمارا کے

ذہن پر سورماؤں کے یہی قصے نقش ہو گئے۔ یہ ملک کا وہ حصہ ہے جہاں وادیوں میں سفیدے کے درخت اور جھاڑیاں، خانقاہیں اور چھوٹے چھوٹے گرجے بکھرے ہوئے ہیں۔ یہیں قدیم روسی دستکاری اب بھی محفوظ ہے۔ یہاں آج بھی ایسے مکان دیکھے جا سکتے ہیں جو نفیس چوب کاری سے آراستہ ہیں۔

بلاشبہ تمارا نے اپنی والدہ انتونینا واسیلےونا سے بھی کافی اثر قبول کیا۔ وہ جھالریں بنانے میں استاد تھیں۔ شروع سے ہی انھوں نے بیٹی کے کام پر کڑی نظر رکھی اور بےلاگ رائے دی۔ جب وہ کسی تصویر کی تعریف کرنا چاہتی ہیں تو بس یہ کہتی ہیں: ''بالکل اصلی معلوم ہوتی ہے،، (اور یہ پریوں کی کہانی کی تصویر ہوتی ہے!)۔

تمارا کہتی ہیں: ''میری ماں کی احساسات کی دنیا بڑی وسیع ہے، میں ان کی رائے مانتی ہوں۔،،

تنہا ماں نے تمارا کی پرورش کی۔ تمارا جب اپنا بچپن یاد کرتی ہیں تو یہ بات اپنے لئے بڑی ہی خوش‌قسمت معلوم ہوتی ہے کہ ذادونسک اور یلیتس کے درمیان بس کا کرایہ کم کر دیا گیا تھا۔ ذادونسک میں وہ رہتی تھیں اور شہر یلیتس میں پائنیروں کا محل تھا جہاں مصوری کا اسٹوڈیو تھا۔

یہاں پہلی مرتبہ تمارا کی تصویروں کی نمائش ہوئی۔ ان میں پوشکن کی کتاب ''کپتان کی بیٹی،، کے متعلق تصویریں بھی شامل تھیں۔ ان کی کچھ تصویروں کو ''ادبی البم،، میں شامل کر لیا گیا (طالب علم درسی ادبی کتابوں سے متعلق جو تصویریں بناتے ہیں ان کا مجموعہ) اور کچھ تصویریں دیواری اخبار کی زینت بن گئیں۔

پھر تمارا یلیتس کے آرٹ اسکول میں پڑھنے لگیں۔ یہاں مصوری کے پہلے امتحان میں وہ فیل ہو گئیں۔

لیکن چند ہی سال بعد ان کا شمار اچھے مصوروں میں ہونے لگا۔ کریلیا میں ان کے بہت سے شاگردوں نے بچوں کی تصویروں کے مقابلوں میں اعلیٰ انعام حاصل کئے ہیں۔

''مجھے ایک بات کا یقین ہے،، تمارا نے کہا۔ ''اگر جان پہچان کے لوگ میری مدد نہ کرتے اور نیک خواہشات سے نہ نوازتے تو میں کبھی فن کار نہیں بن سکتی تھی۔ میں بڑی ہی خوش‌قسمت ہوں کہ لوگوں نے میری ہمت‌افزائی کی اور ذاتی طور پر میرے کام سے دلچسپی لی۔ میں بالکل مبالغے سے کام نہیں لے رہی ہوں... لوگوں کی آنکھوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ مخلص ہیں یا محض خوش کرنے کےلئے تعریف کر رہے ہیں۔ اگر میری تصویر دیکھ کر کسی کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگتی ہیں تو اس سے بڑھ کر میری اور کوئی ہمت‌افزائی نہیں ہو سکتی۔ ،،

پیتروزاوودسک کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبروں سے تمارا کے اچھے دوستانہ تعلقات ہیں۔ وہ ان کی کامیابیوں سے سب سے زیادہ مسرور ہوتے ہیں۔ اور تمارا بھی جانتی ہیں کہ ضرورت کے وقت لیگ کے ممبر ہی ان کی امداد کےلئے پیش پیش ہوں‌گے۔ جہاں تک نوجوان فن‌کار کا تعلق ہے تو لیگ کی علاقائی کمیٹی ہو یا شہر کی تنظیم یا نوجوانوں کا اخبار وہ اس کی ضرورت بروقت پوری کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔

انسان کی زندگی ایک شاہراہ کی طرح ہے۔ اس میں تیز موڑ بھی آتے ہیں — کبھی بہتر اور کبھی بدتر۔ بعض وقت آدمی آنسو بہا کر آخری فیصلہ کرتا ہے۔ پھر خیال بدلتا ہے اور زندگی میں امید کی کرن پھوٹ نکلتی ہے۔ ہر انسان کی قسمت جدا ہوتی ہے لیکن زندگی کا دھارا بہتا رہتا ہے — لوگ مزاح پر ہنستے ہیں، غمگین واقعہ پر روتے ہیں، تصادموں اور ٹکروں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا... ایسی صورت میں نوجوان تمارا یوفا (جنھوں نے ابھی تیس بہاریں بھی نہیں دیکھی

هیں) کی سوانح حیات بیان کرنا بے تکی سی بات ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ میں ان ہی کے الفاظ دہرا دوں:

''میں اچھی ساعت میں پیدا ہوئی تھی۔''

اگر آپ تمارا کے فلیٹ میں داخل ہوں تو آپ کو کام کی میز کھڑکی کے قریب نہیں بلکہ کمرے کے تقریباً بیچ میں نظر آئے گی۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمارا کو کام کے لئے دن کی روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ عرصے سے رات کے وقت کام کرنے کی عادی ہیں۔ اس کی ابتدا لادوا سے ہوئی جہاں وہ اسکول ٹیچر تھیں۔ دن میں وہ اسکول جاتیں اور رات کو بیٹی کو سلانے کے بعد خاموش اور پرسکون ماحول میں اپنا تخلیقی کام شروع کیا کرتی تھیں۔

لادوا میں انہیں وہ دونوں چیزیں مل گئی تھیں جن کی انہیں تلاش تھی — ''کالیوالا'' کے نوجوان ہیرو اور بوڑھے دانا لوگ جن کے جھریوں دار چہرے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ لکڑی سے تراشے گئے ہیں۔ وہ دیومالائی سورماؤں کے مکمل نمونے تھے اور کارآمد نقاد بھی۔ انہیں چولھے بنانے والا وہ بوڑھا ابھی تک یاد ہے جو قریب ہی رہتا تھا اور وہ بڑھیا بھی جو روز صبح دودھ لایا کرتی تھی۔

تمارا یوفا بچوں سے بہت محبت کرتی ہیں — اپنی بیٹی ریتا سے بھی جو خود اچھی تصویریں بناتی ہے اور خواب دیکھتی ہے کہ بڑی ہوکر دوکان میں بڑے دن کے موقع پر کھلونے بیچے گی، اور ان لڑکے لڑکیوں سے بھی جن کو انہوں نے لادوا میں پڑھایا اور جو اب پیتروزاوودسک کے پائنیر محل کے آرٹ اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ذوق اور میلان طبع

تمارا سے ملاقات کرنا مشکل ہے۔ ابھی ابھی وہ لینن گراد سے لوٹی تھیں جہاں وہ لوور کی تصویروں کی نمائش دیکھنے گئی تھیں۔

سوانح عمری کی تفصیلات کے مقابلے میں آدمی کا ذوق اور میلان طبع اس کے متعلق بہت کچھ بتاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے پسندیدہ مصور وروبیل، نیستیروف، روبلیف، جوتو اور بوتیچیلی ہیں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ سرخ، سفید، سیاہ اور بھورے رنگوں کو ترجیح دیتی ہیں۔ موسیقی کے شعبے میں ان کا انتخاب بےحد وسیع ہے۔ آج کل وہ اسکریابن اور موزارٹ کے نغمے زیادہ سنتی ہیں۔

ان کے تقریباً تمام دوست ہم‌عمر ہیں — فن‌کار اور اداکار جو مقامی تھیٹر یا ٹیلی‌وژن اسٹوڈیو میں کام کرتے ہیں۔

تمارا تھوڑی بہت خوابوں، وجدان اور پیش‌خبری کی بھی قائل ہیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں ایک دوست کو دیکھا جس سے وہ برسوں سے نہیں ملی تھیں۔ دوسرے ہی دن صبح کو پیتروزاوودسک کی سڑک پر ان کی اپنے دوست سے ٹکر ہو گئی!

”اس کا مطلب ہے کہ خواب سچے ہوتے ہیں..؟“

یہ کہہ کر سنہرے بالوں والی نوجوان مصور خاتون سوالیہ انداز میں مسکرانے لگیں۔ ان کی آواز نرم اور ٹھہری ہوئی ہے۔ ان کے بولنے کے انداز سے ایسا لگتا ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں وہ پہلے کافی سوچ چکی ہیں انھیں پھر یاد کر رہی ہیں۔

بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ زیادہ‌تر مصور غیرشعوری طور پر اپنے ہیرو میں اپنی خصوصیات سمو دیتے ہیں۔ تمارا کے متعلق بڑی حد تک یہی کہا جا سکتا ہے۔ تمارا اور آئینو کی بیرونی مشابہت پر بحث کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اس میں مطلق شبہ نہیں کہ آئینو کی دل‌ربائی، نسائیت اور کشش تمارا ہی کا پرتو ہیں۔

مستقبل کے منصوبے؟ تمارا یوفا ''کالیوالا،، کی بنیاد پر ایک اور نئی تصویر بنائیں گی (پہلے دن جب میں پیتروزاوودسک میں ان کے ہاں گیا تھا تو میں نے اس قدیم دیومالا کے بارے میں غیرمکمل خاکے دیکھے تھے جو کندہ کار تصویروں کے لئے ھیں) - اس کے علاوہ جزیرہ کیژی کے گرجے گھروں اور دشمنوں کے خلاف قدیم روسی شہزادہ ایگور کی مہم کے بارے میں بھی مرقعے کھینچیں گی -

تمارا کے مستقبل کے منصوبے خلا اور سیاروں کی دنیا سے بھی تعلق رکھتے ھیں - اور یہ ان کی ایک خصوصیت، خیال کی پرواز کا اظہار ھے - ان کے گھر میں ایک تصویر آویزاں ھے جس کا نام ''مریخ کی حسینائیں،، ھے - ان کی آنکھیں اسپوتنک کی طرح ھیں، بھنوؤں کی شکل اسپوتنک کے مدار جیسی ھے اور پلکیں انتینا سے ملتی جلتی ھیں!

آخر میں میں نے پھر پوچھا: ''آپ کو خاص طور پر ''کالیوالا،، سے کیوں اتنا لگاؤ ھے؟،،

''مجھے امید ھے کہ میری تصویریں دیکھ کر لوگ اس رزمیہ کہانی کو پڑھیں گے اور خود اس کی گہرائی اور حسن کو محسوس کریں گے - ،،

''...ان کی غیرمعمولی اور معرکے کی تصویروں کی ایک بڑی خصوصیت اظہار کا اسلوب ھے - ان میں شمالی لوک فن کی تمام دولتیں سمٹی ھوئی ھیں اور ان کی انسان دوستی بےحد متاثر کرتی ھے - تمارا یوفا کی فنی تخلیقات، مثلاً آئینو، المارینین اور لیمنکائینین کی تصویروں میں ھمیں ایک دلچسپ دوھرارنگ نظر آتا ھے - ان سورماؤں کی روایاتی تشریح کے ساتھ ساتھ تمارا نے ان میں زندگی کے اپنے انوکھے اور مخصوص تصور جیسے عناصر بھی شامل کردئے ھیں - ان کی تصویروں میں صرف شوخ رنگ کے قومی لباس ھی نہیں ملتے بلکہ ھمارے

هم‌عصروں کے خدوخال بھی دکھائی دیتے ھیں جو مضبوط کردار اور گھرے جذبات کے مالک ھیں اور جو زندگی کی کلفتوں اور مشکلوں سے دوچار ھیں — ماں، لڑکی، لوھار... ان کے مخصوص تصور کا ایک اور نتیجہ یہ ھے کہ وہ اشاریت کو بےباکی سے استعمال کرتی ھیں۔ اگر کریلیا کے جانے پہچانے قدرتی سناظر کی تصویر کو غور سے دیکھیں تو آپ کو اس میں ایک نیا بعد نظر آئےگا۔ تمارا یوفا کے فن کی ایک اور خوبی کو لیجئے جو غالباً سب سے زیادہ اھم ھے۔ وہ پیچیدہ اور گوناگوں ترتیب (کمپوزیشن) میں انتہائی صحت کے ساتھ اور بڑی نزاکت سے تصویر اتارتی ھیں۔"

(رسالہ "فن‌کار"۔)

از: اولیگ اسپاسکی

گلوکار کی دنیا

اٹلی کے لوگ کہتے ھیں : ''اگر کوئی شخص اوپیرا ''ریگولیٹو،، میں ڈیوک کا رول گا سکتا ھے تو وہ سب کچھ گا سکتا ھے۔ ،،

اناتولی سولوویانینکو اونچے سروں میں گاتے ھیں اور ان کی آواز میں دھات کی طرح کھنک ھے۔ جب وہ اپنی زبردست اور پراعتماد آواز سے ''ریگولیٹو،، گاتے ھیں تو ماننا پڑتا ھے کہ اٹلی کے لوگ جو بات کہتے ھیں سوچ سمجھ کر ھی کہتے ھیں۔

اناتولی سولوویانینکو دونیتسک کے ایک کان مزدور کے خاندان میں پیدا ھوئے۔ انھوں نے میلان میں موسیقی کی اعلی تعلیم پائی، پہلی بار ماسکو میں اپنا فن پیش کیا اور اب کیئف اوپیرا تھیٹر میں سولو گلوکار ھیں۔

دونیتسک

حال ھی میں ایک اخبار نے سولوویانینکو کو ''کان مزدوروں کا ڈیوک،، کہا ھے۔ میں اس لقب کا مخالف نہیں ھوں۔ لیکن مجھے ڈر ھے کہ اس سے یہ غلطفہمی پیدا ھو سکتی ھے کہ اناتولی نے اپنی زندگی کوئلے کی کان سے شروع کی اور پھر اوپیرا کے اسٹیج تک پہنچے۔ درحقیقت ان کی یا ان کے خاندان کی زندگی کوئی ڈراسائی نہیں تھی۔ بلاشبہ ھم اسے دلچسپ کہہ سکتے ھیں۔

ان کے باپ کان میں کام کرتے تھے اور ماں دوکان میں خزانچی تھیں۔ جنگ ھوئی اور شہر چھوڑنا پڑا لیکن اس کے باوجود اور دوسرے ھزاروں نوجوانوں کی طرح اناتولی بھی ھائی اسکول پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم حاصل کرنے کےلئے کالج میں داخل ھونگے، اس وقت کسی کو بھی گمان نہ تھا کہ ایک دن وہ مشہور مغنی بنیں گے۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ وہ اچھے ماھر انجنیر ھوں گے۔ میں نے لفظ ''اچھے،، اس لئے استعمال کیا کہ انھیں پولی‌ٹکنیکل انسٹی‌ٹیوٹ میں تحقیقات کرنے کےلئے وظیفہ پیش کیا گیا تھا۔

اناتولی نے انکار کر دیا۔ انھیں یقین تھا کہ ان کا مستقبل موسیقی سے وابستہ ھے۔ لڑکپن میں وہ کان مزدوروں کے شوقیہ کنسرٹوں میں گایا کرتے تھے۔ اس وقت ان کی آواز بھاری ھوا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اونچے سروں کی آواز میں بدل گئی۔ وہ کان کنی کے انجنیر تھے لیکن موسیقی دل میں چٹکیاں لیتی رھتی تھی۔

اناتولی دونیتسک ھی میں کام کرنے لگے۔ وہ گرافک جیومیٹری کے شعبے میں مددگار تھے۔ ھفتے میں دو مرتبہ وہ مشاق اوپیرا گانےوالے اور تجربےکار استاد الکساندر کورابیئچینکو سے سبق لیتے تھے۔

یہ سال ان کےلئے بہت ھی مشکل تھے۔ انھیں ھر دن کو اپنے محکمے کے کام کے لئے، آواز کی تربیت اور نوجوان کمیونسٹ لیگ کی سرگرمیوں کے لئے باقاعدہ تقسیم کرنا پڑتا تھا۔

''فطرتاً میں تنہا پسند تھا۔ نوجوان کمیونسٹ لیگ نے مجھے سماجی انسان بنایا۔ میں بحیثیت فن‌کار اور ذمےدار شہری کے اس تنظیم کا بہت ممنون ھوں،، اناتولی نے یاد کیا۔

اس طرح آٹھ برس گزر گئے۔

جب میں اس نوجوان گلوکار کے اردگرد شائقین کا مجمع دیکھتا ھوں تو سوچتا ھوں: یہ لوگ سمجھتے ھوں‌گے کہ ان کے پسندیدہ مغنی کی زندگی لاٹری کا خوش قسمت ٹکٹ حاصل کرنےوالے آدمی کی طرح ھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ھے۔ اناتولی کی زندگی مسلسل کوششوں، انتہائی قربانیوں اور ذاتی مشکلوں کا مجموعہ ھے۔ ان کے بارے میں شائقین حضرات یہ بالکل نہیں جانتے۔

Анатолий СОЛОВЬЯНЕНКО
ANATOLIJ SOLOVIANENKO
IL DIVO RUSSO
di "Napoli contro tutti"

۱۹۶۲ء اناتولی سولوویانینکو کی زندگی میں بہت ھی یادگار سال ھے۔ اس سال ان کی بےپناہ محنت بارآور ثابت ھوئی۔

اسی سال کیئف کے شوقیہ کنسرٹوں میں ان کے علاقے نے بھی حصہ لیا۔ اس کے فوراً ھی بعد کیئف اوپیرا تھیٹر نے سولو مغنی کی حیثیت سے کام کرنے کی انھیں پیش کش کی۔ ایک ماہ گزرا تھا کہ انھیں ماسکو کے کریملن کانگرس محل میں ٹریڈ یونینوں کے شوقیہ کنسرٹ میں گانے کا موقع ملا۔ اسی وقت ماسکو میں گانےوالوں کا مقابلہ ھوا۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کا مطلب تھا اٹلی کا سفر۔ پانچ جگہوں کےلئے ۷۰ گلوکار مقابلے میں شریک ھوئے۔ پانچ خوش‌قسمت لوگوں میں اناتولی بھی تھے۔

۲۹ سال کی عمر میں دونیتسک کا نوجوان مغنی اب میلان کے لااسکالا اوپیرا تھیٹر میں مشہور موسیقی کے استاد جینارو بارا سے گانا سیکھنے لگا۔

دن گزرتے گئے۔ اناتولی کا روزانہ پروگرام تقریباً ایک ھی جیسا ھوتا تھا۔ وہ صبح آٹھ بجے اٹھ کر ورزش کرتے اور پھر ناشتے سے فارغ ھوتے تھے۔ دس بجے استاد بارا سے ان کے سبق شروع ھو جاتے — آواز کی مشقیں۔ اس کے بعد وہ دوسرے مشہور موسیقی کے استاد کنڈکٹر پیازو کے پاس جاتے جو کبھی توسکانینی کے نائب کنڈکٹر رہ چکے تھے۔ ان سے وہ اوپیرا کے ایک رول کا گانا سیکھتے تھے۔ اگر اناتولی کوئی ھدائت بھول جاتے تو پیازو اپنا مطلب سمجھانے کےلئے سخت لیکن پرلطف زبان استعمال کرتے تھے۔ مثلاً: ''موسیقی کے یہ ورق اب میں تمھارے گلے میں اتارتا ھوں''۔

پیازو سے سبق لینے کے بعد وہ خود گھر پر مشقیں کیا کرتے تھے۔ عام طور پر ایک بجے کے قریب وہ تھیٹر کے کیفے میں اسٹیج کے

مزدوروں اور کورس گانے والوں کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتے۔ پھر دو گھنٹے اطالوی زبان سیکھنے پر صرف کرتے تھے۔ تقریباً ہر روز شام کو انھیں تھیٹر جانا پڑتا تھا جہاں وہ فن کاروں کو مشق کرتے ہوئے یا اوپیرا گاتے ہوئے دیکھتے تھے۔

میلان میں اپنے قیام کے آخر میں اناتولی ''توسکا،، کے کوارادوسی، ''لاتراویاتا،، کے الفریدو، ''لابوھیم،، کے رودولفو، ''لوچیا ڈے لامیرمور،، کے ایڈگر، ''مانون،، کے دے گریئے اور ''ال تروباتور،، کے مانریکو کے رول گا سکتے تھے۔ یہ بڑی کامیابی تھی۔

استاد بارا سوویت یونین کے نوجوان مغنیوں کی اکثر تعریف کیا کرتے تھے۔ وہ ان سے کہتے: ''تم روسیوں کے پاس بے انتہا مسالا اور غیرمحدود ذرائع ھیں۔ انھیں ترقی دینا چاھئے۔ مشکل یہ ھے کہ تمھیں مزید تربیت کی ضرورت ھے اور میرے پاس کافی فالتو وقت نہیں ھے۔،،

جب اناتولی میلان سے رخصت ہونے لگے تو بارا نے کہا: ''آپ لوگ جب چاھو یہاں آ سکتے ھو۔ پیسے کی فکر مت کرنا۔ آپ کے لئے روٹی اور پنیر ھر وقت حاضر ھے۔،،

ماسکو

اٹلی میں تعلیم ختم کرنے کے بعد اناتولی سولوویانینکو ماسکو لوٹے اور یہاں بالشوئی تھیٹر میں شامل ھو گئے۔ اگر آپ سوچتے ھیں کہ اب اناتولی کے تمام مسئلے حل ھوگئے تو آپ غلطی پر ھیں۔ دنیا کے کاروبار آسانی سے نہیں چلتے۔ خاص کر نوجوانوں کو کامیابی حاصل کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنا پڑتی ھے۔

اناتولی اس حقیقت کو سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مینجر

سے کہا: ''مجھے اوپیرا میں گانے کا موقعہ دیجیے ورنہ میں اسٹیج پر اداکاری بھول جاؤں گا۔ ،،

کیا انھیں نظر انداز کیا جا رہا تھا؟ میرے خیال میں اس کا تعلق ان کے گانے سے نہیں تھا، سب انھیں اچھا گلوکار مانتے تھے۔ ان میں اداکاری کی کمی تھی۔ وہ گلوکاری اور اداکاری میں ربط قائم نہیں کر سکتے تھے۔

وجہ بہرحال کچھ بھی ہو، ایک عرصے تک اناتولی کو اوپیرا میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا۔ پھر حسن اتفاق کہیئے کہ تھیٹر کے اونچے سروں میں تمام گانےوالے بیمار پڑ گئے۔ ان حالات سے محروم نوجوان مغنی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ وہ تو یہ خواب دیکھتے تھے کہ پبلک کے سامنے آئیں اور شہرت کا راستہ ہموار کریں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواب اب پورا ہونے ہی والا ہے۔ لیکن اناتولی کی خواہش پوری ہونے میں ہنوز مشکلیں حائل تھیں۔

تھیٹر کے منتظمین نے شہر گورکی سے ایک مغنی کو بلا لیا۔ مغنی ہوائی جہاز سے ماسکو آئے اور ٹیکسی سے اتر کر تھیٹر میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ ان کا پیر پھسل گیا اور پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

غرضیکہ یکے بعد دیگرے ایسے افسوسناک حادثوں کے بعد اناتولی سولوویانینکو کی قسمت کا ستارہ چمکا اور انھیں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا۔ انھیں بالشوئی تھیٹر کے اسٹیج پر ''ریگولیٹو،، کے ڈیوک کا رول ادا کرنے کو دیا گیا۔ اناتولی نے اوپیرا اطالوی زبان میں گایا۔ تماشائیوں نے جوش و خروش سے ان کی داد دی۔

۱۹۶۴ء کی خزاں میں بالشوئی تھیٹر نے اٹلی کا دورہ کیا۔ ساتھ اناتولی بھی تھے۔ لیکن اس بار پھر انھیں کوئی رول نہیں ملا۔ یہ سفر ان کے لئے مایوس کن ہو سکتا تھا لیکن ایک واقعہ نے ہوا ہی بدل دی۔

نیپلس کا ذکر کئے بغیر یہ داستان ادھوری رہے گی۔ جب اناتولی اٹلی میں تھے تو نیپلس میں ٹیلی وژن پر گیتوں کا عالمی مقابلہ ہونے والا تھا۔ اس میں نیپلس ہر ملک کا مقابلہ کر رہا تھا اور سامعین آخری فیصلہ کرنے والوں میں تھے۔

اصول یہ تھا کہ آٹھ ملک اپنے اپنے تین گیت پیش کریں اور ان کے مقابلے میں نیپلس ایک نغمہ سنائے۔

حصہ لینے والوں میں چوٹی کے ہلکے پھلکے گیت گانے والے اور اوپیرا کے سنجیدہ گلوکار سب ہی شامل تھے۔ فیصلہ کرنے کے لئے ایک بین الاقوامی جیوری بھی تھی۔ مقابلے کے ہر دور کے بعد سننے والے اپنی رائے بھیجتے تھے۔ رائے شماری کے بعد نتیجہ ٹیلی وژن پر نشر کر دیا جاتا تھا۔

مقابلے میں ایک ملک دوسرے ملک کے بعد ہارتا گیا — فرانس ، پولینڈ، مغربی جرمنی۔

سوویت یونین بھی دو گیتوں میں ناکام رہا۔

نصف فائنل میں سوویت یونین کا مقابلہ برازیل (جو رقص روسبا کی دھن پر ''برازیل،، گیت گا رہا تھا) اور انگلستان (نغمہ ''سوم بتی کی روشنی میں،، والز) سے تھا۔ اناتولی سولوویانینکو ''ماسکو کی شامیں،، گا کر اپنے ملک کے وقار کی مدافعت کر رہے تھے۔

اناتولی نے یہ گیت تین مرتبہ، مقابلے کے تین سلسلوں میں گایا اور ہر مرتبہ مختلف انداز سے اور مختلف سازوں کے ساتھ۔ مقابلہ ختم ہونے سے پہلے ہی گیتوں کے ملک اٹلی کی سڑکوں پر آپ اس نغمے کی دھن سن سکتے تھے۔

آخری فیصلہ کن مقابلہ روم میں ہوا۔ نیپلس اپنی تین گیتوں سے میلان، اسپین اور سوویت یونین کا مقابلہ کر رہا تھا، ان میں ''میرے

سورج،، گیت بھی شامل تھا۔ ھماری امیدیں اناتولی سولوویانینکو اور ''ماسکو کی شامیں،، سے وابستہ تھیں۔

مقابلے میں پہلا انعام نیپلس کو ملا، اس کا سورج سے روشن اور گرمجوش گیت ''نیپلس کی رپبلک،، تھا۔ میلان نے سوویت یونین کی نسبت بہت کم نمبروں سے دوسرا انعام پایا۔ اور تیسرا انعام ''ماسکو کی شامیں،، گیت نے حاصل کیا۔

یہ سوویت گیتوں اور نوجوان مغنی اناتولی کی بڑی کامیابی تھی۔ وطن لوٹنے سے پہلے انھوں نے انعام یافتہ گیت کے ساتھ دوسرا روسی گیت ''والگا کا نغمہ،، ریکارڈ کیا۔ پہلے ھی ہفتے میں ان کے ۶۰ ھزار سے زیادہ ریکارڈ فروخت ھو گئے!

کیئف

اناتولی سولوویانینکو کی پوری زندگی فن کےلئے وقف ھے۔ اگر آپ ان کے گھر آئیں تو آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ھوگی کہ ان کے ھاں فرنیچر برائے نام ھے۔ وجہ یہ ھے کہ کمرہ جتنا زیادہ خالی ھوتا ھے آواز بھی اتنی ھی زیادہ اچھی سنائی دیتی ھے۔ نشست کے کمرے میں کئی ٹیپ ریکارڈر رکھے ھیں۔ ان پر وہ اپنی آواز باربار ریکارڈ کرتے ھیں اور پھر سن کر اسے بہتر کرنے کی کوشش کرتے ھیں۔ وھیں بےشمار ریکارڈ ھیں اور ریکارڈ پلیئر بھی۔ جب ضرورت ھوتی ھے تو وہ کلاسیکی موسیقی سنتے ھیں۔ ھر چیز کا تعلق ان کے کام سے ھے — الماری میں کتابیں، روزانہ کا پروگرام، آرام، ورزش، کھانا، مستقبل کے منصوبے — ان سب کا مقصد صرف ایک ھے: آواز بہتر ھو۔

یہ مسلک انھوں نے سوچ سمجھ کر اور اپنی مرضی سے اختیار کیا ھے۔

خود اناتولی کہتے ہیں: ''اگر میں مسلسل دو دن تک موسیقی نہیں سنوں تو بیمار پڑ جاؤں۔ ''

میں اناتولی کے گھر تیسری مرتبہ آیا تھا اور ابھی بہت سی باتیں کرنا باقی تھیں۔ لیکن میں اس مشہور مغنی کی بیماری کی ذمے داری اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا تھا۔ میری خواہش پر ہم دونوں لدزارو کی آواز سننے لگے۔

''سن رہے ہیں؟'' اناتولی ذرا جذباتی ہوکر بولے۔ ''ایسے مغنی کو تو اب وہ سونے کی پالکی پر بٹھا کر سڑکوں پر گھمائیں گے۔ ''

''کیا آپ کا مطلب ہے کہ اچھے اوپیرا گانےوالے کم ہوتے جا رہے ہیں؟''

''بالکل۔ خود اٹلی کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ان کا اوپیرا اسکول گھٹیا ہوتا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ نوجوان جو اچھے گلوکار بن سکتے ہیں سخت پابندیوں سے گھبرا کر بھاگ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ہر ایک تن آسانی سے کام لینا چاہتا ہے۔ عام رویہ یہ ہے: اس قیمت پر یہ آپ ہی کو مبارک ہو۔ شاید اسی لئے اٹلی میں موسیقی کے استاد چاہتے ہیں کہ سوویت یونین کے نوجوان ان کے شاگرد بنیں۔ ہم روزمرہ کے سخت فرائض سے نہیں بھاگے اور نہ ان سے ڈرے۔ مجھے یاد ہے بارا نے کہا تھا کہ وقت آ گیا ہے کہ سوویت یونین عالمی اوپیرا اسٹیج پر سرگرمی سے حصہ لے۔ ان کے الفاظ یہ تھے: ''موسیقی کی دنیا فتح کرنے کےلئے تمھارے ملک کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ ''

اناتولی سولوویانینکو سنیاسی نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر ڈسپلن عائد کیاہے۔

وہ ریکارڈ بدلتے رہے۔ یہ کاروزو کی نوجوانی کی آواز تھی، اس کے آخری برسوں کی۔ پھر ہسپانوی میگوئیل فلیتا کی باری آئی۔ اس کی نقرئی آواز دل میں پیوست ہوتی چلی گئی۔

''سامعین کو یقین نہیں آتا تھا کہ ایسی آواز بھی ہو سکتی ہے،، اناتولی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لوگ کرسیوں کے سرے پر جھکے ہوئے بیٹھے تھے اور اس کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے گویا اس نے جادو کر دیا ہو۔ کاش کہ فلیتا جیسی آواز گانے کو ملے۔ میں چھپانا نہیں چاہتا کہ اس کے ہنر پر مجھے رشک آتا ہے، لیکن میں یہ بھی کہدوں کہ اسے حاصل کرنے کا راز بھی مجھے معلوم ہے۔،،

جب میں اوپیرا گانےوالوں کو سن رہا تھا، جن میں بڑے استاد اور عام سطح کے دونوں قسم کے گلوکار شامل تھے تو ذہن میں اناتولی کے بارے میں پریشان کن خیالات آنے لگے: فنی تکمیل کی راہ میں کئی ناقابل گزر رکاوٹیں ہیں۔ ''اس بلندی تک پہنچنا ناممکن ہے،، میں نے کہنا چاہا۔

پھر اناتولی نے اپنا ریکارڈ بجانا شروع کر دیا جو اٹلی میں تیار ہوا تھا۔ میں ان کی آواز کو غور سے سننے لگا۔ ہر سر بالکل صحیح تھا، ساتھ ہی توانا اور لچکیلا۔ ''واقعی غیر معمولی آواز،، — یہ الفاظ رسالے ''آر۔ سی۔ اے اتالیانہ،، کے ہیں۔ اور ان سے میں پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔ میری پریشانی دور ہو گئی۔ راستے میں کتنی ہی مشکلات کیوں نہ حائل ہوں اناتولی سولوویانینکو کے پاس چوٹی تک پہنچنے کےلئے ضرورت سے زیادہ قابلیت موجود ہے۔ میں اس موسیقار سے متفق ہوں جس نے اناتولی کے روشن مستقبل کی پیش گوئی کی ہے۔ اور جب وہ خود کہتے ہیں کہ لااسکالا اوپیرا تھیٹر میں ''ریگولیٹو،، گانے کےلئے زیادہ مدت درکار نہیں ہے تو میں اس خیال کی بھی تائید کرتا ہوں۔ لااسکالا ہی آخر کیوں؟ اس لئے کہ اوپیرا کی دنیا میں میلان کا تھیٹر اوپیرا گانےوالوں کی مہارت کی بلندترین آزمائش‌گاہ ہے۔

اناتولی کا چہرہ نوجوانوں کی طرح تازہ ہے لیکن ان کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے مجموعی تاثر عجیب سا ہوتا ہے۔ غالباً وہ میرے خیالات کو تاڑ گئے اور کہنے لگے:

''دیکھئے، وقت انتظار نہیں کرتا۔ اگر مجھے پھر اپنی زندگی کو ترتیب دینے کا موقع ملے تو میں اسے پہلے کی طرح ھی برقرار رکھوں گا۔ اگر کوئی تبدیلی ھوگی تو بس یہ کہ لڑکپن میں مجھے موسیقی کے مطالعے اور آواز کی تربیت کےلئے دو تین سال مل جائیں۔ ،،

''کیا ایسے بھی لمحے آتے ھیں جب آپ شکوک اور کمزوری کے شکار ھو جاتے ھیں؟ ،،

''بعض وقت میں اپنے پہلے پیشے کے متعلق بڑے اشتیاق سے سوچتا ھوں، اس میں ھر چیز واضح اور بے کم و کاست تھی۔ کبھی میں مکینکل انجنیرنگ کی کتاب اٹھاتا ھوں اور اس کی ورق گردانی کرنے لگتا ھوں۔ تعجب ھے کہ ابھی تک میں کچھ بھی نہیں بھولا ھوں۔ میں نے انجنیرنگ کی تعلیم حاصل کی ھے۔ میرا ایک حصہ ھمیشہ انجنیر رھےگا۔ اسے تسلیم کرنے کے بعد مجھے سکون مل جاتا ھے۔ دلچسپ بات یہ ھے کہ شکوک کے لمحات پر عبور پانے کے بعد میں گانے میں نئے جوش و خروش سے مصروف ھو جاتا ھوں۔ پریشانی قابل اجازت ھے — میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ناگزیر ھے — لیکن صرف اسٹیج پر۔ ،،

اناتولی پڑھنے کے بےحد شوقین ھیں۔ ان کی لائبریری ادب اور فن کے شاہکاروں سے بھری پڑی ھے۔ اٹلی میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے فن تعمیر اور مصوری کا بھی مطالعہ کیا۔ ''مجھے دونیتسک کے اپنے ایک استاد کا مقولہ یاد ھے کہ وسیع اور عام ثقافت حاصل کئے بغیر کوئی آدمی سچا فن کار نہیں بن سکتا۔،،

یہ کہنا غلط ھوگا کہ اناتولی کو صرف کلاسیکی اوپیرا سے دلچسپی ھے۔ انھیں یوکرین کے لوک گیت اور جدید سوویت نغمے بھی پسند ھیں۔ جو موسیقی وہ پیش کرتے ھیں اس کی فہرست بہت طویل ھے۔ اس میں یوکرینی گیت ''میں آسمان کو تک رھا ھوں،، اور ''بےچین ھوا،، سے لےکر ''ماسکو کی شامیں،، تک شامل ھیں۔

جب میں نے اناتولی اور ان کی بیوی کو خدا حافظ کہا تو رات کافی ڈھل چکی تھی۔ (کالج میں ان کی دوستی ہوئی، بعد میں اس نے محبت کی شکل اختیار کرلی۔ محبت جدائی کی آزمائش پر پوری اتری۔ جب وہ اٹلی سے واپس آئے تو دوسرے ھی دن دونوں نے شادی رچائی ۔)

باھر سڑک پر ٹھنڈک اور نمی تھی۔ اس میں اور اس دنیا میں جو میں نے ابھی ابھی چھوڑی تھی کتنا زبردست فرق تھا۔ وھاں ھمآھنگ زندگی اور فنی تخلیق تھی، سنہرے نغمے اور نقرئی آوازیں تھیں، محبت کا ماحول تھا اور جستجو اور محنت کی فضا تھی۔ یہ کہاوت بالکل صحیح ھے: اصلی خوشی اور گہرے سکون کا سرچشمہ محنت اور صرف محنت ھے۔

از: وکٹر بوخانوف

مکہ بازی اور انسان کا کردار

سوویت یونین کے ۶ بار چیمپین، دو مرتبہ یورپ کے چیمپین، اولمپکس کا طلائی میڈل جیتنے والے اور ویل بارکر کپ کے فاتح — یہ ہے سوویت مکہ باز ولیری پوپینچینکو کی کامیابیوں کی مرعوب کن فہرست۔ اپنے بارے میں وہ کہتے ہیں:

''بچپن میں میں نے کبھی مکہ‌باز بننے کی تمنا نہیں کی۔ میں الیکساندر گرین کی کتابیں بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا اور بس سمندر کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ بزدلی مجھ سے کوسوں دور تھی لیکن کبھی کبھی خوف کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ مجھے بچپن کی گرمیاں یاد ہیں، جنھیں ہم شہر ماسکو سے باہر مضافات میں گزارتے تھے۔ بعض مرتبہ میری ماں دیر تک کام کرتی تھیں۔ جب اندھیرا ہونے لگتا تو میں باہر باغ میں آجاتا تھا۔ یہاں مجھے لمبے درختوں اور ان کے مہیب سایوں سے ڈر لگتا تھا۔ لیکن سونی جھونپڑی اور بھی کاٹے کھاتی تھی۔ سونے سے پہلے میں تمام کمروں میں بجلی کی بتیاں روشن کر لیتا تھا۔ اندھیرے میں سونے سے مجھے دهشت ہوتی تھی۔ میری ماں بھی میرے لئے پریشان رہتی تھیں خاص کر جب میں کہیں دور نکل جاتا یا تیرتے ہوئے گہرے پانی میں چلا جاتا تھا۔ کئی سال بعد جب میں تاشقند کے سوووروف فوجی اسکول میں پڑھ رہا تھا تو میں نے انھیں ماسکو لکھا کہ میں نے مکہ‌بازی شروع کر دی ہے۔ انھوں نے فوراً جواب میں التجا کی کہ میں مکے بازی کا خیال چھوڑ دوں اور شطرنج جیسا کم خطرناک کھیل اختیار کروں۔ میں اس خط کو کبھی نہیں بھول سکتا، وہ ۳۰ صفحوں پر مشتمل تھا! (جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے تو میں اس کا بھی اول درجے کا کھلاڑی سمجھا جاتا ہوں)۔ لڑکوں کی مکہ‌بازی کے قومی مقابلے میں میں چیمپین رہا لیکن میری ماں مصر رہیں کہ میں اچھا مکہ‌باز نہیں بن سکتا۔

پھر آهسته آهسته انهوں نے اپنی رائے بدلنا شروع کردی اور میرے مستقبل کے شوقیه اسپورٹ کو بهتر طور پر سمجھنے لگیں۔ ،،

بهتر هوگا که اب هم ولیری کی والده روفینا واسیلیونا سے انکے بیٹے کے متعلق سنیں:

کردار کی مضبوطی

''دلچسپ بات یه هے که ولیری کی کامیابیوں نے نهیں بلکه اس کے مسلسل اصرار نے مجھے اپنی رائے بدلنے پر مجبور کیا۔ اس پر میں نے کافی غور کیا۔ آخر میں میں اس نتیجے پر پهنچی که اگر اس نے آزمائے بغیر مکےبازی کو خیرباد کهدیا تو وه تمام عمر اپنے فیصلے پر پچھتائےگا اور اسے سچی خوشی کبھی نهیں ملےگی۔ میں نے اس سے کها — ''اچھا، تو مکهباز بنو، لیکن بڑھیا قسم کے،،۔

''لیکن ولیری نے صرف مکےبازی تک اپنے آپ کو محدود نهیں رکھا۔ اس کی دلچسپیاں وسیع هیں۔

''اس نے سووروف فوجی اسکول اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور اعلے تعلیم کےلئے لینن گراد کی بحری اکادمی میں داخل هو گیا۔

''جب ولیری مکهبازی کی مشق کر رها تھا تو وه اکثر مجھ سے مشوره لیا کرتا تھا۔ کیا کرتی، میں نے اس موضوع پر کتابیں، رسالے پڑھنا شروع کر دئے۔ میں نے مکهبازی کے متعلق گرادوپولوف کی کتاب حاصل کرلی اور ابتدا سے آخر تک اسے پڑھ ڈالا۔ اب میں خیالی حریف سے مکهبازی، داؤپیچ اور جبڑے کی چوٹ وغیره سمجھنے لگی تھی! اس کے علاوه میں ماسکو کے اسپورٹ هالوں کے چکر لگاتی اور درمیانه وزن کے مکهبازوں کو دیکھ کر ان کی تمام تفصیلات ولیری کو لکھا کرتی تھی۔

28 Congressmen Call
For Debate on Viet War

''میری بڑی خواهش تھی که میں مکه‌بازی کے حلقے میں اپنے بیٹے کو لڑتے ہوئے دیکھوں اور اندازہ لگاؤں که اس میں اچھے مکه‌باز بننے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ لیکن جب مجھے یه موقع ملا تو وهاں جانے کی همت نہیں ہوئی۔ وہ گینادی شاتکوف کا مقابلہ کر رہا تھا اور اسی لئے میں زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے که اس کے استاد گریگوری کوسیکیانتس نے مجھے دلاسا دیا اور بتایا که یه مقابله محض قوت کی آزمائش کےلئے ہے، اسے زیادہ سنجیدہ نہیں سمجھنا چاهئے۔ ریڈیو پر نتیجے کا اعلان ہوا۔ میں باهر سڑک پر ولیری کا انتظار کر رہی تھی۔ آخرکار میری نظر اس پر پڑی۔ وہ سڑک کی دوسری جانب آهسته آهسته چل رہا تھا۔ شام کو گھر پر اس نے مجھ سے صرف یه کہا که وہ پائنٹ کے لحاظ سے هارا ہے۔ اس مقابلے کے متعلق هم نے پھر کبھی بات‌چیت نہیں کی۔

''۱۹۵۹ء کی گرمیوں میں ولیری درمیانه وزن کی مکه بازی کے قومی مقابلے کے فائنل میں پہنچ گیا۔ اس کا مقابله فیوفانوف سے ہونےوالا تھا۔ اس دن میں بہت سویرے اٹھی اور مرکزی بازار گئی۔ گوشت بیچنےوالے گوشت لٹکا رہے تھے۔ میں نے ران کا گوشت خریدا۔ ولیری کے استاد کی هدایت کے مطابق مجھے مقابلے سے ساڑھے تین گھنٹے پہلے گوشت کا نرم قتله تیار کرنا تھا۔ گھر پر میں نے اسے نمک اور مکھن کے بغیر برتن میں بھونا، تلنے کی ممانعت تھی۔ ایسا قتله کھانے کے بعد دیر تک پیاس نہیں لگتی۔

''میں ریڈیو پر مقابلے کی تفصیل سن رہی تھی۔ یکایک کومنٹری کرنےوالا چلایا: ''مار گرایا!،، ریفری نے گننا شروع کر دیا۔ اب یه میری برداشت سے باهر تھا۔ مقابلے کےلئے اسے خوب تیار ہونا چاهئے تھا... میں نے ریڈیو بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ٹیلی‌فون کی گھنٹی بجی۔ ولیری کی آواز تھی:

''اماں، میں جیت گیا!،،

''جب وہ بھاگتا ہوا فلیٹ میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھوں میں چیمپین کی جرسی، میڈل اور سند تھی۔ میں نے جلدی جلدی تولیہ پانی میں بھگو کر زخموں پر رکھا اور بستر پر لٹا دیا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ بات کرنے کا موقع کہاں سے ملتا؟

''اس کے بعد اب میں اس کا ہر مقابلہ دیکھنے جاتی ہوں۔ اگر وہ مشکل میں ہوتا ہے تو مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن اس ڈر سے کہ کہیں وہ دیکھ نہ لے میں اس کا اظہار نہیں کرتی۔

''بعض وقت میں سوچتی ہوں: ولیری کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ کیا یہ قدرت کی دین ہے؟ شاید... میرے خاندان میں کبھی کوئی مکہ‌باز نہیں ہوا۔ ہاں اس کے نانا کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ مار دھاڑ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے! لیکن اس کا ولیری سے کوئی تعلق نہیں۔

''دراصل ولیری کا کردار اس سوال کا جواب دیتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں فیوفانوف سے مقابلہ ہارنے کے بعد اس نے مجھے لکھا تھا:

''اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں مکہ‌بازی چھوڑ دوں گا تو معاف کیجئے آپ غلطی پر ہیں۔ طمانچہ سخت تھا لیکن اسے میں بھولتا جا رہا ہوں، بلکہ بھول چکا ہوں۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ جیسا آپ سوچتی ہیں حالت اتنی بری نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں: مجھے ایسے طمانچے کی ضرورت تھی۔ اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلطیاں کرکے کامیابی کا سہرا مخالف کے سر باندھ دیا۔ خیر۔ لیکن تلافی کےلئے کافی وقت ہے۔ آپ نا امید نہ ہوں۔ آپ کا بیٹا ضرور منزل مقصود تک پہنچے گا۔''

''وہ بہت اعلے درجے کا مکہ باز ہے۔ میرا مطلب اس کے فن سے نہیں ہے۔ جب اس نے یورپ کے مقابلے کے فائنل میں انگریز حریف رابنسن کو اپنے گھونسوں سے فرش پر لٹا دیا تو یہ سب میں ٹیلی‌وژن

پر دیکھ رہی تھی - پھر کیا دیکھتی ہوں کہ وہ اپنے مفتوح مدمقابل کو اٹھاکر کھڑا کر رہا ہے اور بڑی ہمدردی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا ہے - یہ ہے ولیری کا کردار — مہربان، بےلاگ اور بےانتہا ایماندار -

''جاپان جانے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا :

''میں اتنا چاق چوبند پہلے کبھی نہیں تھا - مجھے اپنے اوپر اعتماد ہے - ''

''ولیری کے عزیزترین دوست بوریس لاگوتین ہیں - انھوں نے بھی کہا :

''ہم جیتیں گے - ''

''لیکن اسپورٹ پھر اسپورٹ ہے - بعد میں ولیری نے مجھے بتایا کہ گھانا کے مکہ‌باز ڈارکے سے لڑنے سے پیشتر وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اور پولینڈ کے والاسیک کا مقابلہ کرنے سے پہلے ساری رات اسے نیند نہیں آئی تھی - والاسیک کو وہ نہیں بھول سکتا تھا - دو عالمی مقابلوں میں ولیری نے والاسیک کے ہاتھوں ہی شکست کھائی تھی -

''آخرکار، ٹوکیو میں اس نے والاسیک کو ہرا دیا اور فائنل میں پہنچ گیا - اب اس کا مقابلہ جرمنی کے شولز سے تھا جس نے اولمپکس کےلئے ولیری ہی کی طرح خاص ٹریننگ پائی تھی - لیکن ابتدائی راؤنڈ کے پہلے منٹ میں ولیری نے اسے چت کر دیا -

''ولیری کا ایک دیرینہ خواب پورا ہو گیا -

''جیسا کہ میں پہلے کہہ چکی ہوں ولیری اور بھی چیزوں سے دلچسپی لیتا ہے - ۱۹۶۰ء میں اس نے مجھے لینن گراد سے لکھا : ''میں نے ڈی - ایس - سی کی تیاری شروع کر دی ہے - '' جس طرح اس نے مکہ‌بازی کےلئے محنت کی تھی اسی طرح وہ سائنس کی تعلیم پر اور اعلی ڈگری حاصل کرنے کےلئے ریسرچ پر بھی محنت کر رہا ہے - یہ ہے اس کا کردار - ''

ولیری کے کردار کے بارے میں ''کمسومولسکایا پراودا،، کے نامہ‌نگار میخائیل استرلس نے بھی بہت کچھ لکھا ہے جو اولمپک کھیلوں کے وقت ٹوکیو میں تھے۔

دوستی کا اظہار

ٹوکیو میں میں فائنل کے مقابلے کبھی نہیں بھولوں‌گا۔ میں کوراکوئین هال میں داخل ھوا اور سوویت مکہ‌بازوں کا کمرہ تلاش کرنے لگا۔ اتنے میں قریب ھی قہقہہ سنائی دیا۔ کیا دیکھتا ھوں کہ ولیری پوپینچینکو کوئی پرلطف قصہ سنا رہے ھیں۔ اولمپک کھیلوں کے دوران ان کی حالت ایسی ھی رھی۔ وہ خوب جانتے ھیں کہ کب هنسنا چاھئے اور کب سنجیدہ رھنا چاھئے۔

''اولیگ! ذرا اور،، ولیری نے آھستہ سے کہا۔ اور جب یہ اعلان ھوا کہ مقابلہ اولیگ گریگوریف جیت گئے ھیں تو ولیری چلائے ''شاباش،،۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سوویت مکہ‌باز کو ''ناقابل شکست،، اطالوی حریف فرانکو زورلو پر فتح حاصل کرنے کے سلسلے میں مبارکباد دی۔

''جب میکسیکو کے میندوزا نے اولیگ کو شکست دی تب بھی ولیری پہلے شخص تھے جو اپنے دوست کو تسلی دینے آئے۔ جب بھی دوستوں کو ھمدردی کی ضرورت ھوتی ہے ولیری ھمیشہ پیش پیش رھتے ھیں۔

ٹوکیو میں ولیری کےلئے مکہ‌بازی آسان نہیں تھی۔ کون بتا سکتا ہے کہ ڈارکے اور والاسیک کو ھراتے وقت ان پر کیا بیتی؟

پولینڈ کے اس مکہ‌باز سے ولیری کی پہلی مٹ بھیڑ ۱۹۵۷ء میں ھوئی تھی جب ولیری ۱۹ برس کے تھے۔ پولستانی جیت گیا لیکن اس نے کہا کہ اس کا مدمقابل ''ایسا مکہ‌باز ہے جو بڑے امکانات

رکھتا ہے۔ ،، لودز میں ۱۹۶۳ء میں والاسیک نے دوسری مرتبہ ولیری کو شکست دی۔

اس وقت پولینڈ کے اسپورٹ نامہ‌نگار یژی ایواشکیوچ نے ولیری کے بارے میں لکھا تھا:

مقابلے کے بعد میں پیتشیکوفسکی اور والاسیک کے پاس آیا جو اپنی بیویوں کے ساتھ میز کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ وهیں ولیری بھی موجود تھے۔ دلچسپ گپ‌شپ ہو رہی تھی۔ ولیری پراسرار انداز میں مسکرا رہے تھے گویا کہہ رہے ہوں کہ مقابلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے!

''والاسیک ذرا ماسکو پہنچنے تک انتظار کرو۔ وہاں میں تمھیں دکھاؤں‌گا۔ ،،

''دیکھتے ہیں کون کس کو دکھاتا ہے،، پولستانی نے مذاق سے جواب دیا۔ رخصت ہوتے وقت وہ دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ وہ آپس میں اتنے ہی پرخلوص دوست ہیں جتنے کہ مقابلے کے وقت سخت حریف۔

جب ٹوکیو میں ان کا مقابلہ ہوا تو والاسیک نے تسلیم کیا: ''میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ولیری تم مجھ سے میلوں آگے ہو۔ ،،

ولیری کی داستان ان کے استاد گریگوری کوسیکیانتس کا ذکر کئے بغیر ادھوری رہ جائےگی۔ ان کے بارے میں ولیری کی یہ رائے ہے:

''میں گھبرانے لگتا ہوں اگر مقابلے کے دن ناشتے کے بعد ان کا رقعہ میز پر نہیں ملتا، یا ان کا عجیب و غریب خواب نہیں سنتا

(''ولیری تم سوچ نہیں سکتے کہ پچھلی رات میں نے خواب میں کیا دیکھا! تم اخروٹ توڑ رہے ہو - ایک اخروٹ دوسرے سے زیادہ سخت ھے لیکن تم سب کے سب توڑ ڈالتے ہو،،)، یا مقابلے سے دو تین گھنٹے پہلے ان سے حسب‌معمول یہ جملہ نہیں سنتا: ''چلو، اب ذرا اپنا بدن ڈھیلا کرنا شروع کر دو - ،، بہت سے مکہ‌باز مقابلے کے وقت اپنے استادوں کی قربت کو اھمیت نہیں دیتے - لیکن میرے لئے انتہائی ضروری ھے کہ کوسیکیانتس رسوں کے پیچھے کونے میں کھڑے ہوں اور وقفے کے وقت میرے چہرے پر سے پسینہ پونچھیں اور مشورہ دیں - میں ایمانداری سے کہتا ھوں کہ ان کے بغیر میں یہ کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتا تھا - ،،

اور گریگوری کوسیکیانتس اپنے شاگرد کے بارے میں کہتے ھیں:

اچھا انسان

۲۴ اکتوبر ۱۹۶۴ء میری زندگی میں سب سے زیادہ یادگار دن ھے - اس دن ٹوکیو میں شوقیہ مکہ‌بازی کی عالمی انجمن نے متفقہ طور پر اعلان کیا تھا کہ ولیری ویل بارکر کپ کا فاتح ھے - اس کا مطلب یہ تھا کہ ولیری پوپینچینکو کو باقاعدہ دنیا کا بہترین شوقیہ مکہ باز تسلیم کر لیا گیا -

میں وہ منظر بھی نہیں بھولوں‌گا جب انجمن کے صدر لارڈ رسل نے جو بہت کم گو انسان ھیں ولیری کو ویل بارکر کپ پیش کیا تھا - ولیری انگریزی زبان میں ان کا شکریہ مشکل سے ختم کر پایا تھا کہ لارڈ رسل نے گرمجوشی سے اسے سینے سے لگایا اور روسی

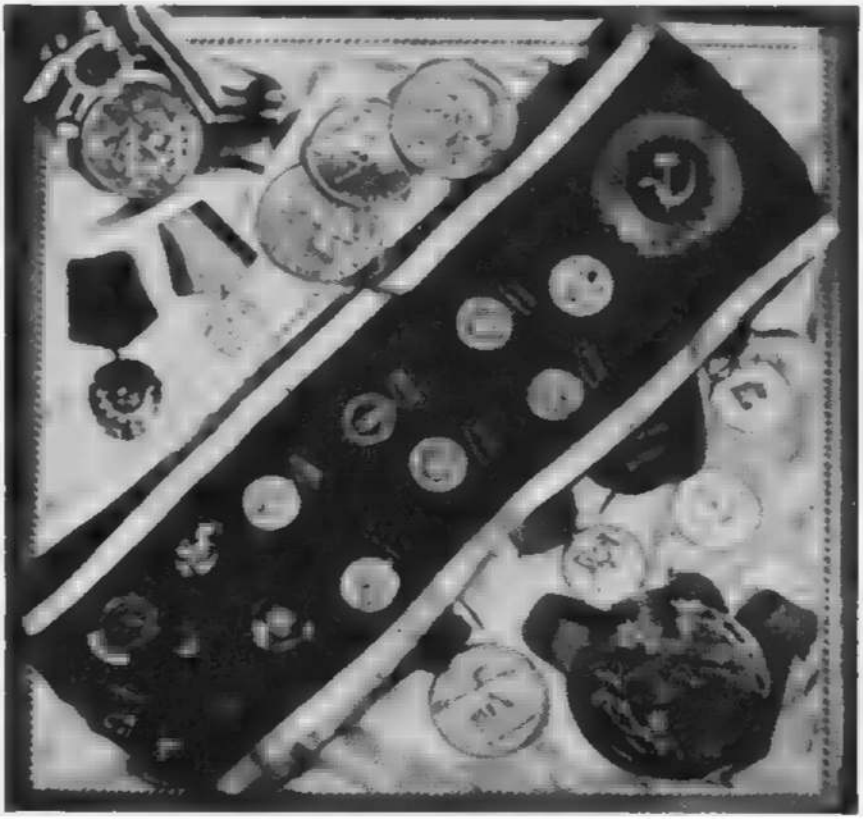

رسم کے مطابق تین بار بوسہ لے کر کہا: ”اگر تم میرے بیٹے ہوتے تو مجھے اس پر فخر ہوتا!“

میں بھی ولیری کو اپنا بیٹا ہی سمجھتا ہوں۔ بلامبالغہ میں کہہ سکتا ہوں کہ خود ولیری اپنے بارے میں اتنا نہیں جانتا جتنا کہ میں جانتا ہوں۔ مکہ بازی کے حلقے میں وہ مصمم اور دلیر ہوتا ہے لیکن اصل زندگی میں وہ شرمیلے پن کی حد تک منکسر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ روزانہ ٹریننگ کے بعد وہ اس کی کھڑکی کے نیچے گھنٹوں کھڑا رہتا تھا۔ لڑکی کو باہر بلانے میں اسے شرم آتی تھی!

آدمی کا کردار جیتنے کے بجائے ہارنے کے وقت زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ہارنےوالا مکہباز ریفری، استاد، غرضیکہ کوئی بھی آس پاس ہو اسے اپنی شکست کا ذمےدار ٹھہراتا ہے لیکن اپنی غلطی نہیں دیکھتا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ولیری اس معاملے میں بالکل مختلف ہے۔ مجھے یاد ہے جب وہ لودز میں والاسیک سے ہارا تھا۔ جوں ہی ریفری نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا ولیری آگے بڑھا اور تمام تماشائیوں کے سامنے والاسیک کا ہاتھ اوپر اٹھایا، پھر وہ اس کے استاد اشتام کے پاس گیا اور انہیں مبارکباد دی۔

مکہبازوں کو وزن کے اعتبار سے دس گروپوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشکل کام دوسرے درمیانہ وزنوالوں کا ہوتا ہے (۷۵ کلوگرام)۔ اس گروپ کے مکہباز کو ہلکے وزنوالے مکہباز کی طرح پھرتیلا اور تیز ہونا چاہئے اور بھاری وزن کے مکہباز جیسا حملہ کرنے میں قوی اور طاقتور بھی۔ اس گروپ میں ہر سال نئے نئے چیمپین ابھرتے ہیں۔ وزن کے اسی گروپ میں سوویت یونین نے بہترین مکہباز پیدا کئے ہیں — کونستنتین گرادوپولوف،

یوگینی اگورینکوف اور گینادی شاتکوف۔ لیکن ان میں کوئی بھی ولیری کی طرح چھ بار مسلسل قومی چیمپین نہیں رہا۔

ولیری کے لئے میں کیا تمنا کر سکتا ہوں؟ سب سے پہلے یہ کہ وہ آخر تک چیمپین اور مکہ‌بازی کے حلقے کو خدا حافظ کہنے تک غیرمفتوح رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ علمی میدان میں بھی اسے کامیابیاں حاصل ہوں۔ اس نے ڈی۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں وہ مزید ترقی کرے گا۔

مجھے صحیح سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں محض مشہور مکہ‌باز ولیری کی قدر نہیں کرتا جو اپنے مد مقابل کو آن کی آن میں فرش پر لٹا دیتا ہے بلکہ اس مکہ‌باز ولیری انسان کی قدر کرتا ہوں جس نے اپنی محنت سے ڈی۔ ایس۔ سی کی ڈگری بھی حاصل کی اور جس کی دیانت، نیکی اور ایمانداری پر میں ہر حالت میں اعتماد کر سکتا ہوں۔

دسمبر ۱۹۶۵ء میں نوجوان کمیونسٹ لیگ کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں ولیری پوپینچینکو نے یہ ناقابل فراموش الفاظ کہے تھے:

”ہم اکثر بڑی بڑی کامیابیوں کے سلسلے میں کھلاڑیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات قابل فہم بھی ہے اور ضروری بھی اس لئے کہ اعلے نتیجوں کے لئے جدوجہد کے بغیر اسپورٹ بے معنی ہو جاتا ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسپورٹ‌مین سماج کے لئے کئی لحاظ سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے — سائنس‌داں، انجنیر یا موجد کی حیثیت سے ... اسپورٹ کے تنگ حلقے میں رہنا بےجا ہے۔ ہر آدمی میں

بے شمار پوشیدہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اسے محدود اور یکطرفہ شخصیت رکھنے کے بجائے صلاحیتیں اجاگر کرنا چاہئے اور اپنی شخصیت کو مربوط طریقے سے بھر پور بنانا چاہئے۔ یہ نہیں بھولئے کہ ایک نہ ایک دن اسپورٹ کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر سماج میں کھلاڑی کیا پوزیشن اختیار کرے اور کس طرح اپنا تجربہ نئی نسل کے حوالے کرے۔ "

پہلی جگہ حاصل کرنا ... ولیری کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ یہ بات بالکل واضح ہے اگر وہ سچے معنوں میں انسان نہ ہوتے تو کبھی وہ یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے متعلق وہ خود کہتے ہیں :

" مدت ہوئی وہ زمانہ گزر چکا جب میں مکےبازی کو اپنی مدافعت کرنے یا کسی مصیبت‌زدہ لڑکی کو بچانے کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ یقین کیجئے کہ باکسنگ کے حلقے سے باہر میں نے کبھی اپنا ہنر نہیں دکھایا۔ میں ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ مکےبازی نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے اور میرا کردار ڈھالنے میں بڑی مدد دی ہے۔ جو حضرات مکےبازی کو وحشیانہ کھیل سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کے برعکس میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دوسرے کھیلوں کے مقابلے میں مکےبازی سے انسان زیادہ تحمل، قوت ارادی اور آزادی سیکھ سکتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہونگے کہ بائرن اور ہیمینگوئے جیسی شخصیتیں مکےبازی کی شوقین تھیں۔

" مکےبازی نے مجھے جرأت کا مطلب سمجھایا — نہ صرف جسمانی لحاظ سے بلکہ اس پہلو سے بھی کہ اپنی رائے پر کس طرح قائم رہنا چاہئے۔ اور مکہ بازی نے ہی مجھے ایک سچا دوست دیا۔ میرا مطلب بوریس لاگوتین سے ہے۔

”جب میں جیتتا ہوں تو مجھے خوشی ہوتی ہے ۔ یہ بات میں نے کبھی نہیں چھپائی ۔ لیکن میرا عقیدہ ہے کہ صرف دیانت سے لڑنے کے بعد ہی آدمی کو جیتنے اور پہلی جگہ حاصل کرنے کا حق ملتا ہے ۔ یہ بھی میں نے سکہ‌بازی سے سیکھا ہے ۔ “

از : یوری زیرچانینوف

جمناسٹک
اور
حسن

سوانح حیات کا خاکہ :

تتیانا وکٹروونا کرافچینکو
۱۹۴۰ء میں ایک مزدور گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ماسکو کی رہنےوالی ھیں۔
جسمانی ورزش کے انسٹیٹیوٹ (ماسکو) سے ڈگری حاصل کی۔ آج کل بچوں کے اسپورٹ اسکول میں استانی ھیں۔
شادی‌شدہ ھیں۔ خاوند سوویت فوج میں افسر ھیں۔
تتیانا کرافچینکو فنی جمناسٹک کی ماسٹر ھیں، وہ سوویت یونین کی ایک بہترین جمناسٹک کرنےوالی خاتون تسلیم کی جاتی ھیں اور عالمی مقابلے میں دوسرا انعام حاصل کر چکی ھیں۔
پسندیدہ چیزیں : فنی جمناسٹک۔ موسیقی۔ سینما۔ مایاکوفسکی کی شاعری ۔ آب دوز ماھی گیری ۔ گرمیاں۔
غیرپسندیدہ چیزیں : ریاکاری ۔ جاز موسیقی (پرشور)۔ سردیاں۔

مزید تفصیلات

"تانیا، اس خاکے میں تو آپ کی زندگی اور کردار کے محض خدوخال ھی نظر آتے ھیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ان میں میں کچھ رنگ بھر دوں...
"ٹھیک ھے؟ تو سب سے پہلے یہ کہ آپ بہت حسین ھیں۔"
"جی نہیں، یہ صحیح نہیں ھے۔"
"آپ ناراض نہ ھوں۔ میرا مقصد تعریف نہیں بلکہ ایک حقیقت بیان کرنا ھے۔"
"جی نہیں، دیکھئے نا میری ناک بہت بڑی ھے اور دھانہ کتنا چوڑا ھے۔"

" اول یہ کہ ہر شخص اپنے چہرے مہرے کو بدصورت خیال کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ میں بدلنے کی غیرمعمولی صلاحیت ہے۔ اور یہ صرف روشنی اور موسیقی کے ماحول میں جمناسٹک تک محدود نہیں ہے۔ یہ میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔ کچھ ہی دیر پہلے آپ ایک نوجوان گرھستن نظر آ رہی تھیں اور بڑے پرسکون انداز میں کمرے کی چیزیں سلیقے سے جما رہی تھیں ... پھر آپ سوفے پر بیٹھ گئیں اور سر آگے کو جھکائے ہوئے ایک دو سیکنڈ خاموش رہیں۔ اس کے بعد اپنے اور کام کے بارے میں اتنے جوش و خروش سے باتیں کرنے لگیں۔ کتنا تفاوت ہے !

" جب آپ تماشائیوں کے سامنے جمناسٹک کرتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماحول سے بالکل بے خبر ہیں اور آپ کی پوری ہستی سمٹ کر اندرونی " میں " کے اندر آگئی ہے — اسپورٹ‌مین کے جوہر میں۔

" یاد ہے آپ کو جب آپ نے بلانٹر کی موسیقی " اسپورٹ کا مارچ " پر گیند کے ساتھ حسن‌افزا ورزش کی تھی۔ اس کا موضوع خوشی تھا۔ شادمانی ! اس کا مجموعی تاثر چکاچوند ڈالنےوالی مسکراھٹ تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اسپورٹ بےحد پسند کرتی ہیں اور آپ کا مقصد اسپورٹ کے حسن اور رعنائی کو جمناسٹک کے روپ میں پیش کرنا تھا۔ خاص طور پر آپ اسپورٹ کے مخصوص پہلوؤں کو حسن‌افزا ورزش کی شکل میں ڈھالنا چاھتی تھیں — مثلاً والی‌بال کو۔ فرش سے گیند کے ٹکرانے کی کھوکھلی آواز ، جال کے اوپر جسم کا اٹھنا ، پرجوش دلچسپ مقابلہ۔ "

" یہ ورزش زیادہ کامیاب نہیں رہی۔ مشکل یہ تھی کہ میں والی‌بال اچھی طرح کھیلنا نہیں جانتی۔ "

" صحت‌پسندی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ جی ؟ آپ کو ایسی چیزیں نظر آتی ہوں‌گی لیکن مجھ جیسے تماش‌بین کو نہیں دکھائی

Москва

دیں ۔ اس میں اہم چیز کامیابی کے لئے جدوجہد اور اپنے جسم پر مکمل قابو تھا ۔ کھیل والی‌بال ہو یا پنگ پانگ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

" دوسری حسن‌افزا ورزش کو لیجئے — موسیقی کے ساتھ ورزش ۔ جی ہاں ، لستوف کا مشہور گیت " تچانکا " (مشین گن بردار گھوڑا گاڑی) تھا ۔ مجھے یاد ہے آپ نے ایک بار کہا تھا کہ اس کے لئے آپ پہلے ذہنی تیاری کرتی ہیں اور اسے اپنا خاص رنگ دیتی ہیں ۔ آپ گزر گاہوں میں اس طرح بیزار اور خاموش گھومتی ہیں کہ کسی کو آپ کے قریب آنے کی جراٴت نہ ہو ۔ مظاہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں اسکپنگ رسی نہیں تھی بلکہ تیغ بران چمک رہی تھی یا مشین‌گن شعلے اگل رہی تھی ۔ ہم لچکیلے اشارے کرنےوالی خاتون کے بجائے سرخ فوج کے ایک ایسے سپاہی کو دیکھ رہے تھے جو میدان جنگ میں کود رہا ہے اور جیسے آگ اور دھوئیں ، آندھی اور طوفان نے گھیر لیا ہے ۔ ایسے وقت آپ اپنے آپ سے قریب تر ہوتی ہیں ۔

" میں اسپورٹ کی اصطلاحیں استعمال کرنے کا قائل نہیں ہوں ۔ پھر بھی آپ کا کیا خیال ہے " فری اسٹائل ورزش " یا " آزاد طرز کی ورزش " جیسے فقرے بےمعنی چیز نہیں ہیں ؟ مجھے یاد ہے کہ آپ لیسٹ کی موسیقی پر اسی قسم کی ورزش کر رہی تھیں ۔ اس وقت مجھے ایک منظر یاد آیا جس نے مجھے یہ سمجھنے میں مدد دی کہ آپ کس بات کا اظہار کرنا چاہتی ہیں ۔ میں کونتسیوا میں آپ کے گھر میں تھا ۔ ایک ریکارڈ بج رہا تھا ۔ گانےوالے کی آواز بھاری اور چٹخی ہوئی تھی ۔ شاید ریکارڈ پرانا ہو ۔ آپ کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی خاموشی سے موسیقی سن رہی تھیں ۔ آپ کی پیشانی کھڑکی کے شیشے سے لگی ہوئی تھی ۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آپ کے خمیدہ سر اور پرسکون منحنی ہاتھوں میں موسیقی اتر آئی ہے ۔ یہ صدائے بازگشت اور ہم‌آہنگی تھی ۔ "

" یہ سکون کی کیفیت نہیں تھی۔ آپ غلطی کر رہے ہیں۔ لیسٹ کی موسیقی میں سکون کے لمحے بہت کم ملتے ہیں۔ اس کی موسیقی تو مسلسل جدوجہد کی موسیقی ہے۔ زندگی بھی ایسی ہی ہے — جد وجہد اور کبھی کبھی سکون کے لمحے۔ "

" اب میں سمجھا کہ انسٹی ٹیوٹ کے لڑکے آپ کے پاس آتے ہوئے کیوں ڈرتے تھے۔ وہ تندرست، خوبصورت، فیشن ایبل کپڑے پہننے والے نوجوان تھے اور ناچنا بھی خوب جانتے تھے۔ انسٹی ٹیوٹ کی دوسری لڑکیاں انھیں پسند کرتی تھیں۔ لیکن آپ نارضامندی کی نظروں سے بیچاروں کو ڈرا دیتی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ تم غیر سنجیدہ لوگ نالائق ہو ! "

" کیا میں ایسی نظر آتی تھی ؟ جانتے ہیں آپ، میں حیرت کرتی تھی کہ کوئی مجھے گھر تک چھوڑنے کی پیش کش نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ میں گھر تنہا آیا کرتی تھی۔ "

" برسبیل تذکرہ، آپ کے شوہر والنتین نے مجھے بتایا کہ شروع میں وہ آپ سے ملتے ہوئے کتنے شرماتے تھے حالانکہ جب آپ انسٹی ٹیوٹ کے پہلے سال میں تھیں تب ہی سے وہ آپ کو پسند کرنے لگے تھے۔ انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ پہلی بار دیکھتے ہی آپ کی بھوری آنکھیں انھیں خوابوں میں نظر آنے لگی تھیں۔

" اگر پہلی نظر میں محبت واقعی کوئی چیز ہے تو یقینی آپ نے بھی کچھ تو محسوس کیا ہوگا ؟ اب آپ خوش ہیں ؟ "

" بہت زیادہ، ان پورے پانچ برسوں میں۔ ایک بات جو مجھے پریشان کرتی رہتی ہے یہ ہے کہ میں اچھی گرہستن نہیں ہوں۔ مجھے کھانا پکانا نہیں آتا۔ میں سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ "

" وہ کیسے ؟ "

" میں کتابیں پڑھ رہی ہوں۔ آدمی اور کیسے سیکھتا ہے ؟ "

" اسکول کے زمانے میں تتیانا ہوشیار طالب علم سمجھی جاتی تھیں۔

ماں نے چاہا کہ وہ اسکول میں سلائی کا کام بھی سیکھیں لیکن ایسی باتوں سے ان کی دلچسپی بہت کم تھی۔ اس کے بجائے تتیانا نے فنی جمناسٹک سیکھنا شروع کر دی۔ شاید بنیاد ھی ٹیڑھی پڑی۔

" ہم اپنی زندگی کی کسی نہ کسی منزل میں سوچتے ھیں : اگر میں نے پھر سے زندگی شروع کی تو کیا کروں گا؟ کیا میں یہی راہ اختیار کروں گا یا کوئی دوسری؟ تتیانا، آپ نے ڈاکٹر بننے کا بھی خواب دیکھا تھا۔ مجھے معلوم ھے کہ آپ کو فلم میں حصہ لینے کے لئے بھی مدعو کیا گیا تھا، آپ آزمائش میں کامیاب رھی تھیں۔ کیا کبھی آپ اپنی موجودہ پسند پر پچھتاتی ھیں؟ "

" بالکل نہیں۔ میں اپنا موجودہ کام کسی دوسرے کام سے کبھی نہیں بدلوں گی۔ آخر کاھے کو! "

" تتیانا، ایک اور سوال۔ آپ بحیثیت استانی کے اپنے آپ کو کیسا سمجھتی ھیں؟ "

" غالباً لڑکیاں مجھے توجہ سے نہیں سنتیں۔ ھو سکتا ھے کہ وہ مجھے مغزچاٹ خیال کرتی ھوں۔ میری رائے میں اھم چیز انھیں سبھاو اور لباس کا ذوق سکھانا ھے — صرف جمناسٹک کے لئے ھی نہیں بلکہ روزمرہ کی زندگی میں بھی۔ "

" میں نے دیکھا ھے کہ لڑکیوں کو سبق پڑھاتے وقت آپ کی آواز بہت سنجیدہ ھو جاتی ھے۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ انسٹی ٹیوٹ میں جو چیزیں آپ نے سیکھی تھیں انھیں آپ احتیاط سے دھرا رھی ھیں: ایک، دو، تین۔ مڑو، دو، تین۔ گیند پکڑو، تین۔ جلدی نہ کرو، تین ... لیکن جب مشق کے وقت لڑکیوں کو خود دکھاتی ھیں تو آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ ھنستی ھیں اور سمجھاتی ھیں (بلکہ صحیح یہ ھوگا کہ لڑکیوں کو محسوس کرانا چاھتی ھیں): " گیند سے دوستی کرو، اسے اپنا مخالف مت بناؤ۔ اسے رام کرو۔ تم اسے زندہ چیز سمجھو۔ ٹھیک ھے؟ اب مجھے دیکھو۔ "

”سبق اس وقت ختم ہوتا ہے جب ہر لڑکی اس ورزش کا مظاہرہ کرتی ہے جو وہ دن میں سیکھ چکی ہے ۔ اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب وہ پورے نمبر حاصل کرتی ہے ۔

”ٹھہرو ، ٹھہرو ! مظاہرہ ختم کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے ۔ سیدھی کھڑی ہو اور ججوں کا شکریہ ادا کرو ۔ پھر تم جا سکتی ہو ۔ اچھا تو اب پھر شروع کریں ، پھر “ ...

”بعض لڑکیاں چڑکر کہتی ہیں : ” ہونہہ ۔ یہ مشق نہیں ہوئی ، اولمپکس کا مقابلہ ہو گیا ! “

”اور تتیانا وکٹروونا مسکرا دیتی ہیں — بڑی متانت سے لیکن ذرا روکھے پن کے ساتھ ... اور کہتی ہیں :

”ایک مرتبہ اور ... تصور کرو کہ تم اہم مقابلے میں حصہ لے رہی ہو ۔ ترقی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ہر مشق کو تم مقابلے کی تیاری سمجھو ۔ “

”اسکول کے بعد آپ گھر پیدل جاتی ہیں ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو تنہا سوچتے ہوئے پیدل چلنا پسند ہے ۔ آپ کے گھر میں میں نے نئے سال کا کارڈ دیکھا ہے جسے آپ کی ایک عزیزترین دوست لیلیا نظمت‌دینووا نے بھیجا تھا ۔ اس کارڈ میں گھنی جھاڑیاں دکھائی گئی ہیں اور آگے ایک تنہا شخص جا رہا ہے ۔ مماثلت بالکل ظاہر ہے ۔ لیکن اس ڈر سے کہ اسے نظرانداز نہ کر دیا جائے لیلیا نے اس شکل کی طرف کھینچ کر لکھا — ” تتیانا ، یہ تم ہو “ ۔ مجھے معلوم ہے کہ جب آپ جنگل میں تنہا چہل قدمی کے لئے جاتی ہیں تو اکثر ساتھ ٹرانسسٹر لے جاتی ہیں ۔ لیکن آپ بہت کم اسے بجاتی ہیں ۔ جی ہاں ، موسیقی ایسی ہو کہ وہ درختوں کے نرم جھونکوں ، بادلوں کی پرواز اور گھاس کی بالیدگی کے ساتھ سر ملائے ۔ وہاں شوروشغب‌والا جاز بھلا کون سننا پسند کرے گا ۔ اس سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے آس‌پاس کی چیزیں دیکھے اور سوچے ۔ “

" آپ کیا سوچتی ہیں ؟ "

" پتہ نہیں - دنیا کے بارے میں ، اپنے بارے میں بھی - "

" ایسی باتوں کو الفاظ میں بیان کرنا بہت ھی مشکل ہے - میٹرو میں آپ اکثر لوگوں کے چہرے دیکھتی ہیں اور اندازہ لگانے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں - یہ نوجوان لڑکا خوش نظر آتا ہے ، وہ عورت غمگین ہے ، یہ مرد جس کے ہاتھ میں پورٹ‌فولیو ہے پریشان دکھائی دیتا ہے اور کونے میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی کس خیال میں ڈوبی ہوئی ہے ؟ شاعری ؟ ریاضی کا فارمولا ؟ یا محبت ؟ تتیانا ، سچ بتائیے جو آپ حاصل کر چکی ہیں اس سے آپ مطمئن ہیں ؟ "

" واقعی نہیں - میں اکثر محسوس کرتی ہوں کہ میری دلچسپیاں زیادہ وسیع نہیں ہیں - مثلاً میں کم پڑھتی ہوں - "

" کیا پڑھنے کے لئے آپ کو کافی وقت نہیں ملتا ؟ "

" وقت کی بات بے‌کار ہے - آدمی جب چاہے اور جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے ... بس میں ، ٹرین میں ، ہر جگہ - میرے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ میں کھڑکی سے درخت دیکھنے لگتی ہوں ، خاص کر سردیوں میں جب وہ ترشے ہوئے بلور جیسے نظر آتے ہیں اور ہوا سے ان کی ٹہنیاں جھومتی ہیں - "

" آپ کا کیا خیال ہے ، کیا آپ جمناسٹک کے ذریعے فطرت کا اظہار کر سکتی ہیں ؟ "

" ظاھری معنوں میں نہیں - یہ بہت پیچیدہ معاملہ ہے - اگر ہم فطرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ہمیں اس کا مشاھدہ کرنا چاہئے ، اسے محسوس کرنا چاہئے - "

" آپ نے درست کہا - زندگی کو قریب سے دیکھنا چاہئے — شاخوں کی سرسراہٹ میں ، لوگوں کی آنکھوں میں ، گزرتی ہوئی موٹر کی چمک میں، پرندوں کی پروازمیں اور نالی پر چپکے ہوئے برف میں - اسے آپ شعروں

24*

اور سمندر کے طوفان میں ، موسیقی اور پیروں تلے برف کی چرمر میں اور بچوں کی آوازوں میں سن سکتی ھیں ۔ اس کے بعد تشریح کی باری آتی ھے ۔ کسی چیز کو دیکھنے کے بعد ھی آدمی اس کے بارے میں گا سکتا ھے ۔ اور تشریح کرنا فن‌کار پر منحصر ھے ۔ جہاں تک آپ کا تعلق ھے تو یہ فن‌کارانہ جمناسٹک ھے ۔ ٹھیک ھے نا ؟ ‘‘

’’ بالکل ۔ میرا مطلب بھی یہی تھا ۔ ‘‘

’’ تتیانا ، اب میں سوچ رہا ھوں کہ میں نے آپ کی دوسری دلچسپیوں کے متعلق بہت کم بات کی ھے ۔ آپ کے جمناسٹک کے مظاھرے ، کامیابیاں ، آپ کی پسند کا لباس اور بالوں کا فیشن ، آبدوز ماھی گیری — یہ سب آپ کی روح کا عکس ھیں ۔ لیکن فن سے آپ کی محبت سب پر بھاری ھے ۔ اچھا ھے ، دلچسپیاں وسیع ھوں ، ھمہ‌پہلو شخصیت کی بات بھی ٹھیک ھے ۔ لیکن مبارک ھیں وہ لوگ جن کے لئے ان کا محبوب کام ایک رنگ برنگی ، روشن اور چمکیلی دنیا ھے ۔

انفرادی انداز

ماریا لسیتسیان— سوویت یونین کی معزز ٹرینر :

’’ تتیانا کرافچینکو ھم آھنگی کے قانون اچھی طرح سمجھتی ھیں ۔ اس کے علاوہ ان کا جمالیاتی ذوق انتہائی گہرا اور تخلیقی تصور بےحد بلند ھے ۔ پہلے تتیانا موسیقی پر پوری طرح حاوی نہیں تھیں لیکن اب وہ اسے سننے اور اس کے متعلق سوچنے پر کافی وقت صرف کرتی ھیں ۔ ‘‘

والینتینا باتاین —
سوویت یونین کی فنی جمناسٹک کی فیڈریشن کی سکریٹری :

” تتیانا کرافچینکو بہت محنتی ، مستقل‌مزاج ھیں اور اپنے فن سے محبت کرتی ھیں۔ پراگ میں عالمی مقابلے کے وقت ایک افسوس‌ناک حادثہ پیش آیا۔ بالکل آخری دن جب لودمیلا سوینکووا گیند کے ساتھ جمناسٹک کر رھی تھیں تو وہ ناکام رھیں۔ اس سے پہلے ان کی پوزیشن دوسری تھی اور تتیانا کی پانچویں۔ ھر شخص فکرمند تھا۔ اگر مقابلے میں کسی جمناسٹک کرنےوالی کو حادثہ پیش آتا ھے تو اس کا اثر اس کے ساتھیوں پر بھی پڑتا ھے۔ لیکن تتیانا نے اچھا مظاھرہ کرنے پر اپنا پورا زور لگا دیا — آزاد طرز کی ورزش میں انھیں سونے کا تمغہ ، اور گیند کی ورزشوں میں چاندی کا تمغہ ملا اور مجموعی نتیجوں کے لحاظ سے انھوں نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ “

مستقبل

” آنےوالے برسوں میں آپ اپنےلئے کیا چاھتی ھیں ؟ “

” کامیابی حاصل کرنا جہاں میں ابھی تک ناکام رھی ھوں۔ میری یہ بھی تمنا ھے کہ جمناسٹک میں میں ایک نیا عنصر شامل کروں۔ یہ عنصر ایسا ھوگا جسے کسی نے ابھی تک پیش نہیں کیا ھے۔ اسے میں محسوس کر رھی ھوں لیکن فی‌الحال وہ ایک خیال ھی ھے۔ “

” دس سال کے بعد آپ کیا پسند کریں‌گی ؟ “

” دس سال کے بعد میں ان لڑکیوں سے مقابلہ کرنا چاھوں‌گی جنھیں میں آج کل سکھا رھی ھوں ، اور ان کی کامیابی پر خوش ھوں گی۔ “

از : استانسلاف توکاریف

پرانے معمے کا حل

”تبلیسی یونیورسٹی کے شعبہ علمی ریاضی کے طالب‌علم اور نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبر تیموراز ویپخوادزے نے لیوویل فارمولے کو صحیح ثابت کر دیا جو ایک سو برس سے سائنس‌دانوں کے لئے معمہ بنا ہوا تھا۔“
(اخبار سے ایک خبر)

یہ سیدھا سادھا اعلان ۱۹۶۵ ء میں اخباروں میں شائع ہوا تھا۔ اس کا تعلق تیموراز ویپخوادزے کی ریاضی کے میدان میں ایک غیر معمولی دریافت سے تھا جب وہ یونیورسٹی کے چوتھے سال میں پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے ثابت کردیا کہ انیسویں صدی کے فرانسیسی ریاضی‌داں جوزف لیوویل کا فارمولہ صحیح ہے۔

فرانسیسی سائنس اکادمی کے ممبر جوزف لیوویل اپنے زمانے کے زبردست ریاضی‌داں تھے۔ انھوں نے بیضوی عمل کا نظریہ اور جامد میکنکس کا بنیادی اصول پیش کیا، وغیرہ۔ وہ ریاضی کے متعلق ایک رسالہ ”ژورنال دے ماتیماتیک پیور اے اپلیکے“ بھی پیرس سے شائع کیا کرتے تھے۔ اسی رسالے میں انھوں نے ۱۸۶۵ ء میں اپنی تصنیف ”قدرتی ھندسوں کو دو درجی شکلوں میں پیش کرنے کے متعلق“ شائع کی۔ انھوں نے یہ بات پوری طرح ثابت نہیں کی بلکہ ھندسوں کے اس نظریے کے متعلق کئی غیر ثابت‌شدہ فارمولے آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ دئے۔

کیا وہ اپنے ہم‌عصروں کو چیلنج دے رہے تھے یا غیرمعمولی تخلیقی قوت رکھنے‌والے انسان کی حیثیت سے دنیا کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے؟ اس کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ بہرحال ایک سو سال کے بعد ۱۹۶۵ ء میں جب ”لیوویل کے بعض فارمولوں کے متعلق“ کے عنوان سے ایک رپورٹ پہلے طالب‌علموں کی کانفرنس میں اور پھر تبلیسی یونیورسٹی کی عالموں کی کونسل میں سنائی گئی تو ان کا ثبوت فراھم ہوا۔

یونیورسٹی کے طالب‌علم تیموراز ویپخوادزے کے ھاتھ یہ ایک صدی پرانا معمہ کیسے آیا ؟ اتفاق سے ؟ جی ھاں ، اگر ھم امکانات کا قانون مانتے ھیں تو اس کے مطابق ”واقعہ ’’ا ،، جو لازمی شرطوں کے تحت رونما ھو سکتا ھے یا نہیں ھو سکتا ان شرطوں کے لحاظ سے اتفاقی ھے - ،، چنانچہ لیوویل کا فارسولا حل کرنے کے لئے تیموراز کو تین شرطیں پوری کرنا تھیں :

(۱) وہ پیدا ھوں

(۲) وہ ریاضی‌داں ھوں

(۳) لیوویل سے دلچسپی لیں -

جیسا کہ ھم جانتے ھیں یہ شرطیں پوری ھوئیں اور واقعہ ’’ا ،، رونما ھوا -

اس اھم دریافت کا اندازہ لگانے کے لئے میں تبیلیسی یونیورسٹی کے شعبہ سائنس کے سربراہ پروفیسر مگنارادزے اور پروفیسر لومادزے سے ملا جنھوں نے تیموراز کو ھندسوں کا نظریہ پڑھایا تھا - انھوں نے بڑے تحمل سے مجھے جدید علم ریاضی کی اھمیت سمجھائی اور بتایا کہ ریاضی کے طریقے کس طرح تیزی سے ھماری روزمرہ کی زندگی میں داخل ھو رھے ھیں - روسی ادبی نقاد پیساریف نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ریاضی انسانی دانش کی سب سے نیک تخلیق ھے ، اسے احتیاط سے اور ایمانداری کے ساتھ پروان چڑھانا چاھئے - یہ الفاظ سننے کے بعد میں نے تیموراز ویپخوادزے کی دریافت کی قیمت محسوس کی -یہ نہ صرف ریاضی کی ترقی میں ایک دین تھی بلکہ اس سے نوجوان ریاضی‌داں کو بھی اپنی تحقیقات میں بڑی مدد ملی - تیموراز اسے ڈی-ایس-سی کی ڈگری کے لئے بطور مقالہ پیش کر سکتے تھے لیکن اپنے استاد کے مشورے پر ایسا نہیں کیا -

لیوویل فارمولے کے سلسلے میں تیموراز کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ھے - اس میں سنسنی‌خیز اطلاعات اور مبالغہ‌آمیز باتیں سب ھی

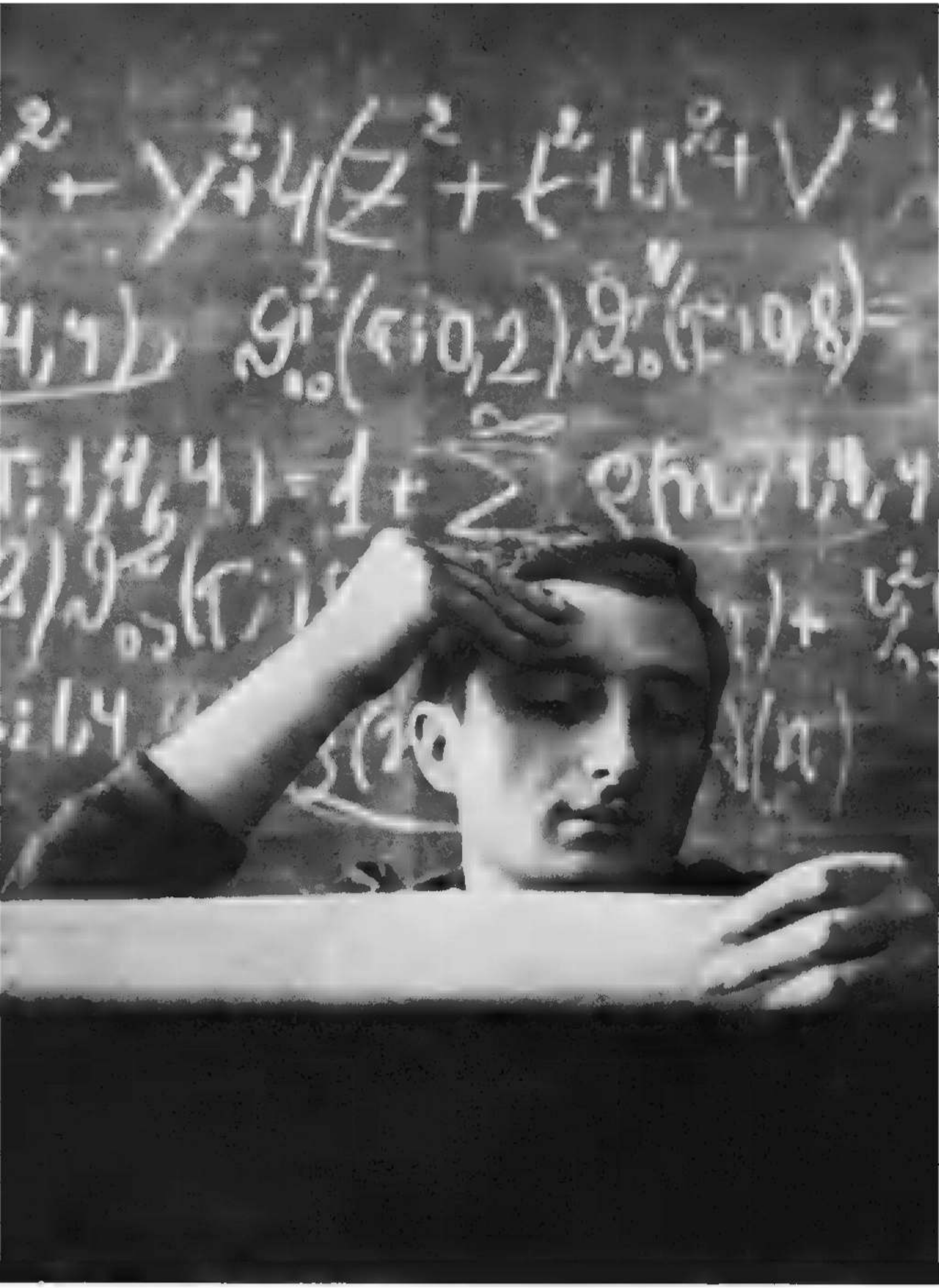

شامل ھیں۔ تصویروں میں ان کا چہرہ بھی ذرا حیرت‌زدہ دکھائی دیتا ھے۔ جب میں تیموراز سے ملا تب ھی مجھ پر اس حیرت کا راز کھلا۔ انھوں نے بڑی سادگی سے کہا :

”مجھے اس بات کا بالکل یقین ھے کہ پچھلے سو برسوں میں دنیا کے بڑے بڑے ریاضی‌داں لیوویل کے غیر حل‌شدہ فارمولے پر مغزپچی نہیں کر رھے تھے اور نہ سائنس‌دانوں نے یہ مسئلہ حل ھونے پر بوکھلاھٹ میں اپنے سر کھجائے۔ لیکن یہ بھی چھپانا نہیں چاھتا کہ میں اپنی کامیابی پر مسرور ھوں۔“ اپنے متعلق اس سے زیادہ تیموراز نے اور کچھ نہیں کہا۔

ایک نوجوان بقراط سے نہیں بلکہ ایک بے تصنع، بردبار اور باصلاحیت انسان سے میری جان پہچان اس طرح شروع ھوئی۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ کس چیز نے انھیں اس ایک صدی پرانے فارمولے کی جانب مائل کیا تو انھوں نے سادگی سے جواب دیا :

”اس کے حسن نے۔“

میں ریاضی کے فارمولوں کے ”حسن“ کے متعلق کافی پڑھ چکا تھا لیکن جب پہلی بار اپنے کانوں سے سنا تو عجیب محسوس ھوا۔

میں نے سیاہ تختے پر نظر دوڑائی۔ اس پر ھندسوں اور نشانوں کے پیچیدہ جال پھیلے ھوئے تھے۔ ان میں ایسے کم تھے جو میں نے اسکول میں پڑھے تھے۔ ھندسوں کی قطاروں پر ادھر ادھر ایسے الفاظ لکھے تھے جو پڑھے ضرور جا سکتے تھے لیکن مجھ ناچیز کےلئے ان کا مطلب سمجھنا ناممکن تھا۔ مثلاً — ”اس طرح“، ”دوسری طرح“، ”اس لئے“، ”برابر ھے“ وغیرہ۔

ایسے موقعوں پر اکثر لوگ ”جی“، ”جی ھاں“ کہہ کر اپنی جہالت چھپا لیتے ھیں۔ میں یہ نہ کر سکا اور شرم سے میرے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

تیموراز نے فوراً میری مدد کی :

” آپ جانتے ھیں، مجھے فٹ بال کھیلنے میں اب بھی مزہ آتا ھے ۔ “
میری شرمندگی دور کرنے کے لئے انھوں نے موضوع بدلدیا اور اپنے بچپن کی باتیں سنانے لگے جب وہ لڑکوں کی کہاوت ” جہاں گیند ھے وھاں سب لڑکے ھیں “ کے مطابق دوڑ کر فٹ بال کے میدان جایا کرتے تھے ۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ جارجیا کی جونیر ٹیم میں کھیلتے تھے اور ۱۹۵۴ ء سے وہ ھر اچھے میچ کو دیکھنے جاتے رھے ھیں حالانکہ اسکول میں ان کے ریاضی کے استاد ایاشویلی نے ایک دفعہ کہا تھا :
” فٹ بال تمھارے لئے نہیں ھے ۔ “
فٹ بال سے تیموراز کی دلچسپی کوئی اھم موضوع نہیں ھے ۔ میں نے اس کا ذکر صرف اس لئے کیا کہ اس سے ان کے کردار کا اندازہ ھوتا ھے ۔ ان کی میز پر ریاضی کا ایک سوال رکھا ھوا تھا جسے پروفیسر آسانی سے کسی دوسرے کو دے سکتے تھے ۔ سہ پہر کو انھیں فٹ بال کا دلچسپ میچ دیکھنا تھا ۔ اس کا ٹکٹ جیب میں تھا ۔ ریاضی کا سوال حل کرنے میں دیر ھو سکتی تھی اور وہ میچ دیکھنے سے محروم ھو سکتے تھے ۔ لیکن تیموراز نے اسے واپس نہیں دیا یہ سوچ کر کہ ” پروفیسر یہ نہ خیال کریں کہ میں سوال کو حل نہیں کر سکتا “ ۔ سب کچھ ٹھیک رھا ۔ انھوں نے سوال بھی حل کر لیا اور فٹ بال کا میچ بھی دیکھ لیا ۔
تیموراز اسکول میں ریاضی اس لئے پسند کرتے تھے کہ وہ اسے آسانی سے سمجھ لیتے تھے اور اس میں استحان پاس کرنا مشکل نہیں ھوتا تھا ۔ جب وہ نوجوان کمیونسٹ لیگ کے ممبر بنے تو ان کی سرگرمیاں زیادہ تر ریاضی کے گرد رھیں ۔ اس سلسلے میں قسمت نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔ جب ان کے دوستوں نے دیکھا کہ ریاضی میں ان کی اچھی صلاحیت ھے تو انھوں نے ان کی ھر طرح سے مدد کی تاکہ یہ صلاحیت اور چمکے ۔ چنانچہ ریاضی کے مقابلے منظم کئے گئے اور اسکول میں ابتدائی ” سائنسی “ کام شروع کیا گیا ۔ ان میں تیموراز

18
ЦЕНТРАЛЬНЫЙ СТАДИОН
„ПАХТАКОР"
18

نے کئی کامیابیاں حاصل کیں اور نوجوان کمیونسٹ لیگ کے بہت سے انعام پائے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی پچھلی اور حال کی (مجھے یقین ہے کہ مستقبل کی بھی) کامیابیوں کے متعلق استاد کے رول پر بہت زور دیتے ھیں۔ ان کا خیال ہے کہ اچھا استاد اپنے طالب‌علم کا مستقبل ڈھالنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

ان کے خاندان میں کوئی بھی ریاضی‌داں نہیں ہے۔ طالب‌علم تیموراز کے مستقبل پر وراثت نے نہیں بلکہ اچھی اتالیقی نے اثر ڈالا ہے۔ ان کے استاد ایاشویلی نے کئی بار اپنے شاگرد کو ریاضی کے مقابلوں میں شریک کرایا۔ وھاں انعام حاصل کرنے کے بجائے وہ فٹ‌بال کے میدان میں دوڑتے رہے۔ لیکن ایاشویلی نے ھمت نہیں ھاری اور اپنی اسی رائے پر جمے رہے کہ لڑکے میں صلاحیت ہے، وہ ضرور ابھرے گی۔

تیموراز کی زندگی میں نیا موڑ کب شروع ھوا، اس کے بارے میں انھیں ٹھیک یاد نہیں ہے۔ غالباً اس وقت جب انھوں نے اسکول سے سونے کا تمغہ حاصل کرکے اور داخلے کا امتحان بہترین نمبروں سے پاس کرنے کے بعد یونیورسٹی کے پہلے ھی سال میں ھندسوں کے نظریے پر کام کرنا شروع کردیا تھا جو عام طور پر آخری سال کے طالب‌علم کرتے ھیں۔ یا پھر اس وقت جب چوتھے سال کے طالب‌علم کی حیثیت سے انھوں نے سائنس کے میدان میں ایک ”غیرمعلوم،، راستہ کھولا اور ان کی تصانیف ”جارجیا کی سائنس اکادمی کی رپورٹ،، میں شائع ھونے لگیں۔ نہیں، یہ اتفاقی کامیابیاں نہیں تھیں جنھیں ھم نیا موڑ کہہ سکیں۔ یہ ان کی ابتدائی تربیت اور ان کے عزم کا منطقی نتیجہ تھیں۔

تیموراز سمجھتے ھیں کہ حسن اتفاق سے انھوں نے لیوویل کا معمہ حل کیا ہے۔ لیکن ان کے دوستوں کی قطعی رائے ہے کہ یہ ماحصل ہے ان کی مسلسل مشقت اور انتہائی ثابت‌قدمی کا، ان کی مضبوط قوت‌ارادی اور اپنے مضمون سے سچی لگن کا۔ اگر کسی ریاضی‌داں کو فارمولے میں واقعی حسن نظر آتا ہے تو اسے وہ یقینی حل کر لے گا۔

از : یوری موسیشویلی۔

ایک نئی سائنس کا بانی

یہ ستمبر ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ سوویت یونین کے کونے کونے سے لوگ بڑی تعداد میں قزاخستان کے ایک شہر جمبول میں جمع ہوئے۔ ان میں ڈاکٹر، زراعت کے ماہر، جانوروں کے معالج، علم حیاتیات کے عالم اور مویشی پالنےوالے سب ہی شامل تھے۔

آخر اتنے بہت سے ماہر ریگستان کے بالکل کنارے پر آباد اس چھوٹے سے شہر میں کیوں وارد ہوئے؟ پچاس برس ہوئے اسی جمبول (پہلے جس کا نام اولئےاتا تھا) کے ایک چھوٹے سے مکان میں جانوروں کے ڈاکٹر کونستنتین اسکریابن نے علم کرمیات (Helminthology) پر کام کرنا شروع کیا تھا۔ یہ سائنس کی بالکل ایک نئی شاخ تھی جس نے مستقبل میں طب، مویشی کے علاج کے علم اور علم زراعت پر اپنا زبردست اثر ڈالا۔

اب پچاس برس کے بعد اسکریابن پھر جمبول میں تھے۔ قزاخستان کی سائنس اکادمی نے اس چھوٹے سے مکان میں، جہاں علم کرمیات نے جنم لیا تھا، اکادمیشن اسکریابن نامی عجائب گھر قائم کردیا۔ اور ۸۲ سالہ بزرگ اسکریابن ہی افتتاحی رسم ادا کرنے کےلئے بلائے گئے۔ پچاس برس کی جدائی کے بعد، دل جذبات سے لبریز، آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اس مشہور سائنس‌داں نے پتھر کی پرانی جھونپڑی کی دہلیز کو پار کیا۔ یہیں سے ان کی شہرت کی شاہراہ شروع ہوئی تھی۔

اس اہم واقعہ کو چند ہی ہفتے گزرے ہوں گے کہ میں کونستنتین اسکریابن کے ماسکو کے فلیٹ میں موجود تھا اور کرمیات کے آغاز کی مسحور کرنےوالی داستان سن رہا تھا۔

"اس سائنس کا پورا مطلب اور اس کی اہمیت سمجھنے کےلئے ایک سادہ حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ۵۰ فیصدی لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے اور باقی لوگ بہ‌ضد اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ آج ہم کرۂارض کے باسی نہ صرف نوع انسان، صاحب فکر انسان کے دور میں رہتے ہیں بلکہ اس دور میں بھی جب زندگی کی کئی دوسری

شکلوں کا حیرت‌انگیز ارتقا جاری ہے - ان میں طفیلی کیڑے بھی شامل ہیں - اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ! طفیلی کیڑے ہر جگہ ہی پائے جاتے ہیں — انسانوں ، پالتو اور جنگلی جانوروں ، پرندوں ، مچھلیوں اور گھونگھوں کے سب کے جسموں میں - وہ زمین ، پانی اور یہاں تک کہ پودوں میں بھی رہتے ہیں - ،،

چوبیس سو سال ہوئے طب کے بانی بقراط نے ان کیڑوں کو ” ہیل‌منتھز ،، (Helminths) کا نام دیا تھا - آج تک ہم طفیلی کیڑوں کی تمام قسموں کے لئے یہی مشترکہ نام استعمال کرتے ہیں - اس مشترکہ زمرے کی بےشمار مختلف قسمیں اور کٹمب ہیں اور پھر ان کی تحتی تقسیم بھی ہے - اگر دنیا کے پرندوں ، مچھلیوں اور جانوروں کی تمام قسموں کو جمع کیا جائے تو ان پر طفیلی کیڑوں کی قسمیں بھاری ہوں گی - برسبیل تذکرہ یہ مخلوق اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ ہماری دھرتی ، اور اپنے شکاروں سے کہیں زیادہ پرانی جن پر وہ زندہ رہتی ہے - ایک پرانی لاطینی کہاوت ہے کہ عقل پختہ عمر کا تحفہ ہوتی ہے - اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ طفیلی کیڑے کیوں بڑے اطمینان سے ”میزبان،، جسموں میں داخل ہوجاتے ہیں -

سویشیوں کے ڈاکٹر پالتو جانوروں کی آنتوں ، پھیپڑوں ، آنکھوں ، شریانوں میں ، یہاں تک کہ بھیجے میں بھی ایک ہزار سے زیادہ مختلف قسم کے طفیلی کیڑے دریافت کر چکے ہیں - اور جہاں تک حضرت انسان کا تعلق ہے تو اس کے جسم کے اندر ڈیڑھ سو سے زیادہ قسم کے یہ کیڑے براجمان رہتے ہیں - زمین پر ان طفیلیوں کے جھنڈ کے جھنڈ گھومتے پھرتے ہیں جہاں سے وہ پودوں کی جڑوں ، پتیوں اور پھلوں پر مسلسل دھاوے بولتے رہتے ہیں -

یہ ذرات جیسے جانور زندہ چیزوں کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا - یہ لوگوں کی صحت برباد کرتے ہیں ،

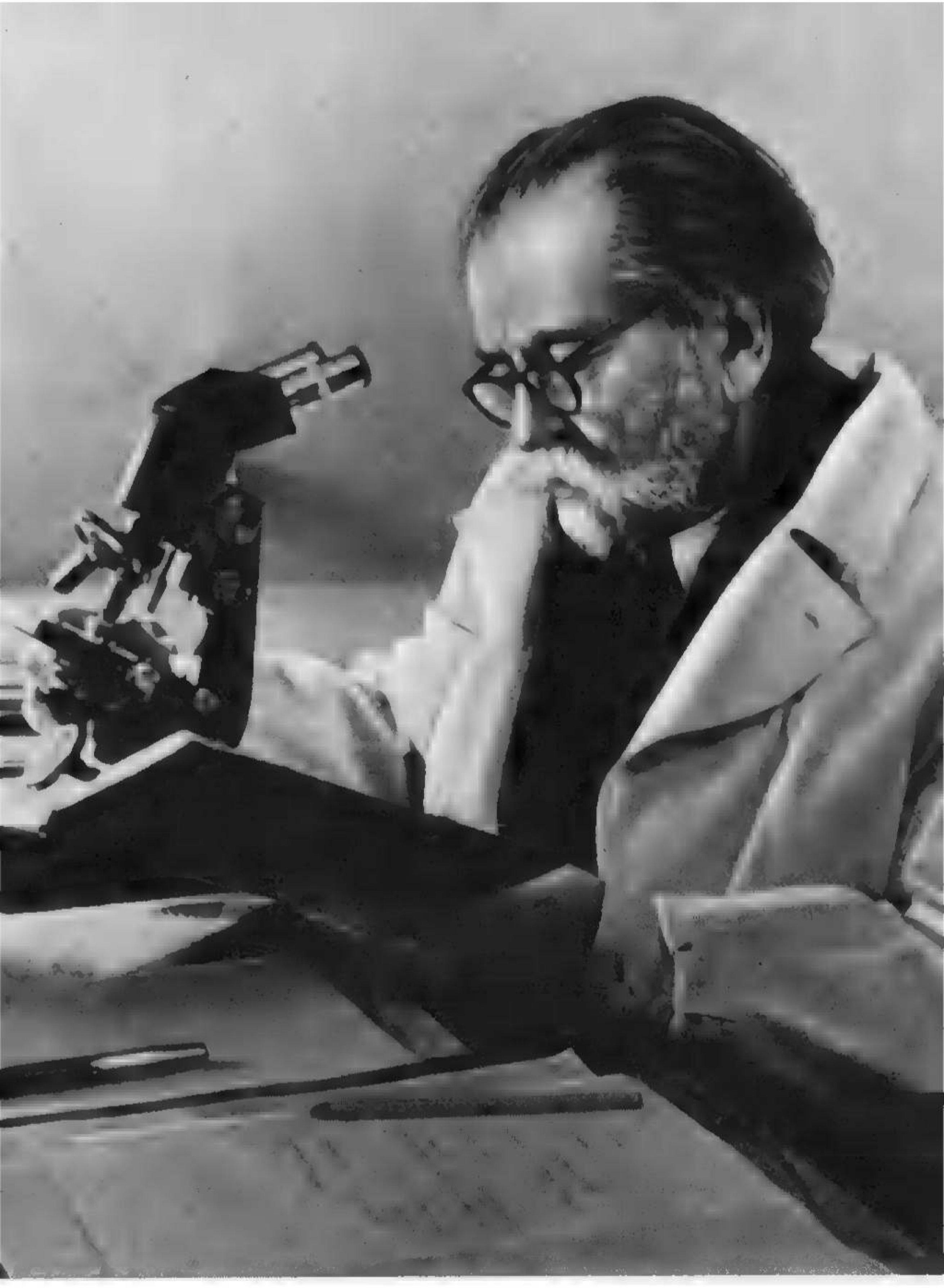

مویشیوں کی صلاحیت پیداوار کم کرتے ہیں اور فصلیں تباہ کرتے ہیں۔ ایسے موذیوں سے دنیا کو نجات دلانا اس نئی سائنس، علم کرمیات اور اس کے بانی کونستنتین اسکریابن کا مقصد ہے۔

یہ اسکریابن ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے معلوم کیا کہ طفیلی کیڑے کوئی اتفاقی شے نہیں ہیں اور انسان اور دوسری جاندار مخلوق کے لئے ان کی حیثیت بےضرر ''پڑوسی،، کی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسکریابن سے پہلے بھی دوسرے لوگ اس مسئلے پر کام کر چکے تھے۔ لیکن ان کی تحقیقات الجھی ہوئی اور نا مکمل تھیں۔

خود بقراط نے طفیلی کیڑوں کو ایک قسم کے سانپ سے خلط ملط کر دیا تھا۔ اور سکندر اعظم کے محترم معلم ارسطو سمجھتے تھے کہ مختلف کیڑوں مکوڑوں کی ابتدائی شکلوں اور طفیلی کیڑوں میں فرق نہیں ہے۔

یہاں تک کہ یورپ کے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے اعلے تعلیم یافتہ ڈاکٹروں کا پختہ عقیدہ تھا کہ طفیلی کیڑے معجزہ کی طرح ''میزبان،، جسم کے اندر خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔ ان ڈاکٹروں میں اگر اختلاف تھا تو بس یہ کہ وہ کس مادے سے جنم لیتے ہیں۔ اکثریت کا خیال تھا کہ وہ ''میزبان،، جسم کے خون اور دوسرے رس سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض کی رائے تھی کہ صرف کھائی ہوئی غذا کے ذروں سے۔

سائنس‌دانوں اور ڈاکٹروں کو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ طفیلی کیڑے کس طرح زندہ رہتے ہیں اور زندہ چیزوں کو چھوت لگاتے ہیں کئی دھائیاں لگ گئیں۔ تب یہ بات دریافت ہوئی کہ ان کیڑوں کے ارتقا کے پیچیدہ دور ہوتے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں مختلف جسموں میں رہتے ہیں۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دھائی میں ڈاکٹروں اور مویشیوں کے معالجوں نے جو اس مسئلے پر کام کر رہے

تھے اچھا خاصا مواد جمع کر لیا تھا۔ اس سے ثابت ھوتا تھا کہ بہت سی بیماریاں ان ھی طفیلی کیڑوں کی وجہ سے پیدا ھوتی ھیں۔

لیکن اسے بدقسمتی کہئے کہ اس نوزائیدہ سائنس کی ترقی کے راستے میں انسان کی کیڑوں سے پرانی حقارت آن کھڑی ھوئی۔ ان "بےضرر" ھم سکینوں سے اکثر و بیشتر ڈاکٹروں اور مویشیوں کے معالجوں کی بےتعلقی کا سبب دراصل یہی تھا۔

آج بھی ایسے بہت سے لوگ ملتے ھیں جو اس کے قائل نہیں ھیں کہ طفیلی کیڑوں کو خاص اھمیت دی جائے۔ ان ھی "بےعقیدہ" لوگوں کے خلاف اکادمیشن اسکریابن گویا ھوئے۔ یہ ننھی "بےضرر" مخلوق جو نقصان پہنچاتی ھے، اس کی انھوں نے صرف دو مثالیں پیش کیں۔ پہلی مثال : سوویت یونین میں ھر سال دماغ کی ایک بیماری سے لاکھوں بھیڑیں مرجاتی ھیں اور اس بیماری کی جڑ یہی چھوٹے کیڑے ھیں۔ دوسری مثال : چنونا (Ascaris) بیماری سے سویشی کو اور زیادہ نقصان پہنچتا ھے۔ اگر تین جوان سور اسی بیماری کا شکار ھو جائیں تو ان کا وزن گھٹ کر سور کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کے برابر ھو جاتا ھے۔ اعداد و شمار ثابت کرتے ھیں کہ مذبح میں جو بیمار سویشی رجسٹر کی گئی اس کا دو تہائی حصہ ان ھی طفیلی کیڑوں کا شکار تھا۔

پچاس سال ھوئے اسکریابن نے طفیلی کیڑوں کے پہنچانے والے زبردست نقصان کا تخمینہ لگا کر خطرے کی گھنٹی بجائی تاکہ سوئی ھوئی دنیا جاگ اٹھے اور اس خطرناک حالت کو محسوس کرے۔ تھوڑے ھی عرصے بعد ملک نے ان کی آواز پر لبیک کہا۔

سوویت یونین میں طفیلی کیڑوں کی سائنس کا پہلا شعبہ ۱۹۱۷ء میں کھولا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں اسکریابن مستقل ماسکو منتقل ھو گئے اور یہاں انھوں نے علم کرمیات کے کل یونین انسٹی ٹیوٹ کے تحت تحقیقات کے لئے کئی ادارے قائم کئے۔

یہ نئی سائنس ڈگمگاتے ہوئے اپنے پہلے قدم بڑھانے لگی۔ لیکن اس وقت بھی اسکریابن کی دور رس نگاھیں بہت آگے دیکھ رہی تھیں۔ تب انھوں نے اس خیال کا پرچار کیا کہ سوویت یونین کو ”طفیلی کیڑوں کے خلاف یہ اھم جنگ اپنی ھی سر زمین تک محدود نہیں رکھنا چاھئے۔ بلکہ کرسیاتی بیماریوں کا قلع قمع کرنے کے اپنے علم اور منصوبوں سے تمام دنیا کو واقف کرنا چاھئے،،۔ تقریباً چالیس برس پہلے یہ خیال بالکل خیالی پلاؤ معلوم ھوتا تھا۔ لیکن اس وقت سے اب تک سوویت سائنس‌داں اس میدان میں جو وسیع کام کر چکے ھیں اس سے کامیابی کا دن قریب آ گیا ھے۔ اکادمیشن اسکریابن، اکادمی کے طالب‌علموں اور کارکنوں نے سوویت یونین کا کرسیاتی نقشہ تیار کیا۔ اس کےلئے اس وسیع و عریض ملک کے مختلف حصوں میں ۳۰۰ سے زیادہ مہمیں بھیجی گئیں۔

مویشیوں کے علاج کی اکادمی کے ایک کمرے میں میری نگاہ اسی نقشے پر پڑی جس میں وہ تمام راستے دکھائے گئے تھے جن پر سے اسکریابن کے شاگرد ایک زبردست کام کو انجام دینے کےلئے گزرے تھے۔ ماسکو سے لال لال لکیریں بالتیکی ریپبلکوں، دونباس، مشرق بعید اور جزیرے نما کولا تک جاتی تھیں۔ تحقیقات کے سلسلے میں طالب علم اوب، ارتش اور اینی‌سی دریاؤں تک پہنچے تھے۔ انھوں نے آرمینیا، وسطی ایشیا، یاقوتیہ اور یورال کی بادہ پیمائی کی تھی۔ ایسا معلوم ھوتا تھا کہ پورے سوویت یونین میں ایک مربع میل بھی نہیں جسے ان ثابت قدم تحقیق کرنے والوں کے پیروں نے نہ چھوا ھو! وسطی ایشیا کے ریگستانوں اور پامال ٹنڈرہ میں انہیں کس چیز کی تلاش تھی؟ وہ کیا شے تھی جس نے ان میں سائبیریا کے تیز و تند دریاؤں کو پار کرنے اور قفقاز کی کھڑی چڑھائیاں سر کرنے کی ھمت پیدا کی؟

شمال بعید میں دریائے اوب کے نشیبی حصے میں اسکریابن اور ان کے مددگاروں نے اس طفیلی کیڑے پیدا ھونے کا ایک بہت بڑا مرکز

دریافت کیا ، جو مچھلیوں کے اندر رهتا هے اور آدمی کو چھوت لگاتا هے ۔ اس طرح انقلاب سے پہلے شمال کی چھوٹی قومیں جس پراسرار بیماری کا شکار هوا کرتی تھیں اس کا پته لگا لیا گیا اور اس کی درجه‌بندی بھی کر لی گئی ۔ اور سب سے اهم بات یه هے که اسے جڑ سے مٹانے کے لئے تدبیریں اختیار کی جا رهی هیں ۔

کونستنتین اسکریابن نے ایک دفعه لکھا تھا : ''شمالی باره سنگھے سے لےکر ریگستان کے اونٹ تک ، بری اور آبی پرندوں سے لےکر جنگلی جانوروں تک جن سے سمور یا غذا حاصل هوتی هے ، مچھلیوں اور پالتوجانوروں سے لےکر خود انسان تک — یه هے هماری تحقیق کا میدان ۔ ،،

اسکریابن وسیع معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مختلف میدانوں کے ماهرین کو یکجا کرتے هیں — مویشیوں کے معالجوں، ڈاکٹروں اور ماهرین حیاتیات کو ۔ ان تینوں پیشوں کے لوگ ان کی هر مهم میں شامل هوتے هیں ۔ کچھ برسوں سے مهموں میں زرعی کرسیات کے ماهر بھی شریک هونے لگے هیں ۔

پچھلی چند دهائیوں میں مٹھی بھر جوشیلے ماهروں نے طفیلی کیڑوں کی سیکڑوں نئی قسمیں اور کٹمب دریافت کئے هیں ۔ سوویت سائنس‌داں انتہائی مضر طفیلی کیڑے علحده کر چکے هیں جو نه صرف جانوروں ، پرندوں اور مچھلیوں کو نقصان پہنچاتے هیں بلکه کپاس ، چقندر ، تمباکو کے کھیتوں اور چائے اور لیمو جیسے پھلوں کے باغات کو بھی تباه کرتے هیں ۔

علم حیوانات کی تاریخ میں تحقیقات کے پیمانے کے لحاظ سے اسکریابن کی مهموں کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ دنیا میں طفیلی کیڑوں کا سب سے بڑا مجموعه ماسکو کے ایک خاص عجائب گھر میں هے ۔ یه نتیجه هے مختلف جغرافیائی علاقوں کے دو لاکھ سے زیاده جانوروں کے معائنوں اور جانچوں کا جو ان کی موت کے بعد کی گئیں ! ان میں طفیلی کیڑوں کی دۂ

سو نئی قسمیں اور ایک سو نئے کٹمب دریافت کرنے کا سہرا ان ھی زبردست حیاتیاتی کھوجوں کے سالار کے سر ھے !

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم حیوانات کے لئے اسکریابن کی تحقیقات بے انتہا قیمتی ھیں - لیکن جب مجھے علم کرمیات کے کل یونین انسٹی ٹیوٹ میں طفیلی کیڑوں کا یہ بہت بڑا زخیرہ دکھایا گیا اور مشہور اکادمیشن نے بتایا کہ اب سائنس داں اس بے شمار مخلوق کی درجہ بندی کرنے اور اس کی نسلی کڑیاں جوڑنے میں کامیاب ھو چکے ھیں تو میں نے سوچا : یہ سب کس لئے ھے ؟ کیا کرمیات کے ماھروں نے کیڑوں کا شکار کھیلنے کے لئے اور رعب ڈالنے والی الماریوں میں اپنی فتوحات کی نشانیاں سجانے کے لئے ضرورت سے زیادہ جوش تو نہیں دکھایا ؟

جب میں کونستنتین اسکریابن سے پھر ملا تو تڑ سے یہی سوال کر ڈالا - اس پر انھوں نے ذرا بھی تعجب کا اظہار نہیں کیا - میں محسوس کر رہا تھا کہ ان سے یہ سوال پہلے بھی کئی بار کیا جا چکا ھے - انھوں نے آھستہ آھستہ جواب دینا شروع کیا :

”میں گوئٹے کے الفاظ میں آپ کو جواب دینا چاھتا ھوں : حقائق کے نا امید ڈھیر میں کھوجانے سے بچنے کے لئے ضروری ھے کہ آدمی پہلے تحقیق کرنا اور پھر کلیہ قائم کرنا سیکھے - لیکن اس سے بھی بہتر یہ ھے کہ انسان کے ذاتی تجربے کی طرف لوٹا جائے - اگر پودوں کے انسٹی ٹیوٹ میں آپ کو بیج کے نمونے دکھائے جائیں تو مجھے یقین ھے کہ آپ کو ان کے مفید ھونے پر شبہ نہیں ھوگا - اس لئے کہ آئندہ کبھی نہ کبھی ان میں سے بعض بیج اچھے پودے اگانے کے لئے کام آسکتے ھیں - لیکن نباتیات کے ماھر گھاس پھوس بھی جمع کرتے ھیں - اگر زراعت کے ماھر یہ جاننا چاھیں کہ کون سی گھاس پھوس ضرررساں ھے اور اس کے خلاف کب اور کیسے جدوجہد کی جائے تو اس کا بھی جمع کرنا ضروری ھے - ھم کرمیات کے عالم اسی قاعدے پر چلتے ھیں - آپ پریشان ھیں کہ ھم نے ضابطوں کا ایک باقاعدہ چارٹ

تیار کیا ھے ۔ اچھا تو فرمائیے ، مینڈیلیئف کے چارٹ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ھے ؟ یقینی یہ بھی ایک نظام ھے — کیمیائی عناصر کا نظام ۔ ایک ڈاکٹر یا مویشی کا معالج کرمیاتی بیماری کی تشخیص کس طرح کر سکتا ھے اگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کس قسم کے طفیلی کیڑے سے یہ بیماری لگی ھے ۔ ھم نئے دریافت کئے ھوئے طفیلی کو علم حیوانات کے چارٹ میں مناسب جگہ پر رکھتے ھیں جس سے اس کی حیاتی خصوصیات معلوم کرنے میں مدد ملتی ھے ۔ یہ بات بڑی اھمیت رکھتی ھے اس لئے کہ متعلقہ طفیلی کیڑوں کے ارتقا کے دور یکساں ھوتے ھیں ۔ ایسے موقعوں پر کیڑوں کے خلاف موثر احتیاطی تدبیریں اختیار کرنے میں ھمیں چارٹ اور قاعدے سے مدد ملتی ھے ،، ۔

ابھی تک سوویت یونین کا کرمیاتی نقشہ مکمل نہیں ھوا ھے ۔ ھماری تحقیقات کو مکمل کرنے کے لئے ھماری مہموں کو بہت کچھ کرنا ھے ، انھیں کئی اور راھوں پر سفر اور بہت سے علاقوں کی چھان بین کرنا ھے ۔ پھر بھی اس نقشے کو طبی خدمات کے مختلف ادارے استعمال کر رھے ھیں ۔ اس نے سوویت یونین میں جنگلات کے کارکنوں ، چڑیا گھر کے ملازموں ، سبزی اگانے والوں ، اسٹور کیپروں ، مچھلیوں کا پالن پوسن کرنے والوں اور بچوں کے ڈاکٹروں کو ان کے کام میں بہت مدد دی ھے ۔ یہ نقشہ محض جغرافیائی حقائق کا اعلان نہیں ھے بلکہ بیماریوں کے خلاف لڑنے میں ایک تعمیری منصوبہ کی حیثیت رکھتا ھے ۔

سوویت سائنس داں اسکریابن کی قیادت میں انسان پر ان مضر اثرات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ھیں جو طفیلی کیڑے پیدا کرتے ھیں ۔ چنانچہ طبی کرمیات ایک نئی سائنس کی حیثیت سے بیماری کے خلاف جنگ میں نیا ھتیار ثابت ھو رھی ھے ۔ اور اس سائنس کی کامیابی بڑی حد تک کونستنتین اسکریابن کے ایثار اور عزم کی مرھون منت ھے ۔

اسکریابن نے جلد ھی محسوس کرلیا تھا کہ پچھلے ڈھائی ھزار برسوں میں ڈاکٹروں نے مریضوں کو کیڑوں کی بیماری سے شفا دینے کے لئے جو

کچھ کیا ہے اس نے حالت کو بہتر بنانے کے بجائے بدتر بنا دیا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ مریض کے جسم سے کیڑے نکال تو دئے لیکن ان سے ہی آس پاس کے ماحول کو آلودہ کر دیا۔ اگر حقیقت دیکھی جائے تو گذشتہ صدیوں سے ڈاکٹر اور مویشیوں کے معالج زمین کو کرمیاتی بیماریوں سے دو بارہ آلودہ کرتے رہے ہیں!

اس سلسلے میں ۱۹۲۵ء میں بالکل نیا رویہ اختیار کیا گیا۔ عارضی شفا دینے کے بجائے طفیلی کیڑوں کو جڑ سے مٹانے اور ان کی پیدائش روکنے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کی گئیں۔ یہ تدبیریں نہ صرف انسانوں اور جانوروں کے لئے بلکہ روگی زمین، پانی، سبزیوں، مکانوں یہاں تک کہ کپڑوں کے لئے بھی تھیں۔ اپنے نئے طریقے کی تشریح کرتے ہوئے اسکریابن نے لکھا کہ بیماری پر کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے: ”کیڑوں سے چھٹکارا پا کر نہیں بلکہ ان کی عام چھوت کے خلاف جدوجہد کرکے، مریضوں کو دواؤں کے ذریعے عارضی شفا دے کر نہیں بلکہ ترقی‌یافتہ علاج اور حفاظتی تدابیر سے جراثیمی گردوپیش کو ختم کرکے، نہ صرف الگ الگ افراد کو مدد دے کر بلکہ لوگوں کو دوا دے کر اور مویشی کا علاج کرکے بڑے پیمانے پر آبادی کو پوری طرح تندرست کرکے، نہ صرف مرض کے مارے ایک شخص کی انسان دوست امداد کرکے بلکہ منظم طبی اور معاشی کام کے ذریعے ہم اشتراکی تعمیر کے فرائض پورے کرسکتے ہیں۔“

اس صدی کی تیسری دہائی میں کونستنتین اسکریابن کی پہل پر مہموں نے یہی اہم ”طبی اور معاشی کام“ شروع کیا۔ جہاں کہیں بھی سائنس‌داں اور ڈاکٹر طفیلی کیڑوں کے سرچشمے دیکھتے فوراً وہ اردگرد کے تمام علاقے اور آبادی کو جراثیم سے پاک کرنے میں جٹ جاتے تھے۔ قریوں میں، وسطی ایشیا کے دیہات میں، مچھیروں کی بستیوں میں، چھوٹے بڑے شہروں میں وہ کہیں بھی ہوتے ”چلتا پھرتا ہسپتال“ کھول دیتے۔ یہاں مہم کے ممبر مقامی آبادی کا طبی معائنہ

کرتے ، انھیں دوائیں تقسیم کرتے اور مقامی ڈاکٹروں کو علاج جاری رکھنے کی ہدایتیں دیتے تھے ۔

چوتھی دھائی میں کیڑوں کے روگ کے خلاف لڑائی صرف سہموں کی ذمےداری نہیں رہی ۔ اب صحت‌عامہ کی وزارت کونستنتین اسکریابن کے تعاون سے کرسیاتی بیماریوں کے علاج اور ان کی روک تھام کی تدبیروں کے متعلق ہدایتیں مرتب کرکے انھیں عام کرنے لگی ۔ ان میں سے ایک اہم‌ترین تدبیر اسکولوں ، بالک گھروں ، کارخانوں اور فوجی دستوں کا عام معائنہ اور ان کی ٹھیک صفائی تھی ۔ اس کے ساتھ ھی کرسیات کے ماھروں کی کل یونین کانفرنسیں بھی ھوئیں جہاں جراثیم ختم کرنے کےلئے دس سے پندرہ سالہ منصوبے تیار کئے گئے ۔

۱۹۴۴ ء میں کونستنتین اسکریابن نے ایک منصوبہ پیش کیا جس کا مقصد سوویت یونین میں زیادہ خطرناک طفیلی کیڑوں کو نئے طریقے سے ھمیشہ کےلئے ختم کر دینا تھا ۔ اس کا نام انھوں نے ” تاراج ،، (devastation) رکھا ۔

اپنے اس نئے طریقے کے بارے میں اسکریابن نے لکھا : ”طفیلی کیڑوں کے خلاف یہ نہ تحفظ ھے اور نہ عارضی دفاع بلکہ مکمل جنگ ھے ۔ یہ محض طفیلی کیڑوں کے خلاف ھی نہیں بلکہ ان کی زندگی کے ھر دور میں جنم دینےوالی ھر چیز کے خلاف جدوجہد ھے ۔ اور اس کا مقصد انھیں مکمل طور پر صفحہ ھستی سے مٹا دینا ھے ،، ۔

اسکریابن کے کیڑوں کو مکمل طور سے مٹانےوالے طریقے میں دو باتیں شامل تھیں — پہلی ، طفیلی کیڑوں کے خلاف سرگرمیوں میں تمام معلوم ذرائع کا استعمال ، دوسری ، ایسے حالات کا پیدا کرنا جب کیڑے نہ زندہ رہ سکتے ھوں اور نہ پیدا ھوسکتے ھوں ۔ اس کا مطلب تھا کیڑےبردار چیزوں کو ختم کرنا ، بیماری کے جراثیم کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بڑھانا وغیرہ وغیرہ ۔ دوائیں اور رھائش ، پانی کی فراھمی اور صفائی ، متوازن غذا اور جانوروں کی دیکھ بھال — ان سب باتوں کا مقصد بیماری

کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور طفیلی کیڑوں کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کرنا تھا۔

اس کام کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سوویت یونین میں ہر سال تقریباً تین کروڑ لوگوں کا طبی معائنہ اور علاج کیا جاتا ہے۔

سال بسال ان طبی خدمات کا دائرہ بھی بڑھتا جا رہا ہے جن کا تعلق مویشی کی کرمیاتی بیماریوں سے ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو: ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹروں نے ایک کروڑ چالیس لاکھ مویشیوں کا معائنہ اور علاج کیا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں مویشیوں کی تعداد جن کا معائنہ کیا گیا ۱۳ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی! آج تمام ملک میں ایسے سائنسی اداروں کا جال پھیلا ہوا ہے جو مویشیوں کے ڈاکٹروں اور ماہروں کو ان کے کام میں ہر ممکن مدد دیتے ہیں۔ ان اداروں کی رہبری سوویت سائنس اکادمی کی کرمیاتی تجربےگاہ اور اسکریابن کا قائم کیا ہوا علم کرمیات کا کل یونین انسٹی ٹیوٹ کرتے ہیں جو ماسکو میں واقع ہیں۔ جس طرح فوجی ہیڈکوارٹروں میں اہم مہمیں تیار کی جاتی ہیں اسی طرح ان دو عمارتوں کے اندر طفیلی کیڑوں کے خلاف جدوجہد کرنے اور ان سے سوویت یونین کو ہمیشہ کےلئے نجات دلانے کے طریقے مرتب کئے جاتے ہیں۔ پھر انہیں عمل میں لایا جاتا ہے۔

سائنس‌داں ایسے طریقے مرتب کر چکے ہیں جو ملک میں مویشی کےلئے خطرناک‌ترین ۲۰ قسم کے طفیلی کیڑے اور انسان کےلئے ۸ قسم کے سب سے خطرناک چھوت لگانےوالے کیڑے مکمل طور پر ختم کرنے میں کام آئیں‌گے۔

اس بارے میں اسکریابن نے لکھا: ”ہمیں امید ہے کہ دو قسم کے طفیلی کیڑے جنہیں سوویت سائنس‌داں رفتہ رفتہ ختم کر رہے ہیں تھوڑے عرصے میں صرف عجائب گھر ہی میں دیکھے جا سکیں گے... آنےوالی نسلیں ان کے نمونے دیکھ کر تعجب کریں‌گی کہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں ڈاکٹر اور مویشیوں کے معالج آخر یہ کیسے برداشت

کرتے رہے کہ دو خطرناک کیڑے انسانی آبادی کے درمیان پیدا ہوں اور زندہ رہیں۔ ،،

وہ دن دور نہیں جب اسکریابن کا خواب پورا ہوگا۔ پچھلے چند برسوں میں طفیلی کیڑوں کی بیماریاں برابر ختم ہو رہی ہیں۔ اور اسکریابن کا منصوبہ ، مکمل تاراج آخری لڑائی کےلئے زور پکڑ رہا ہے...

* * *

” سائنس‌داں کی توانائی اور اس کی بےبہا قیمت کا سرچشمہ دراصل اس کے شاگرد اور چیلے ہوتے ہیں۔ میری نظر میں شاگردوں کے بغیر سائنس‌داں محض ایک تنہا محقق رہ جاتا ہے۔ اس پر تو ترس کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ غیرفطری اور خودغرض زندگی گزار رہا ہے۔ سائنس‌داں کی زندگی کا لب‌لباب صرف انقلابی نئے نظریوں کو ترقی دینا نہیں ہے۔ اس کا مقصد حیات یہ ہونا چاہئے کہ آنےوالی نسلوں کو ، نوجوانوں کو اپنا علم سونپے جو اپنے استاد کے خیالات کو فروغ دیں ، انہیں مکمل بنائیں اور عمل میں انہیں استوار کریں ،، یہ ہیں اسکریابن کے الفاظ۔

اور وہ کبھی محض الفاظ تک محدود نہیں رہے۔

سوویت یونین میں آپ کو کرمیات کا ایک بھی ایسا ماہر نہیں ملےگا جو اپنے آپ کو اسکریابن کا شاگرد نہ سمجھتا ہو۔ اور ان کی تعداد مرعوب‌کن ہے۔ آج سوویت یونین میں ۱۳۰۰ سے زیادہ لوگ علم کرمیات کے میدان میں کام کر رہے ہیں ، اور وہ دو نسلوں — سائنس میں اسکریابن کے ” بیٹوں ،، اور ” پوتوں ،، پر مشتمل ہیں۔ ملک میں ایک بھی ایسی ریپبلک یا علاقائی مرکز نہیں ہے جہاں اس بڑے سائنسی کنبے کے فرد کام نہ کرتے ہوں۔

سائنس‌داں کے شاگرد اس کےلئے فخر و مسرت کا باعث ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کی سائنسی ابدیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ لیکن ہر

کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور طفیلی کیڑوں کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کرنا تھا۔

اس کام کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سوویت یونین میں ہر سال تقریباً تین کروڑ لوگوں کا طبی معائنہ اور علاج کیا جاتا ہے۔

سال بسال ان طبی خدمات کا دائرہ بھی بڑھتا جا رہا ہے جن کا تعلق مویشی کی کرمیاتی بیماریوں سے ہے ۔ ایک مثال ملاحظہ ہو : ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹروں نے ایک کروڑ چالیس لاکھ مویشیوں کا معائنہ اور علاج کیا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں مویشیوں کی تعداد جن کا معائنہ کیا گیا ۱۳ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی! آج تمام ملک میں ایسے سائنسی اداروں کا جال پھیلا ہوا ہے جو مویشیوں کے ڈاکٹروں اور ماہروں کو ان کے کام میں ہر ممکن مدد دیتے ہیں۔ ان اداروں کی رہبری سوویت سائنس اکادمی کی کرمیاتی تجربےگاہ اور اسکریابن کا قائم کیا ہوا علم کرمیات کا کل یونین انسٹی‌ٹیوٹ کرتے ہیں جو ماسکو میں واقع ہیں۔ جس طرح فوجی ہیڈکوارٹروں میں اہم مہمیں تیار کی جاتی ہیں اسی طرح ان دو عمارتوں کے اندر طفیلی کیڑوں کے خلاف جدوجہد کرنے اور ان سے سوویت یونین کو ہمیشہ کےلئے نجات دلانے کے طریقے مرتب کئے جاتے ہیں۔ پھر انہیں عمل میں لایا جاتا ہے۔

سائنس‌داں ایسے طریقے مرتب کر چکے ہیں جو ملک میں مویشی کےلئے خطرناک‌ترین ۲۰ قسم کے طفیلی کیڑے اور انسان کےلئے ۸ قسم کے سب سے خطرناک چھوت لگانےوالے کیڑے مکمل طور پر ختم کرنے میں کام آئیں‌گے۔

اس بارے میں اسکریابن نے لکھا : ”ہمیں امید ہے کہ دو قسم کے طفیلی کیڑے جنھیں سوویت سائنس‌داں رفتہ رفتہ ختم کر رہے ہیں تھوڑے عرصے میں صرف عجائب گھر ہی میں دیکھے جا سکیں گے ... آنےوالی نسلیں ان کے نمونے دیکھ کر تعجب کریں‌گی کہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں ڈاکٹر اور مویشیوں کے معالج آخر یہ کیسے برداشت

کرتے رہے کہ دو خطرناک کیڑے انسانی آبادی کے درمیان پیدا ہوں اور زندہ رہیں۔ ،،

وہ دن دور نہیں جب اسکریابن کا خواب پورا ہوگا۔ پچھلے چند برسوں میں طفیلی کیڑوں کی بیماریاں برابر ختم ہو رہی ہیں۔ اور اسکریابن کا منصوبہ ، مکمل تاراج آخری لڑائی کے لئے زور پکڑ رہا ہے...

* * *

'' سائنس‌داں کی توانائی اور اس کی بےبہا قیمت کا سرچشمہ دراصل اس کے شاگرد اور چیلے ہوتے ہیں۔ میری نظر میں شاگردوں کے بغیر سائنس‌داں محض ایک تنہا محقق رہ جاتا ہے۔ اس پر تو ترس کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ غیرفطری اور خودغرض زندگی گزار رہا ہے۔ سائنس‌داں کی زندگی کا لب‌لباب صرف انقلابی نئے نظریوں کو ترقی دینا نہیں ہے۔ اس کا مقصد حیات یہ ہونا چاہئے کہ آنےوالی نسلوں کو ، نوجوانوں کو اپنا علم سونپے جو اپنے استاد کے خیالات کو فروغ دیں ، انہیں مکمل بنائیں اور عمل میں انہیں استوار کریں ،، یہ ہیں اسکریابن کے الفاظ۔

اور وہ کبھی محض الفاظ تک محدود نہیں رہے۔

سوویت یونین میں آپ کو کرمیات کا ایک بھی ایسا ماہر نہیں ملےگا جو اپنے آپ کو اسکریابن کا شاگرد نہ سمجھتا ہو۔ اور ان کی تعداد مرعوب کن ہے۔ آج سوویت یونین میں ۱۳۰۰ سے زیادہ لوگ علم کرمیات کے میدان میں کام کر رہے ہیں ، اور وہ دو نسلوں — سائنس میں اسکریابن کے '' بیٹوں ،، اور '' پوتوں ،، پر مشتمل ہیں۔ ملک میں ایک بھی ایسی ریپبلک یا علاقائی مرکز نہیں ہے جہاں اس بڑے سائنسی کنبے کے فرد کام نہ کرتے ہوں۔

سائنس‌داں کے شاگرد اس کےلئے فخر و مسرت کا باعث ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کی سائنسی ابدیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ لیکن ہر

سائنس‌داں ، یہاں تک کہ مشہورترین سائنس‌داں بھی آنےوالی نسلوں کو اپنا علم نہیں دیتا ۔ اپنا مکتب خیال قائم کرنے کےلئے سائنس‌داں کو نہ صرف غیرمعمولی ذہانت کا مالک بلکہ شخصیت کا بھی حامل ہونا چاھئے ۔ ایک معلم جو اپنے شاگردوں کا ایثار اور ان کی وفاداری حاصل کرنا چاھتا ھے اس میں یہ صلاحیت ھونا چاھئے کہ وہ ان کے دل و دماغ جیت سکے ۔ سائنسی خیال کے ایک مکتب کو ” جنم دینے ،، کی مسرت صرف ان ھی لوگوں کو میسر ھوتی ھے جو فراخدلی سے اپنے علم ، یہاں تک کہ اپنی روح کی گہرائیوں میں بھی دوسروں کو شریک کرتے ھیں ۔

ایک دفعہ کا ذکر ھے کہ ایک پروفیسر صاحب کرمیات کے انسٹی‌ٹیوٹ میں کام کرتے تھے ۔ وہ ایک پیچیدہ تجربے میں کامیاب رھے ۔ انھوں نے تجربےگاہ میں ایک قسم کے ایسے گھونگھے کی نسل‌افزائی کرلی جس کا کرمیاتی بیماریاں پھیلانے میں بڑا حصہ ھے ۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے ھم‌کاروں کو اپنا طریقہ سمجھائیں تو پروفیسر صاحب ھنسنے لگے اور فرمایا : انھیں دوسروں کی دریافتوں کی نقل نہیں کرنا چاھئے بلکہ خود اپنے پیروں پر کھڑے ھونا چاھئے ۔ نتیجہ کیا نکلا ؟ مدت سے یہ حضرت پنشن پر ھیں اور ظاھر ھے ، ان کا ایک بھی شاگرد نہیں ھے جو ان کے کام کو آگے بڑھا رھا ھو ۔ ایسے لوگ اس گھونگھے کی یاد دلاتے ھیں جو ھماری جھیلوں اور دریاؤں کو گندہ کرتا رھا ھے اور ۴۰ کروڑ برس سے اپنے خول میں بالکل بند ھے ، دنیا سے الگ تھلگ اور کسی بھی ممکن ارتقا سے عاری ۔

کتنا زمین آسمان کا فرق ھے ایسے لوگوں میں جو بخل سے کام لےکر علم کی زخیرہ اندوزی کرتے ھیں ، اور اسکریابن کے کھلے اور فراخدل کردار میں ۔ ایسا بارھا ھوا ھے کہ کونستنتین اسکریابن نے کسی نوجوان شاگرد کو بلایا اور اپنی الماری سے ایک موٹا سا لفافہ نکال کر کہا :

”یہ مواد ایک خاص قسم کے طفیلی کیڑے کے بارے میں ہے۔ اسے میں نے پانچویں دھائی تک جمع کیا تھا۔ تم ھوشیار نوجوان ھو۔ لو یہ لفافہ اور اس میں تاحال باتیں شامل کرلو۔ ممکن ہے اس سے اچھا مقالہ تیار ھو جائے۔“

ایسے بےشمار کتنے ھی لفافے الماری سے نکالے گئے اور نوجوان طالب علموں کو دئے گئے۔ اور بےشمار بار ھی اسکریابن نے اپنے رفقاکار کو مقالوں کے موضوع تجویز کئے، انھیں اپنے خیالات سے مستفید کیا۔ جب ان کے جانشینوں نے ان پر کام کیا تو وہ اھم مقالے تسلیم کئے گئے۔ پھر گھر پر، انسٹی‌ٹیوٹ میں اور ڈاک کے ذریعے لامتناھی بحث و مباحثے! ھزاروں ھی لوگوں نے اسکریابن کی غیرمعمولی ذھانت کے سیر حاصل چشمے سے چلو بھر بھر کر پیا ہے۔

اس میں کس کو شبہ ھو سکتا ہے کہ طالب علموں نے اسکریابن سے بحیثیت استاد بہت کچھ سیکھا۔ وہ اسکریابن سے بحیثیت انسان اور بھی زیادہ سیکھ سکتے ھیں۔

تقریباً پندرہ سال ھوئے اسکریابن کے ایک شاگرد الکسئی اسپاسکی، جو خود بعد میں اکادمیشن بنے، اس نتیجے پر پہنچے کہ اسکریابن کی طفیلی کیڑوں کی ایک درجہ‌بندی بالکل صحیح نہیں ہے۔ حقیقت بہرحال حقیقت تھی۔ نوجوان محقق اس معاملے کو بالکل چھپانا نہیں چاھتے تھے۔ چنانچہ ھمت کرکے انھوں نے اس سوال پر اپنے استاد کونستنتین اسکریابن سے بات‌چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اپنے بچاؤ کےلئے باقی ابواب میں سے متنازع باب الگ رکھ دیا۔ اسے فوراً پروفیسر کو دکھانے سے وہ ذرا خائف تھے۔

اسکریابن کی نگاہ اس پر پڑی تو پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“

الجھن کے عالم میں اسپاسکی نے یہ ناخوشگوار باب پروفیسر کو بڑھا دیا۔ ناراضگی سے اپنی مونچھیں انگلیوں سے کریدتے ھوئے اسکریابن اپنے شاگرد کی دلیل پڑھنے لگے۔ ھر صفحہ پڑھنے کے بعد ان

کی ناراضگی بڑھتی گئی۔ آخرکار باب کو میز پر رکھ کر بولے :
" میں تم سے اتفاق نہیں کر سکتا ! "
اسپاسکی اپنے مقالے کے منتشر ورق جمع کر رہے تھے کہ اسکریابن نے ہاتھ کے فصیح اشارے سے انہیں روکا اور کہا :
" نہیں۔ مہربانی کرکے اپنے مقالے کو یہیں چھوڑ دو ۔ میں اسے چھپنے کے لئے دوں گا ... جتنی جلد ممکن ہو سکتا ہے ! آخر تمہاری بھی تو دلیلیں ہیں ۔ "
وقت نے ثابت کر دیا کہ نوجوان سائنس‌داں صحیح تھے۔ اسکریابن پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ یہی نہیں ، وہ اپنے شاگرد کے نتائج کے پرچارک بھی بن گئے۔
ایسی مثالوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جب وکٹوریا گیختر نے اپنے معلم اسکریابن سے کہا کہ انہیں ان کے ایک نظریے سے اختلاف ہے تو انہوں نے جواب دیا :
" اسکریابن غلطی پر ہے " یہ لکھنے سے تم مت گھبراؤ ۔ تم بہت سے تجربے کر چکی ہو ۔ ایسے تجربے کے نتیجے جس کی تیاری اچھی طرح کی گئی ہو کسی بھی علمی ڈپلومے سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں ۔ "
کونستنتین اسکریابن نے اپنے دل کی بات لکھی : " ایک سچا عالم کبھی اس بات سے خائف نہیں ہوتا کہ اس کے باصلاحیت شاگرد قدرت کے نئے نئے مظہر دریافت کریں گے ، نئے نظریوں کو ترقی دیں گے اور سائنسی کامیابیوں میں اپنے معلموں سے بازی لے جائیں گے ... ایسے شاگردوں پر تو فخر کرنا چاہئے اس لئے کہ ان کے بغیر سائنس ، انجنیرنگ ، فن یا ادب میں کوئی ترقی ممکن نہیں ۔ "
اسکریابن اپنے اردگرد کے کارکنوں میں کام سے محبت پیدا کر دیتے ہیں ، لمبے چوڑے لکچروں کے ذریعے سے نہیں بلکہ خود اپنی مثال سے ۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ اسکریابن اور ان کی اہلیہ اپنے گھر سے ماسکو کے قریب ہی ایک آرام گھر کو روانہ ہو رہے تھے۔ موٹر پر سوٹ کیس لادنے میں بہت زیادہ وقت لگنے پر میں قدرتاً متوجہ ہوا۔ یہ بات میری عقل سے بالا تھی کہ دو پختہ عمر کے لوگ اپنے ساتھ اتنا زیادہ سامان لےجا رہے ہیں۔ آرام گھر کے اپنے کمرے میں جب اسکریابن سامان کھول رہے تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ سوٹ کیس کتابوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکریابن ایک چلتا پھرتا کتب‌خانہ ساتھ لےآئے ہیں تا کہ خود بقول ان کے ”چھٹیوں میں تھوڑا بہت کام کر لوں“۔ جب میں نے یہ واقعہ کونستنتین اسکریابن کی قریب‌ترین ہم‌کار پروفیسر نادیژدا شیخوبالووا کو سنایا تو وہ مسکرا کر بولیں :

”مجھے اس پر کہیں زیادہ حیرت ہوتی اگر آپ کہتے کہ وہ کتابوں کے بغیر گئے تھے۔“

خواہ چھٹیاں ہوں یا مہمیں اس پروفیسر کے ساتھ ہمیشہ کتابیں رہتی ہیں۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ سخت کام کی وجہ سے ان کی کتنی چھٹیاں ”برباد“ ہوئی ہوں گی۔ اور کتنی مرتبہ صحت‌گاہ کے ڈاکٹروں نے ضابطے توڑنے پر اسکریابن کو ٹوکا ہوگا (اکثر وہ کام کی میز پر صبح کے دو تین بجے تک بیٹھے رہتے ہیں!)۔ اور خود کونستنتین اسکریابن ڈاکٹروں اور قریبی دوستوں کی کوششوں پر خوب طنز کرتے ہیں جو ان کی عادتیں بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ اکثر کہا کرتے ہیں :

”ہسپتال یا صحت‌گاہ میں آرام کے وقت سے زیادہ بہتر کام کرنے کا اور کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اس میں جو چیز مخل ہوتی ہے بس وہ ڈاکٹر صاحبان ہیں۔“

کیسلاوودسک سے ”آرام“ کرنے کے بعد جب اسکریابن لوٹے تو ”نیماٹوڈولوجی (Nematodology) کے اصول“ کی مکمل جلد چھپنے کے

لئے تیار ان کے ساتھ تھی ۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ علاج کے بعد براہ‌راست ہسپتال سے وہ نیا مضمون پریس کو دینے کے لئے ایڈیٹر کے پاس پہنچے ۔ سخت بیماری کی حالت میں جب دوسرا انسان اپنے آپ کو اپنی پریشانیوں میں مبتلا رکھتا ہے ان کے خیالات اس وقت بھی کام پر مرکوز رہتے ہیں ۔

سائنسی فکر کا مکتب ایک ایسا گروپ نہیں ہوتا جسے محض مشترک مقصد اور کام متحد کرتا ہے ۔ اس کے لئے دوستی ، باہمی عزت اور لحاظ بھی انتہائی اہم ہے ۔ اسکریابن کا مکتب پرانی اور نئی نسلوں کے درمیان دوستی اور لحاظ کا مکمل نمونہ ہے ۔ آپ کونستنتین اسکریابن کی قائم کی ہوئی کسی بھی تجربےگاہ ، شعبے یا انسٹی‌ٹیوٹ چلے جائیے آپ یہی ماحول اور مشہور پروفیسر کی جانب نئی نسل کی گہری عزت اور تحسین و توصیف کا جذبہ پائیں‌گے ۔ میرے خیال میں اس محبت کا راز خود اسکریابن کے کردار میں پوشیدہ ہے ۔

اسکریابن میں لوگوں کو یاد رکھنے کی بےپناہ صلاحیت ہے ، خاص‌کر ان‌کی جن میں وہ سائنس سے لگاؤ دیکھتے ہیں ۔ جنگ سے پہلے کی بات ہے جب اسکریابن منسک میں اتفاق سے ایک ریسرچ طالب‌علم سے ملے تھے ۔ وہ تجربوں میں بڑے انہماک سے مصروف تھا ۔ یہ ملاقات کوئی لمحے بھر کی ہوگی ۔ پانچ سال کے بعد اسکریابن نےسنا کہ یہ طالب علم کونستنتین ریژکوف محاذجنگ سے زندہ لوٹ آیا ہے اور اس نے اپنے مستقبل کے متعلق ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے ۔ وہ فوراً نوجوان کا نام پہچان گئے اور اسے یہ تار بھیجا : ” درخواست کے فارم جلد بھیجو ۔ مزید ریسرچ کےلئے سفارش کروں‌گا ۔ “

ریژکوف ہی ایسا تنہا شاگرد نہیں ہے جسے کونستنتین اسکریابن نے ” دریافت “ کیا ہو ۔ تقریباً وہ تمام ہی لوگ ، جو ” اسکریابن کی فوج “ کہلاتے ہیں اور تیس چالیس سال سے ان کے ساتھ کام کر رہے ہیں ، صوبوں سے آئے ہیں ۔ بہتوں کو انہوں نے سہموں کے وقت ” دریافت “

کیا۔ لیکن ان کے بہت سے شاگرد نئی دلچسپ سائنس کرمیات کی کشش سے خود ھی ماسکو آئے اور پروفیسر اسکریابن کے کمرے کے باھر اضطراب کی حالت میں انھوں نے اپنے آپ کو پایا۔ پھر مختصر سی ملاقات کے بعد وہ اسکریابن کی دانش اور نیک‌دلی سے متاثر ھوکر ھمیشہ کےلئے ٹھیر گئے۔ اب ان میں کئی سائنس کے ڈاکٹر اور پروفیسر ھیں۔ اس فہرست میں درجنوں اور لوگوں کے نام بھی گنائے جا سکتے ھیں جو پانچویں ، چھٹی اور ساتویں دھائیوں میں اس " برادری ،، میں شامل ھوئے۔

اسکریابن کہتے ھیں : " میرا پختہ عقیدہ ھے کہ ھر نوجوان ڈاکٹر ، ھر نوجوان سائنس‌داں کو اسیدپرست ھونا چاھئے۔ اسیدپرستی خیال کی ھمت افزائی کرتی ھے ، اسے ابھارتی ھے اور بالیدگی عطا کرتی ھے۔ وہ ھماری ادراکی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ھے۔ اس کے برعکس قنوطیت جذبات کو دباتی ھے اور انھیں شل کر دیتی ھے۔ انسان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اس کا اثر منفی اور مضر ھوتا ھے۔ ،، اسکریابن کی رائے میں اسیدپرستی کردار کا کوئی اتفاقی نتیجہ نہیں بلکہ انسان کے پورے نظریہ‌حیات کی بنیاد ھے۔ ان کی اپنی زندگی کا مقصد ان تمام لوگوں میں انسان کی جبلی نیکی اور سائنسی تحقیقات کے شاندار مقاصد پر اعتماد پیدا کرنا ھے جو ان کے آس پاس کام کرتے ھیں اور جو انھیں اپنا قابل احترام معلم سمجھتے ھیں۔

* * *

اسکریابن بیرونی دنیا میں اچھی طرح مشہور ھیں جہاں ان کے نظریات اس صدی کی تیسری دھائی سے ھی اھم خیال کئے جانے لگے تھے۔ لیکن مغربی دنیا نے ۱۹۳۰ء میں پہلی بار کرمیات کے اس مشہور سوویت ماھر کی آواز سنی جب انھوں نے عالمی ایپی‌زووٹک (Epizootic) کانفرنس (پیرس) میں اور پھر عالمی ویٹیرنری کانگرس (لندن) میں لکچر

دئیے۔ لندن میں ان کا لکچر انقلابی کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس وقت تک یورپ میں طفیلی کیڑوں سے متعلق کوئی مخصوص آزاد سائنس نہیں تھی۔ اس کے علاوہ پہلی بار ایک سوویت پروفیسر نے عالمی کرمیاتی کانگرس بلانے کی تجویز کی تھی۔ اس زمانے میں یورپ کے چوٹی کے ماہرین کرمیات ایک نئی آزاد سائنس کی تشکیل کےلئے تیار نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کرمیاتی بیماریاں جانوروں کی دوسری قسم کی بیماریوں سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔

وقت گزرتا گیا اور کرمیات کے سوویت ماہروں کی کامیابیاں مشرق و مغرب میں وسیع پیمانے پر مشہور ہوتی گئیں۔ لندن کانگرس کے تیس برس بعد ایک مشہور ہندستانی مویشیوں کے معالج پروفیسر تھاپڑ نے کرمیاتی کانگرس منعقد کرنے کے سلسلے میں اپنے روسی رفیق کار کا حوالہ دیا اور یہ تجویز بھی کی کہ کرمیات کے ماہرین کے عالمی اجلاس میں کن کن لوگوں کو دعوت دی جائے۔

۱۹۳۶ ء میں اسکریابن نے پہلی مرتبہ بلغاریہ کا سفر کیا۔ اس وقت اس ملک میں جہاں شاہ بورس حکمران تھا وہ پہلے سوویت پروفیسر تھے جنھیں داخل ہونے کی اجازت ملی تھی۔ سرکاری حکام خائف تھے کہ کہیں سوویت اکادمیشن سے دلچسپی کے مظاہرے نہ ہوں۔ چنانچہ ان کے لکچروں کے لئے انھوں نے شہر صوفیہ میں ایک چھوٹا سا ہال فراہم کیا۔ اس کا نعم البدل یوں مل گیا کہ جب علم‌حیاتیات کے طالب علم اور پروفیسر لکچر سننے آئے تو انھوں نے اپنے مہمان کا بڑا پرجوش خیرمقدم کیا۔

صوفیہ یونیورسٹی کے ایک لکچرر کونسٹنتین ماتوف ان لوگوں میں تھے جنھوں نے اسکریابن کا گرمجوشی سے خیرمقدم کیا تھا۔ سولہ سال کے بعد ۱۹۵۲ ء میں ایک ثقافتی وفد کے رہنما کی حیثیت سے اسکریابن پھر بلغاریہ گئے اور اپنے پرانے رفیق‌کار سے ملے۔ اسکریابن اپنے بیرونی دوروں کے وقت بھی حسب معمول کسانوں، وزیروں، سائنس‌دانوں،

طالب‌علموں اور زراعت کے ماہروں سب ہی سے ملاقاتیں کرتے ہیں ، لکچر دیتے ، صلاح و مشورے کےلئے ہمیشہ تیار رہتےہیں اور عمل ہدایتیں دیتے ہیں ۔ اس دورے کے بعد ہی بلغاریہ کی سائنس اکادمی نے سوویت یونین کی مثال سامنے رکھتے ہوئے کرمیاتی تجربےگاہ کھولی جس کا رہنما کونستنتین ساتوف کو مقرر کیا گیا ۔

یہ کوئی اتفاقی بات نہیں تھی ۔ اس سلسلے میں پروفیسر ماتوف نے لکھا : ” بلغاریہ میں کرمیات کی سائنس نے کونستنتین اسکریابن کے زیراثر اور براہ‌راست ان کی رہنمائی میں ترقی کی اور کر رہی ہے ۔ “ انھوں نے مزید لکھا : ” اکادمیشن اسکریابن کی کئی تصانیف ایک مدت سے طالب علموں اور مویشیوں کے معالجوں کے نصاب میں شامل ہیں ۔ “

اسکریابن پانچ بار بلغاریہ جا چکے ہیں ۔ ہر بار جب بھی وہ وہاں گئے انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ طفیلی کیڑوں کے خلاف سرگرمیاں وسعت اور کارگری کے لحاظ سے برابر بڑھتی جا رہی ہیں ۔ اپریل ۱۹۵۸ ء میں کونستنتین اسکریابن متفقہ طور سے بلغاریہ کی سائنس اکادمی کے ممبر چنے گئے ۔ اسی سال حکومت بلغاریہ نے اپنے ملک کی سائنس کی ترقی‌میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں گیورگی دمیتروف کا آرڈر عطا کیا ۔ اس کے علاوہ ان کے رفیق‌کاروں نے مویشیوں کے علاج کے اعلی انسٹی‌ٹیوٹ صوفیہ میں کرمیات کے شعبے کو اسی مشہور روسی سائنس‌داں کے نام سے نوازا ۔

صرف بلغاریہ ہی وہ تنہا سوشلسٹ ملک نہیں ہے جس نے اسکریابن کو اعزاز دئے ہیں ۔

کونستنتین اسکریابن کے مشورے پر تحقیقات کےلئے مختلف ملکوں کو مختلف کرمیاتی بیماریاں ” بانٹ دی گئیں “ ۔ مثلاً پولینڈ کو عالمی پیمانے پر مرض ترخینیا (Trichinosis) کا مطالعہ حوالے کیا گیا ۔ ہنگری کے حصے میں ردائیت (Fascioliasis) کی بیماری آئی ۔ اور سوویت یونین نے قنفذیہ (Echinococcus) کے خلاف جدوجہد شروع کی ۔

سمجھوتے کے مطابق ہر ممبر ملک کی یہ ذمہ‌داری قرار پائی کہ وہ مناسب تحقیقاتی کام منظم کرے ، اس میدان سے متعلق تمام لٹریچر حاصل کرے اور کرمیات کی مخصوص شاخ سے دلچسپی رکھنےوالے دوسرے ممبر ملک کو تمام ضروری معلومات مفت فراہم کرے۔ ابتدا میں تمام ممبر ملک سوشلسٹ تھے۔ کچھ عرصہ بعد اسکریابن کے منصوبے نے ان ملکوں کی سرحدیں پار کرلیں۔ اب پولینڈوالوں کے ساتھ مغربی جرمنی کے عالم ، انگریز اور امریکی سائنس‌داں پولینڈ کی سائنس اکادمی کی رہنمائی میں ترخینیا کے مسئلے پر کام کر رہے ہیں۔ ایک عالمی رسالہ جس کے کرتا دھرتا پروفیسر اسکریابن ہیں سائنس‌دانوں کی اس بین اقوامی برادری کی معاونت کرتا ہے۔

یورپ اور امریکہ میں کرمیات کے متعلق سوویت تصنیفات بڑے پیمانے پر پڑھی جاتی ہیں اور وہاں انہیں سراہا جاتا ہے۔ کرمیات کے ماہروں کی امریکی سوسائٹی نے ایک خاص ”روسی کمیٹی“ قائم کی ہے۔ اس کا کام انگریزی میں ترجمہ کرنے کےلئے روسی ماہرین کرمیات کی مناسب تصانیف کا انتخاب کرنا ہے۔ ابھی تک یہ کمیٹی اسکریابن ، شیخوبالووا اور شولز کی تصنیف ”نیماٹوڈولوجی (Nematodology) کے اصول“ کی تمام جلدیں اور پروفیسر اسپاسکی کی ضخیم کتاب ”سیسٹوائیڈولوجی (Cestoidology) کے اصول“ شائع کر چکی ہے۔ ”کرمیات اور زرعی مویشی پر بیماریوں کا ہجوم“ جس کے مؤلف یرشوف ہیں امریکہ میں مویشیوں کے علاج کے طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہے۔

سائنس سرحدوں کی پابند نہیں ہے۔

۱۹۷۲ء میں کونستنتین اسکریابن کی رحلت ہوگئی۔ اگر ان کی داستان‌حیات اور سائنس کی دنیا میں ان کے قابل قدر اضافہ پر قلم اٹھایا جائے تو ایک مضمون تو کجا اس کےلئے کئی جلدیں درکار ہیں۔ انہوں نے آنےوالی نسلوں کو ورثے میں کیڑے ختم کرنے کا جو نظریہ دیا ، صرف اسی کے لئے تاریخ میں ان کا نام ایسے عظیم انسان‌دوست

27*

شخصیتوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہےگا جیسے لوئی پاسٹیر ، رابرٹ کوخ ، ڈانیل زبولوٹنی ، ولادیمیر ھافکن ، رونلڈ روس اور الیکزینڈر فلیمنگ - لیکن ان کا ایک مزید کارنامہ یہ بھی ھے کہ انھوں نے سائنسی فکر کا اپنا مکتب قائم کیا اور کرمیاتی بیماریوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ایسی زبردست سرکاری تنظیم کھڑی کی جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی -

کونستنتین اسکریابن نے اپنے وطن کےلئے جو خدمات انجام دیں انھیں اچھی طرح سراھا گیا ھے - ایک بڑا دخانی جہاز جو دریائے والگا پر چلتا ھے ان ھی کے نام سے منسوب ھے - پہاڑ تیان‌شان کی ایک اونچی چوٹی ، اسکریابن کے نام سے مشہور ھے - مویشی کے علاج کے طالب‌علم نوواچیرکاسک انسٹی‌ٹیوٹ کے اسکریابن نامی طفیلی کیڑوں کے شعبے میں پڑھنے جس سڑک سے آتے ھیں اس پر بھی بیسویں صدی کے مشہورترین ماھرکرمیات کا نام نظر آتا ھے - اسی طرح علم کرمیات کا کل یونین انسٹی‌ٹیوٹ ماسکو میں اور قرغیزیہ کا زرعی انسٹی‌ٹیوٹ اسی نام سے پکارا جاتا ھے - اس منکسر اور سادہ مزاج انسان پر دنیا بھر سے اعزازات کی بارش ھوئی ھے - یہ کتنے فخر کی بات ھے کہ انھیں پانچ مرتبہ آرڈر آف لینن ، تین مرتبہ محنت کے سرخ پرچم کا آرڈر اور سرخ ستارے کا آرڈر مل چکے ھیں - اس کے علاوہ انھوں نے دو ریاستی انعام اور لینن انعام بھی حاصل کئے ھیں - دنیا کی کئی سائنس اکادمیوں اور انجمنوں نے انھیں اپنا اعزازی ممبر بنایا ھے -

از : مارک پوپوفسکی

پڑھنے والوں سے

دارالاشاعت ترقی آپ کا بہت شکرگذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ : زوبوفسکی بلوار۔ نمبر ۲۱
ماسکو، سوویت یونین

21, Zubovsky Boulevard,

Moscow, USSR

گالینا لوگونووا

''میں محنت کش لوگوں کی بیٹی ہوں۔''

سیرگئی کونین کوف

''پوری طرح بازو پھیلا کر اڑنا چاہئیے۔''

نتاشا پروخانووا

''زندگی میں سب سے اہم بات رفتار کو بڑھاتے رہنا ہے۔''

یوری ژوراولیوف

''صلاحیت = سخت محنت + ثابت قدمی + لگن۔''

الکسئی مالینکن

''میں مستری ہوں۔ اپنا کام مجھے پسند ہے، یہ اچھا اور دلچسپ بھی ہے۔''

آندرئی توپولیف

''چند برسوں میں ہی ہوائی جہاز ریلوں کے برابر مسافربردری کا کام کرینگے۔''

سیرگئی ایلیوشن

''زندگی بڑی ہی دلچسپ چیز ہے!''

یوری بیلینکو

''آسمان کی بلندیوں میں میں تنہائی محسوس نہیں کرتا۔''

ولادیمیر سیدوف

''باپ کے نقش قدم پر۔''

آندرئی پیتروف

''کامیاب طرز کو چھوڑنے کے لئے ہمیشہ بڑے دل گردہ کی ضرورت ہے۔''

تمارا یوفا

''اگر میری تصویر دیکھ کر کسی کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں تو مجھے بےحد خوشی ہوتی ہے۔''

اناتولی سولوپانینکو

''ہمارے لئے نغمہ اتنا ہی ضروری ہے جتنی روٹی۔''

ولیری پوپنچینکو

''صرف دیانت سے لڑنے کے بعد ہی جیتنے کا حق ہے۔''

تتیانا کرافچینکو

''مبارک ہیں وہ لوگ جنھیں اپنے کام سے لگن ہے، یہ ان کی خوش‌قسمتی ہے۔''

تیموراز ویپخوادزے

''کام سے لگن کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔''

کونستنتین اسکریابن

''سائنس‌داں کی قوت اور اس کی بےبہا قیمت کا سرچشمہ اس کے طلبا اور شاگرد ہیں۔''